نقوشِ راہ

سیّد قطبؒ شہید

ترجمہ

عنایت اللہ سبحانی

فاران اکیڈمی
۵۸۔ حلیم اسکوائر۔ ملتان

23712

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

پاکستان میں اشاعت اول	مئی ۱۹۸۱ء
ناشر	اکرام الحق راجہ
مطبع	
تعداد	ایک ہزار
قیمت	(مجلد) ۳۰ روپے
	(عام ایڈیشن) ۲۴ روپے

ملنے کا پتہ

- فاران اکیڈمی ۵۸ حلیم اسکوائر ملتان
- ادارہ مطبوعات طلبہ ۱۔ الف ذیلدار پارک اچھرہ۔ لاہور
- البدر پبلیکیشنز۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلمۂ خیر

(از مولانا جلیل احسن صاحب ندوی)

حَمْدًا لِلّٰہِ وَ صَلٰوۃً عَلٰی مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ دُعَاۃِ الْحَقِّ وَالْخَیْرِ۔

اس دور کے اسلامی لٹریچر میں سید قطب شہیدؒ کی کتاب معالم فی الطریق انتہائی گراں قدر اہمیت رکھتی ہے۔ یہ دورِ باطل نظریات اور باطل تحریکات کے عام استیلاء کا دور ہے لیکن ہادیٔ مطلق کی عنایت سے پورے عالمِ اسلام میں ایسی تحریکیں بھی جنم لے رہی ہیں جو تجدیدِ دینِ حق اور احیاءِ اسلام کا عزم رکھتی ہیں۔ ناگزیر ہے کہ یہ داعیانِ حق دانستہ یا نادانستہ طور پر باطل تحریکات یا کم از کم باطل طریقہائے کار سے متاثر ہو جائیں۔ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ دعوتِ اسلامی کی خصوصیات اور خطوطِ کار قرآن و سنّت کی روشنی میں اس طرح واضح کر دیے جائیں کہ اس میں باطل کے گڈمڈ ہونے کی گنجائش نہ رہ جائے "معالم" اسی اہم ضرورت کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ کتاب اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہے۔ یہ کتاب ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو قرآن و سنت میں گہری بصیرت رکھتا ہے جس نے وقت کے باطل نظریات کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور ساتھ ہی دعوتِ اسلامی کے مختلف مراحل، یہاں تک کہ قید و بند اور دار و رسن کی منزلوں سے بھی گزرا

ہے۔ یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ کتاب علمی اور عملی دونوں ہی قسم کی غلط اندیشوں سے زیادہ سے زیادہ پاک ہے۔ ضرورت تھی کہ اس گرانقدر کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا جائے مجھے خوشی ہے کہ یہ سعادت عزیز گرامی مولوی محمد عنایت اللہ سبحانی کو حاصل ہوئی۔ ترجمہ آپ کے سامنے ہے، آپ خود محسوس کریں گے کہ کام پوری محنت اور دیانت داری سے کیا گیا ہے

تحریر میں بڑی پختگی اور روانی ہے۔ چونکہ مصنف سے سچی محبت اور احیاء اسلام کا درد رکھتے ہیں۔ اس لیے اصل کتاب کا سوز وساز بھی مجروح نہیں ہونے پایا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے۔ داعیان دین کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بخشے، اور مترجم کو دنیا و آخرت کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ رہے مصنف رح تو ان کو تو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے نواز کر قبولیت کی ایسی سند عطا فرمادی ہے جو ہر شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

عاجز جلیل احسن

۱۵-۸-۶۷ء ۵۸-۱۳۸۷ھ

Marfat.com

سرِ خاکِ شہیدے برگ ہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملّتِ ما سازگار آمد

سیّد قطب شہیدؒ کو جب پھانسی کے تختے پر لٹکایا گیا تو کئی
روز تک میرے حواس قابو میں نہیں تھے ؟

(مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

Marfat.com

فہرست مضامین

۱	کلمۂ خیر	۳
۲	دیباچہ طبع چہارم	۷
۳	دیباچہ طبع اوّل	۹
۴	گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان	۱۹
۵	نقوشِ راہ	۴۸
۶	بے مثال قرآنی اُمّت	۵۸
۷	قرآنی نظام کا مزاج	۶۹
۸	مسلم معاشرے کا قیام اور اس کی خصوصیات	۱۰۰
۹	جہاد فی سبیل اللہ	۱۱۱
۱۰	لا الٰہ الا اللہ ـــــــ ایک نظامِ زندگی	۱۴۸
۱۱	کائناتی شریعت	۱۶۵
۱۲	اسلام ہی تہذیب ہے	۱۷۵
۱۳	اسلام اور کلچر	۱۹۸
۱۴	مسلم کی قومیت اس کا عقیدہ ہے	۲۱۵
۱۵	ہمہ جہتی انقلاب	۲۲۵
۱۶	ایمان کی سربلندی	۲۵۴
۱۷	یہی شاہراہ ہے	۲۶۶

Marfat.com

دیباچہ طبع چہارم

قارئین کرام!

"نقوش راہ" کو منظر عام پر آئے ہوئے آج تقریباً پانچ سال ہو رہے ہیں اس اثنا میں کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ سراسر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے فضل و کرم کا کرشمہ ہے۔ ہندو پاک کے تمام ہی دینی و علمی حلقوں نے اسے قدر و تحسین کی نگاہ سے دیکھا۔ اور عوام و خواص سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

اب ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس کا چوتھا ایڈیشن پیش کر رہے ہیں۔ پہلا ایڈیشن کچھ اتنی عجلت میں شائع ہوا تھا کہ ہم ٹھیک سے نظر ثانی بھی نہ کر سکے تھے۔ اس کے بعد ہی متواتر دو ایڈیشن شائع ہوئے اور وہ بھی اس قدر جلد جلد شائع ہوئے کہ ہمیں نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا۔ اب یہ چوتھا ایڈیشن کافی اصلاح و ترمیم کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ پہلے ایڈیشنوں میں کتاب کے اندر کہیں کہیں اغلاق تھا جس سے عام قارئین کو دشواری پیش آتی تھی، اس ایڈیشن میں ہم نے حتی الامکان وہ خامی دور کر دی ہے اور عبارت میں زیادہ سے زیادہ روانی اور دلکشی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح امید ہے عام قارئین کو اب کوئی دشواری نہ ہوگی اور وہ بآسانی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

طبع اوّل کے وقت باوجود کوشش و جستجو کے مصنفؒ کی ایمان افروز زندگی سے متعلق ہمیں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں فراہم ہو سکی تھیں۔ جن سے قارئین کی کچھ تشنگی دور ہو سکتی اور اس مجاہد جلیل کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور داعیانہ کوششوں کا کسی حد تک تعارف ہو سکتا۔ بس تھوڑی سی کچھ متفرق معلومات تھیں، جو ہم نے "عرض مترجم" کے عنوان سے ہدیۂ ناظرین کر دی تھیں۔ کتاب شائع ہو جانے کے بعد ہمیں مدینہ منورہ کے

ایک دردمند عالم دین الاستاذ عبدالحق محردس کا ایک مقالہ موصول ہوا۔ جس میں مصنفؒ کی زندگی، ان کی دعوت وعزیمت اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا کسی قدر تفصیل سے تعارف کرایا گیا تھا۔ ماہنامہ زندگی کے رجب سنہ ۱۳۸۹ھ کے شمارے میں "گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان" کے عنوان سے راقم الحروف کے قلم سے اس کا اُردو ترجمہ شائع ہوا۔ جو کافی پسند کیا گیا۔ لہٰذا ہم نے اسے بھی شامل کتاب کر لیا۔ تاکہ اصل کتاب کے مطالعے سے پہلے صاحب کتاب کی شخصیت، اور ان کے عملی کارناموں کا مختصر سا تعارف ہو جائے۔ د اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے اور ہمارے اندر بھی وہ ایمان ویقین اور وہ جذبۂ بے تاب پیدا کر دے جو اس کتاب کی تصنیف کا اصل محرک ہے۔

Marfat.com

بسمہٖ سبحٰنہٗ

دیباچہ طبع اوّل

عمریست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دار و رسن را

دریائے نیل کی موجیں شاہد ہیں کہ سرزمینِ مصر تاریخ کے ہر دور میں حق و باطل کی رزم گاہ رہی ہے۔ زمانۂ قدیم سے ہی وہاں خیر و شر کے معرکے بپا رہے ہیں ہمیشہ سے ہی وہاں نور و ظلمت اور کفر و ایماں باہم دست و گریباں رہے ہیں۔ وہاں ایک سے ایک خون آشام اور بے رحم فراعنہ و جبابرہ پروان چڑھتے رہے ہیں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ جب بھی کسی فرعونِ وقت نے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا نعرہ لگایا، اسی دم کوئی موسیٰ بھی نمودار ہوا ہے۔ جب بھی کسی نمرود نے أَنَا وَلَا غَيْرِي کی صدا بلند کی ہے اسی لمحے کسی خلیلِ بُت شکن کا دستِ بے باک بھی ظاہر ہوا ہے۔ جب بھی باطل نے حق کو چیلنج کیا ہے حق پرستوں کی ایک جماعت نے آگے بڑھ کر اس کے چیلنج کو قبول کیا ہے۔ وہ مردانہ دار سر بکف میدان میں آ نکلے ہیں اور جم کر پوری بے خوفی سے باطل کا مقابلہ کیا ہے۔ اُنھوں نے جانیں تو دے دیں مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی۔ اُنھوں نے سر تو کٹا دیا مگر سرنگوں ہونے کا نام نہ لیا۔ جب جلاد تلوار چمکاتا ہوا آگے بڑھا تو اُنھوں نے مسکرا کے نظر ملائی پھر یہ کہتے ہوئے مردانہ وار تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ ؎

فلست ابالی حسین اقتل مسلما
علی ای جنب کان فی اللہ مصرعی

اور جب انھیں دار و رسن کی دھمکی دی گئی تو بصد ناز اس دھمکی کو قبول کیا اور بزبانِ حال یہ کہتے ہوئے مستانہ وار خود آگے بڑھ کر اپنے کو حوالہ کر دیا۔ ؎

Marfat.com

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

وادئ نیل کسی بھی دور میں ایسے شہیدانِ وفا سے خالی نہیں رہی۔ ہر دور میں فداکاری وجاں نثاری کی یہ مثالیں سامنے آتی رہی ہیں۔ آج بھی کتنے ہی شہیدانِ عشق و وفا اور جرعہ خوارانِ بادۂ توحید ہیں جو اس رسم کی تجدید میں مصروف ہیں جو کوہِ ہمالہ کی طرح راہِ حق پر قائم ودائم ہیں اور باطل کی طرف سے ہونے والے ہر وار کو اپنے سینوں پر روک رہے ہیں۔ جو چمنستانِ اسلام کی طرف بڑھنے والی ہر بادِ سموم کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہیں۔ اور خود اپنے خونِ دل وجگر سے اس کی آبیاری میں مصروف ہیں۔ ان میں سے کتنے ہیں جو اس راہِ عشق میں کام آچکے۔ اور کتنے ہیں جو اس کے انتظار میں ہیں۔ کتنے ہیں جو جامِ شہادت ہونٹوں سے لگا چکے اور کتنے ہیں جو اسی کی تمنا میں جی رہے ہیں۔ مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ۔

انہی شہیدانِ راہِ وفا اور انہی کشتگانِ خنجرِ تسلیم میں وہ شخصیت بھی شامل ہے جس کی کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ کتاب "نقوشِ راہ" "معالم فی الطریق" کا اُردو ترجمہ ہے۔ "معالم فی الطریق" سید قطب رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ہی مشہور ومقبول اور آخری تصنیف ہے۔ یہ مصر وحجاز کے ہر خاص وعام سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ ہمارے ایک معزز دوست جو حجاز میں کئی سال رہ چکے ہیں اور جنھوں نے مصر میں بھی کچھ دن گزارے ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ یہ کتاب عرب ممالک میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ مصر میں اس کی مقبولیت کا حال بتاتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ صرف مصر میں ایک ایک ہی دن میں اس کے ہزاروں نسخے فروخت ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ہمارے علمی اور تحریکی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ اور قافلۂ تحریکِ اسلامی کے لیے بہترین رہنما ہے۔ اس کتاب میں تحریکِ اسلامی کے خطوطِ کار، اس کے نقطہائے نظر اور راہِ دعوت میں پیش آنے والے تدریجی مراحل کا جو تجزیہ کیا گیا ہے وہ انتہائی حکیمانہ اور شریعتِ اسلامی کے مزاج کا بہترین ترجمان ہے۔

Marfat.com

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو اس کی قدر و قیمت میں چار چاند لگا دیتی ہے۔ یہ کتاب کوئی عام انداز کی علمی اور فنی تصنیف نہیں۔ یہ نظریہ اور تحریک، علم اور وجدان، حقائق اور جذبات کا ایک مؤثر اور دلآویز مرقع ہے۔ یہ ایک دردمند دل کی پکار اور ایک بے قرار روح کی فریاد ہے، کتاب کے جملے کیا ہیں، مصنف کے جگر پارے ہیں۔ کتاب کی ایک ایک سطر کہہ رہی ہے کہ اس کے لیے جو روشنائی استعمال کی گئی ہے اس میں صرف پانی ہی نہیں دل کے لہو کی بھی آمیزش ہے۔

اس لحاظ سے بھی یہ کتاب انتہائی اہم ہے کہ اسی کو موصوف کی شہادت کے لیے بہانہ بنایا گیا کتاب پڑھ کر قاری حیران رہ جاتا ہے کہ اس میں وہ کون سی بات تھی جو مصر کی حکومت کے لیے حلق کا کانٹا بن گئی۔ اور اس کی کن سطور سے اقتدارِ وقت کو یہ اندیشہ ہوا کہ یہ کتاب سلطنتِ مصر کا تختہ الٹنے کی ایک منظم سازش ہے۔ لیکن یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ حیرانی کی بات تو اس وقت ہوتی جب حکومتِ مصر کا رویہ اس کے برعکس ہوتا۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ کتاب واقعتہً مصر کے کلیت پسند نظام کے سرتاسر خلاف تھی۔ اور اس کی عسکری حکومت کے لیے ایک عظیم خطرہ بھی، ظاہر ہے اسلام کو قائم کرنے اور حق کو زندہ کرنے کی ہر کوشش نظامِ جاہلیت کی بنیادوں پر انتہائی زبردست چوٹ ہے اور ایسے موقع پر جاہلیت کا تلملانا اور پیچ و تاب کھانا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اس کتاب کو بنیاد بنا کر جو خونیں ڈرامہ کھیلا گیا وہ کچھ بھی حیرت ناک اور خلافِ توقع نہ تھا۔ ہاں افسوس ناک اور شرمناک ضرور تھا۔ کہ یہ ظلم و بربریت اور جبر و استبداد کا اتنا زبردست مظاہرہ تھا کہ انسانیت جتنا ماتم کرے تھوڑا ہے۔ اس حادثہ سے عالمِ اسلام کو اتنا شدید دھکا لگا کہ ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

اس جاں کا الیہ پر بلند ہونے والے نالے اور سرد آہیں اگر دُودِ آتش کی صورت اختیار کر لیتیں تو یقین مانیے پورا ربع مسکوں تاریک نظر آتا . . . . مگر نہیں، اس سانحہ سے ہمیں غم سے زیادہ خوشی اور رنج سے زیادہ مسرت ہے۔

Marfat.com

کیونکہ یہ حق کی فتح اور باطل کی شکست تھی۔ اُجالے کی جیت اور اندھیرے کی ہار تھی۔ روح کی سربلندی اور مادّے کی ہزیمت تھی۔ ایمان و یقین کی کامیابی اور الحاد و دہریت کی ناکامی تھی۔ یقیناً اس عظیم ہستی کا ہم سے اس طرح چھن جانا انتہائی صبر آزما اور حوصلہ شکن آزمائش تھی مگر سوچنے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ؎

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

پھر اس دُنیا میں کوئی عمرِ جاودانی لے کر نہیں آیا۔ ان سے پہلے بھی کتنی ہی عظیم اور یگانۂ روزگار ہستیاں آئیں اور چلی گئیں۔ حتیٰ کہ خلاصۂ کائنات اور فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کو بھی موت سے دوچار ہونا پڑا۔ دیکھنے کی چیز اصل میں یہ ہے کہ اس مردِ حُر نے جان دینی گوارہ کر لی، مگر عقیدہ و روح کی ہزیمت گوارا نہ کی۔ تختۂ دار پہ چڑھ گیا، مگر ایمان و یقین پہ آنچ نہ آنے دی۔ زندگی، اور زندگی کی ساری لذتیں چھن گئیں، مگر حق و صداقت کی رسوائی نہ ہونے دی، اس نے دُنیا اور عیشِ دُنیا کو اس شانِ بے نیازی کے ساتھ الوداع کہا کہ باطل انگشت بدنداں ہے۔ ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

اس مردِ شہید کی تصویریں بیروت، امریکہ اور برطانیہ کے اخبارات میں شائع ہوئیں، اس نوٹ کے ساتھ کہ موت کا حکم محیر العقول طور پر ٹھنڈے اعصاب سے سنا۔ بیروت کے اخبار "الحیاۃ" نے لکھا ہے! "صبح شہادت جب ان سے آخری خواہش معلوم کی گئی، تو صرف سنۃ القتل کی دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت طلب کی، اور آخری فوٹو میں مسکراتے ہوئے بلکہ ہنستے ہوئے نظر آ رہے ہیں" گویا کوئی دولہا ہو جو مستقبل حسین کی رعنائیوں کا تصور کر کے خوشی سے بے قابو ہو ؎

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر،
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں

یقیناً یہ اُمتِ مسلمہ کی بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ اس دور میں بھی وہ ایسے

نفوس سے خالی نہیں جو اس کی آبرو کے تحفظ کے لیے نقدِ جاں پیش کر سکیں۔ جو اپنا سر تو کٹا دیں مگر اس کی ناک نیچی نہ ہونے دیں۔

اب ہم ذرا اختصار کے ساتھ مصنّفؒ کی زندگی کا تعارف کرائیں گے پھر بیچ سے ہٹ جائیں گے تاکہ براہِ راست آپ ان کی باتوں سے مستفید ہو سکیں۔

سید قطبؒ ۱۹۰۶ء میں مصر کے ایک صوبہ اُسیوط کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام قطب ابراہیم، اور والدہ کا نام فاطمہ حسین عثمان تھا۔ سید قطبؒ اپنے والدین کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ چھوٹے بھائی کا نام محمد قطبؒ تھا۔ سید قطبؒ ہی کی طرح یہ بھی بہت ہی اہم اور مقبولِ عام کتابوں کے مصنّف ہیں ان کی بہن حمیدہ قطب بھی دین کی سرگرم خاتون اور نامور انشاء پرداز تھیں۔ والدہ بھی بڑی نیک اور دیندار خاتون تھیں۔ قرآن کریم سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتی تھیں۔ ان کی تمنا تھی کہ بیٹے حافظِ قرآن ہوں۔ خدا رسیدہ ماں کی آرزو بر آئی۔ ان کا لال سید قطبؒ نہ صرف حافظِ قرآن ہوا، بلکہ قرآن کریم کے اسرار و علوم سے بھی خوب نہال ہوا۔ اور پھر تیس۳۰ جلدوں میں ایک نئے طرز کی تفسیر لکھ کر دنیا کو بھی علومِ قرآن سے مالا مال کیا۔ سید قطبؒ کی ابتدائی تعلیم شہر ہی کے ایک مکتب میں ہوئی۔ پھر ۱۹۲۹ء میں دار العلوم کالج قاہرہ میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۳۳ء میں یہاں سے بی، اے کی ڈگری اور ڈپلوما ان ایجوکیشن حاصل کیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات سید قطبؒ کی پیشانی پر بچپن سے ہی اقبال مندی کا ستارہ چمک رہا تھا۔ کالج میں بھی ان کا شمار انتہائی ذہین طلبہ میں رہا۔ اسی زمانے میں ان کے اندر شعر و ادب اور صحافت کا بھی ذوق پیدا ہو گیا۔

تعلیم سے فراغت ہوئی تو وزارتِ تعلیم میں آ گئے اور انسپکٹر آف اسکولز کی حیثیت سے ایک عرصے تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں وہ وزارتِ تعلیم کی طرف سے امریکہ گئے۔ وہاں مختلف نظامہائے تعلیم و تربیت کا مطالعہ کیا اور دو سال رہ کر ۱۹۵۱ء میں واپس آ گئے۔

Marfat.com

دورانِ تعلیم اور اس کے بعد ایک زمانے تک سیّد قطب کو اسلام سے کوئی عملی اور گہرا لگاؤ نہ رہا۔ خالص ادبی رنگ ان کے مزاج پر غالب رہا۔ شعر و شاعری کے علاوہ انھیں فنِ تنقید سے خاص دلچسپی تھی۔ وہ مصر کے اس مشہور ادبی و تنقیدی حلقے کے ایک اہم رکن تھے جو عباس محمود العقاد کا مدرسہ یا دبستاں کہلاتا ہے۔ وہ عقاد کے اسلوب نگارش سے متاثر تھے۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں اکثر وہی رنگ جھلکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ خود ایک صاحبِ طرز ادیب اور صاحبِ فن نقاد تھے۔ ان کے ادبی اور تنقیدی مضامین، ادبی حلقوں میں بڑی قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی کتابیں "النقد الادبی" اور "کتب و شخصیات" تنقیدی ادب کی شاہکار ہیں۔ اسی زمانے میں اُنھوں نے قرآن کریم کا ادبی اور فنی حیثیت سے گہرا مطالعہ کیا۔ اور اپنے نتائج مطالعہ کو "التصویر الفنی فی القرآن" اور "مشاهد القیامة فی القرآن" نامی کتابوں کی شکل میں پیش کیا۔ جو علمی اور ادبی حلقوں میں کافی مقبول ہوئیں۔ قرآن کریم کے اس مطالعہ اور ان دونوں کتابوں کی تصنیف سے سیّد صاحب کی زندگی پر بہت ہی خوشگوار اثرات مرتب ہوئے اور دن بدن فکری اور جذباتی طور سے اسلام سے ان کی دلچسپیاں بڑھتی گئیں۔ شخصیت میں انقلاب کا یہ عمل ۱۹۴۵ء تک جاری رہا۔ ۱۹۴۷ء میں موصوف نے "العدالة الاجتماعیة فی الاسلام" کی تصنیف شروع کی۔ اس وقت ان کے مزاج پر اسلامی رنگ پوری طرح غالب تھا اور اس میں خاصی پختگی اور صلابت آچکی تھی۔ اس کتاب کی تصنیف شروع کی تو اس کی برکت سے ان کی طبیعت کا آئینہ اور زیادہ مجلّٰی و مصفّا اور صیقل ہوگیا۔ ۱۹۴۸ء میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور اس کے بعد دو سال کے لیے موصوف کو امریکہ جانے کا موقع ملا۔ اس سفر میں اُنھوں نے امریکہ اور یورپ کے تمام تعلیمی اور تہذیبی مراکز کو قریب سے دیکھا۔ اور مغرب کی شیشہ گری اور اس کی مادّی تہذیب کا بالغور مطالعہ کیا اس وقت اسلام کی عظمت اور اس کی قدر و منزلت پوری طرح نکھر کر ان

کے سامنے آگئی اور انھیں اس حقیقت کا علم الیقین حاصل ہو گیا کہ تنہا اسلام ہی وہ دینِ فطرت ہے جو دُنیا کو تہذیبی بحران سے نکال کر ایک متوازن نظامِ حیات دے سکتا ہے اور شقاوت و بدبختی کی ہولناک تیرگی کو ختم کر کے صبحِ سعادت کی دلکشا ساعت لا سکتا ہے، چنانچہ امریکہ سے واپس آکر اُنھوں نے "امریکا التی رأیت" نامی کتاب کی شکل میں اپنے یہ تاثرات قوم کے سامنے پیش کیے۔ چونکہ اس وقت دوسرے عربی اور اسلامی ممالک کی طرح مصر بھی مغرب کی مادّی دوڑ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہا تھا اور مغرب کی اندھی تقلید میں ہی اپنے لیے فخر محسوس کرتا تھا اس لیے سید صاحبؒ نے مغربی نظاموں کی خوب قلعی کھولی۔ اور ان کی طرف سے قوم کو بیزار کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اسلام سے جوں جوں ان کا تعلق بڑھتا گیا اور علوم اسلامیہ کا جیسے جیسے مطالعہ ہوتا رہا۔ "الاخوان المسلمون" سے بھی دلچسپی ہوتی گئی۔ ایک زمانے میں تحریک اخوان کے مرشد عام حسن البنّا شہیدؒ سے موصوف کو خاصا اختلاف بھی رہا لیکن امریکہ سے واپسی پر اس تحریک سے خاصا لگاؤ ہو گیا۔ اور وہ اخوانی اخبارات و رسائل میں کثرت سے مضامین لکھنے لگے، چنانچہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ "الدعوۃ" کا ہر شمارہ ان کے رشحاتِ قلم سے مزین ہوتا۔ ۱۹۵۳ء میں وہ اخوان کے باضابطہ ممبر بن گئے۔ اخوان نے انھیں مرکزی شعبۂ نشر و اشاعت کا سکریٹری بنا دیا۔ سید صاحبؒ نے اخوانی لٹریچر کو مختلف زبانوں میں منتقل کرنے اور اس میں مزید اضافہ کرنے کا ایک جامع نقشہ بنایا۔ لیکن ابھی اس کے مطابق کام شروع ہی کیا تھا کہ یہ تحریک خلافِ قانون قرار پا گئی۔ پھر جب یہ تحریک دوبارہ بحال ہوئی تو اخوان نے "الاخوان المسلمون" کے نام سے ایک ہفت روزہ نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کی ایڈیٹری کے لیے سید صاحب کا انتخاب ہوا۔

جدید مصری فرعونیت کے زمانے میں جب پہلی بار تحریکِ اخوان خلافِ قانون قرار دی گئی تو سید قطبؒ کو بھی گرفتار کر کے جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا

گیا۔ مارچ ۱۹۵۴ء میں رہا کر دیا گیا۔ پھر اکتوبر ۱۹۵۴ء میں بڑے پیمانے پر اخوان کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اسی موقع پر سید صاحبؒ کو بھی دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ جیل کی وحشت ناک تنہائیوں میں بھی قلمی جہاد کا سلسلہ جاری رہا اس مدت میں اُنھوں نے کئی کتابوں پر نظر ثانی کی۔ "فی ظلال القرآن" کی تکمیل بھی جیل ہی میں ہوئی۔

درمیان میں حکومت مصر نے کرنل عارف عبد السلام کی طرف سے بہت دباؤ پڑنے پر انھیں کچھ دنوں کے لیے آہنی سلاخوں سے باہر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ مگر یہ وقفہ زیادہ طویل نہ ہوا تھا کہ حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کا الزام لگا کر پھر قید کر لیا گیا۔ پھر ان اور ان کے ساتھیوں پر ایسے ایسے بہیمانہ اور شرمناک مظالم کے پہاڑ توڑے گئے کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی بآسانی انھیں سننے کی تاب نہیں لاسکتا۔ مگر سید صاحبؒ اور ان کے بے گناہ ساتھی صبر و استقامت کا پیکر بنے رہے۔ اور باطل کی تیز و تند اور بھیانک آندھیوں کے مقابلے میں آہنی چٹان اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ڈٹے رہے۔ بالآخر ۲۹ اگست ۱۹۶۶ء کی شب میں جدید مصری فرعونیت کے بے رحم ہاتھوں نے امّت مسلمہ کو اس کی اس عظیم دولت سے محروم کر دیا۔ اور سید قطبؒ یعنی آسمانِ علم و یقین کا قطب تارہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ تختۂ دار کا خندہ جبینی سے استقبال کرتے ہوئے اپنے رب سے جا ملا۔

حق کے پروانو! سلام ہو تم پر۔ ملّت کے رہنماؤ! سلام ہو تم پر۔ صداقت کے علمبردارو! سلام ہو تم پر۔ اسلام کے فداکارو! سلام ہو تم پر۔ امّت کے ناخداؤ! سلام ہو تم پر۔ دین کے پاسبانو! سلام ہو تم پر۔ ہمیں یقین ہے تمھارا خون ضرور رنگ لائے گا۔ تم نے اپنے خون سے جس کشتِ اسلام کی آبیاری کی ہے وہ ضرور لہلہائے گی۔ تم نے "سرخ روغن" سے ایمان و یقین کی جو قندیلیں روشن کی ہیں وہ ضرور روشن رہیں گی، اور دُنیا کو روشن کریں گی۔ کیونکہ ؎

خونے کہ عشق ریزد ہرگز ہدر نہ باشد

سید صاحبؒ دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں، جو اسلامیات کے

Marfat.com

علاوہ شعر و افسانہ، تنقید و ادب اور سفرنامہ وغیرہ اصناف سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ساری کتابیں اپنے اپنے فن کی نہایت اہم اور کامیاب کتابیں ہیں۔ مگر ان میں "فی ظلال القرآن" "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" "التصویر الفنی فی القرآن" "مشاہد القیامۃ فی القرآن" "معرکۃ الاسلام والرأسمالیۃ" اور "معالم فی الطریق" خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ "معالم فی الطریق" کا تذکرہ قدرے تفصیل سے ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ "فی ظلال القرآن" کی کچھ جلدیں اور "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" کا اُردو ترجمہ دیکھنے کا بھی ہمیں اتفاق ہوا۔ یہ کتابیں اپنے موضوع پر نہایت اہم اور ایک انفرادی شان کی حامل ہیں۔ بقیہ کتابیں دیکھنے کا ہمیں موقع نہ مل سکا۔ لیکن اتنا ہمیں معلوم ہے کہ یہ بڑے بڑے اساتذۂ فن اور اساطین علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اور خاص و عام سب نے ان کی قدر و قیمت کو تسلیم کیا اور انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ ان کتابوں سے سید صاحبؒ کی غیر معمولی صلاحیت، علمی مہارت اور دین کی گہری بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاریخ اسلام کی یہ کتنی زبردست ٹریجڈی ہے کہ اسلام کا یہ ہیرو خود مسلمانوں کی ہی لرزہ خیز ستم رانیوں کا ہدف بنا۔ ان کے بے رحم ہاتھوں نے اس گل سرسبد کو مسل دیا اور علم و عمل کے اس پہاڑ کو دُنیا کی نظروں سے اوجھل کر کے ہی دم لیا۔

حیف بریں گزندگاں وائے ازیں درندگاں
تیغ جفائے دوستاں بر سر دوستاں نگر

"معالم فی الطریق" سید صاحبؒ کی دوسری تصنیف ہے جو اُردو زبان میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ ان کی نہایت اہم اور آخری تصنیف ہے۔ اس سے موصوف کی ایمانی حرارت اور علمی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔ ترجمہ میں ہم نے کتاب کی اصل روح قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور زور و تاثیر کو حتی الامکان مجروح ہونے سے بچایا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں ہمیں کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے۔ کتاب کا مسودہ کچھ ذی علم اور صاحب بصیرت حضرات کی نظروں سے بھی گزر چکا ہے۔ ان بزرگوں نے اسے دیکھ کر جن تاثرات کا

Marfat.com

اظہار کیا وہ ہمارے لیے کافی اطمینان بخش ہیں۔

ترجمہ کے دوران ہمیں اپنے دو شفیق اساتذہ مولانا جلیل احسن صاحب ندوی اور مولانا شہباز صاحب اصلاحی سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ اساتذۂ محترم مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی اور مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی کی دعائیں اور نیک تمنائیں بھی ہمارے شامل حال رہیں۔ ہم اپنے ان بزرگوں کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ انھیں دنیا و آخرت میں شاد کام رکھے نیز اس حقیر کوشش کو شرف قبول بخشے۔ ہمارے بھائیوں کو زیادہ سے زیادہ اس سے فائدہ پہنچائے۔ اور اس عاجز ناتواں کے لیے اسے رحمت و مغفرت کا بہانہ بنائے۔

ہیچمداں
محمد عنایت اللہ
۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

Marfat.com

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

کسی بھی دعوت یا تحریک کی جان بس دو ہی چیزیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک تو اس کے اصول و نظریات اور طریق کار، دوسرے اس کے وہ افراد جن کی زندگیاں ان اصولوں کا نمونہ ہوں اور عملاً اس کے طریق کار کی ترجمانی کرتی ہوں۔ بس انہی افراد سے صحیح معنوں میں ان اصولوں کا وقار بڑھتا اور ان کی توانائی اور استحکام میں اضافہ ہوتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ دعوت کے علمبرداروں کی تربیت پر ہی کسی دعوت کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے، وہ جس پیمانے پر دعوتی افکار و نظریات کو اپنے اندر جذب کرتے اور اس کے طریق کار کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اسی پیمانے پر وہ دعوت کامیاب یا ناکام ہوتی ہے، گویا کسی دعوت یا تحریک کی اوّلین اساس افراد اور ان افراد کی تربیت ہی ہوا کرتی ہے۔ اس حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اسلام ایک بہترین فکر اور کامیاب ترین نظریہ ہے، چنانچہ مردم سازی کے اس کارخانے سے برابر ایسے نمونے برآمد ہوتے رہے ہیں جو انسانی کمالات کے نقطۂ عروج پر رہے ہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ دین اسلام گویا عظمت کا ایک منارہ ہے، کہ جس نے بھی کبھی اس کی روشنی میں تربیت پائی ہے اس کے گنبد زندگی میں عظمت کے قمقمے روشن ہو گئے ہیں۔ یہی راز ہے کہ تاریخ اسلام ایسی باعظمت شخصیتوں سے بھری پڑی ہے جنھوں نے زندگی کے ہر میدان میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔ یہ عظمائے اسلام کوئی گنے چنے افراد نہیں، بلکہ ایک عظیم انبوہ ہے جس کو شمار کرنا کوئی آسان کام

Marfat.com

نہیں، بلکہ بسا اوقات تو پورا پورا خاندان آسمان اسلام پر آفتاب و ماہتاب بن کر اپنی تابانیاں دکھلاتا رہا ہے۔ قرنِ اوّل میں حضرت یاسرؓ کے خاندان کی کچھ یہی صورت تھی، وہ، ان کی بیوی، ان کے بیٹے، سبھی تاریخِ اسلام کے ہیرو تھے، آلِ مقرن کے خاندان کی بھی یہی نوعیت تھی۔ سوید، عبداللہ، نعمان، سبھی لشکرِ اسلام کے قائد اور ظفر مندیٔ اسلام کے تاجدار تھے۔ عباسی دورِ خلافت میں آلِ شاکر کا بھی یہی حال تھا، کہ وہ سب کے سب ریاضیات اور میکنک کے اساتذۂ فن تھے۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو تاریخِ اسلام کے ہر دور میں ہی ایسی شخصیتیں اور ایسے گھرانے برابر نمودار ہوتے رہے ہیں جنھوں نے ہمیشہ عظمت و بلندی کے مناروں پر آشیانے بنائے ہیں۔ زمانۂ حال میں آلِ قطب، سیّد قطب، محمد قطب، امینہ قطب، حمیدہ قطب اور ان کی بڑی بہن (شہید رفعت بکر شافعی کی والدہ ماجدہ) کا گھرانہ بھی اسی انداز کے گھرانوں میں سے تھا، اور اس گھرانے کی رہنمائی و سربراہی کا سہرا سید قطبؒ کے سر ہے۔ شاید اب آپ جاننا چاہیں گے کہ سید قطبؒ اور ان کے گھرانے کی سرگزشت کیا ہے؟ اسلام کی نگاہ میں ان کا کیا مقام ہے؟ اور دعوتِ اسلامی کے سلسلے میں ان کا کیا رول رہا ہے؟

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے، مصر کے ریفی علاقوں میں حفظِ قرآن کا بڑا چرچا تھا۔ حفاظ کی کثرت پر وہ علاقے باہم فخر کیا کرتے، یہی وجہ ہے کہ وہ بچّوں کو کوئی تعلیم دلانے سے پہلے قرآن پاک حفظ کراتے۔ اس وجہ سے نہیں کہ بچّوں کو اس سے آئندہ تعلیم میں سہولت ہو جائے گی بلکہ یہ درا صل قرآن پاک سے ان کے قلبی لگاؤ اور ذہنی وابستگی کا کرشمہ ہوتا، یہی سبب ہے کہ جو لوگ علمی میدان میں آگے بڑھنے کا ارادہ نہ بھی رکھتے، وہ بھی قرآن پاک حفظ کرتے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد زراعت یا کسی حرفت میں لگ جاتے، پھر سارے کاروبار کرتے ہوئے بھی وہ زندگی بھر قرآن پاک کی طرف سے لاپروا نہ ہوتے۔

Marfat.com

اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں۔ اگر اسلامی ممالک میں تعلیم کی اساس قرآن پاک ہو اور قرآنی و دینی کلچر ہی ان کا مطمح نظر اور ان کی توجہات کا مرکز ہو، سید قطب شہیدؒ ان سعید روحوں میں سے ہیں جنھوں نے عقل و شعور کی آنکھیں قرآن کریم کی آغوش میں کھولیں، بچپن میں حفظ کیا اور جوانی میں اس پر غور و تدبر کیا لطف کی بات ہے کہ اس دور کے متعلق یہ تاثر عام ہو چکا تھا کہ مسلمان ممالک میں اب انسانی سوتے خشک ہو چکے اور آج سے بہت پہلے ہی عظمائے اسلام کا یہیں سلسلہ منقطع ہو چکا، مگر آج زمانے کی نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ شہدا اور عظماء کے قافلے پر قافلے، یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ بلاشبہ تیرے رب کی فوجوں کا علم تو بس اسی کو ہے۔ مومنین میں سے کتنے ہی ایسے ہیں جنھوں نے اپنے عہد کو سچ کر دکھایا، ان میں سے کتنے تو اپنے ارمان پورے کر چکے اور کتنے اس کے انتظار میں ہیں، اور انھوں نے ذرا بھی تبدیلی نہیں کی۔

یہ چند تمہیدی کلمات تھے۔ اب ہم چاہتے ہیں امام شہیدؒ کی زندگی کا براہ راست کچھ تعارف کرائیں۔ موقع زیادہ تفصیل میں جانے کا نہیں، اس لیے چند ابھرے ہوئے گوشے ہی سامنے آسکیں گے۔

سید قطبؒ ۱۹۰۶ء میں صوبہ اسیوط کے ایک گاؤں "موشا" میں پیدا ہوئے۔ والدین بہت صالح اور دین دار تھے، والد حافظ قرآن تھے، اور ماں قرأت قرآن سننے کی بے حد شوقین تھیں، ریڈیو اور گراموفون پر تلاوت قرآن سننا ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ سید قطبؒ پر ان کا کافی دنوں سایہ رہا۔ یہاں تک کہ قاہرہ میں وہ سپرد خاک ہوئیں، سید قطبؒ کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے ہی ایک مکتب میں ہوئی، قرآن پاک بھی وہیں حفظ کیا، پھر وہ قاہرہ چلے آئے اور دارالعلوم کے مدرسہ اعدادیہ میں داخل ہو گئے۔ پھر کچھ دنوں بعد دارالعلوم کالج میں داخلہ لے لیا۔ وہاں سے فراغت کے بعد ٹریننگ کالج میں کچھ دن گزارے۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۲ء

میں دارالعلوم کی سندِ فراغت اور ڈپلوما ان ایجوکیشن حاصل کر لیا۔ ان کے بھائی محمد قطب بھی قاہرہ آکر ان کے ساتھ تعلیم میں لگ گئے۔ سید قطبؒ نے اپنی والدہ ماجدہ اور دونوں بہنوں امینہ اور حمیدہ کو بھی وہیں بلا لیا۔ اس طرح یہ چاروں افراد قاہرہ میں رہنے لگے۔ اور کچھ دنوں میں یہ چاروں چرخِ ادب کے چاند تارے بن گئے۔ سید قطب ان سب میں بڑے تھے، عمر کے لحاظ سے بھی اور علم و فضل کے اعتبار سے بھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سید قطبؒ نے کچھ ایام ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے ساتھ گزارے۔ وہ ان کے خاص سکریٹری بن گئے۔ اور ان کے نظریۂ ادب اور اسلوب نگارش سے متاثر بھی ہوئے۔ چنانچہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "الایام" کے ہی انداز پر "طفل من القریۃ" نامی ایک کتاب لکھی اور اس کا انتساب بھی ڈاکٹر طٰہٰ حسین کے ہی نام کرتے ہوئے ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے اپنے ہی فیضِ صحبت کا کرشمہ سمجھیں۔ اس کے بعد سید صاحب درس و تدریس کے میدان میں آگئے اس زمانے میں وہ عقاد سے وابستہ رہے اور ان سے کافی متاثر بھی ہوئے۔ ٹھیک اسی دوران عقاد اور رافعی کے مابین ادبی جنگ [illegible] بلاغت اور ادبِ قدیم سے وابستگی بہتر ہے یا اوزان و [illegible]

بلاغت کو خیر باد کہہ کر ادب میں جدت پسندی" کے موضوع پر بہت زوردار بحث [illegible]

[illegible] رہی ہیں۔ سید صاحب "عقادی" مکتبِ فکر کے نہایت ہونہار اور فن کار ادیب تھے۔ یہیں سے شعر، افسانہ اور تنقیدی ادب کے موضوع پر ان کی ادبی تخلیقات کی ابتدا ہوتی ہے، چنانچہ اس زمانے میں ان موضوعات سے متعلق سید صاحب کی متعدد کتابیں سامنے آئیں۔ اس زمانے میں سید صاحبؒ کو دین سے کوئی خاص لگاؤ نہ رہا، اور وہ اسلامیات کے مطالعے سے بہت دور رہے۔

سنہ ۱۹۳۸ء میں الاستاذ احمد حسن الزیات کے زیر ادارت نکلنے والے

23712

Marfat.com

وقت کے ایک ممتاز ادبی مجلہ "الرسالۃ" کے کالم اس ادبی جنگ کا محاذ بنے اور محمد سعید عریاں اور سید قطب کے درمیان نہایت معرکۃ الآرا بحثیں چلیں۔ محمد سعید العریاں رافعی کی حمایت میں تھے اور سید صاحب عقاد کی مدافعت میں انجام کار میدان عریاں کے ہاتھ رہا۔ رافعی کی بلاغت اور ان کے مطالعہ قرآن کی وجہ سے عریاں ہی غالب رہے۔

خدا کی مشیت ایسی کہ نیک نفس اور بلند کردار سید قطب کے لیے یہی ادبی جنگ خیر و بہتری کا فتح باب بن گئی۔ وہ از سر نو بلاغت قرآن اور اسالیب قرآن کا نہایت دیدہ ریزی اور گہرائی سے مطالعہ کرنے لگے، اس طرح کئی سال کے غور و تحقیق کے بعد سید قطب نے بھی عبقری انسانوں کے مثل ایک نیا انکشاف کر کے عربی ادب اور اسلامی علوم میں قابل قدر اضافہ کیا۔ اس نئے انکشاف نے سید صاحب کو عریاں اور عقاد سے بھی آگے بڑھا دیا، اور اب دنیائے عرب اور عالم اسلام کے ممتاز اہل قلم میں ان کا شمار ہونے لگا۔ پھر یہی دریافت اسلام کے گہرے مطالعہ اور بعد میں تحریک سے وابستگی کا سبب بنی، نیز اسی کا کرشمہ تھا کہ آخر میں شہادت کا خلعت زیبا بھی ان کے قد اقدس پر راست آگیا۔ اس موقع پر شاید آپ جاننا چاہیں گے کہ وہ کون سی نئی اور مہتم بالشان دریافت تھی، وہ تھی "قرآن میں منظر کشی یا فنی تصویر کشی" کی دریافت۔ یہ دریافت سید صاحب نے اپنی مشہور کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" میں پیش فرمائی۔ ۱۹۴۴ء کے لگ بھگ اس کتاب کی اشاعت ہوئی۔ اس کے بعد ہی "مشاہد القیامۃ فی القرآن" نامی ایک دوسری کتاب منظر عام پر آئی، جو دراصل ایک قرآنی موضوع کے سلسلے میں اسی جدید نظریہ کی تطبیق کی ایک کوشش تھی۔ سید صاحب کی شہرۂ آفاق تفسیر "فی ظلال القرآن" میں بھی بنیادی طور پر اسی نظریہ کی جلوہ طرازی ہے۔ اسی کی بدولت سید صاحب علمی اور عملی طور پر اسلام سے قریب ہوئے۔ اسی مطالعہ سے سید صاحب کے عقیدے میں استحکام آیا۔ ان میں دعوت کا فہم پیدا ہوا، نیز اس کے لیے جد و جہد کی دھن، اور

Marfat.com

تن من دھن سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ بے پناہ امڈ پڑا۔ بس اسی وقت سے سید صاحب ایک اسلامی ادیب اور ایک دینی شخصیت کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔ جبکہ اس سے قبل وہ بس ایک ادیب کی حیثیت سے متعارف تھے اور اب خدا سے ان کے تعلق میں استواری آگئی اور صحیح معنوں میں وہ ایک دین دار انسان نظر آنے لگے۔

سید صاحب محض کوئی مصنف یا مضمون نگار نہ تھے کہ بس خطوط اور سطروں کے تنگ ہالے میں محصور رہتے اور کتابوں کے صفحات میں ہی ان کی شخصینت کی جلوہ گری ہوتی، اور نہ کوئی مفکر تھے کہ فکر و خیال کی پنہائیوں میں غوطے لگاتے یا شعر و نغمہ کی کیاریوں میں ہی چہکتے رہتے، وہ تو ایک زندہ اور جاندار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک بہادر اور حوصلہ مند انسان تھے، جو سوسائٹی کے معاملات سے براہ راست تعرض کرتے، اس کی تکلیفوں اور پریشانیوں کو پوری شدت سے محسوس کرتے، اس کے مسائل پر غور و فکر کر کے کسی کامیاب حل کا سراغ لگاتے۔ وہ برابر اس فکر میں رہتے کہ کیونکر معاشرہ ساحل سعادت سے ہمکنار ہو سکتا اور کیونکر یہ امّت ترقی کے مدارج طے کر سکتی ہے۔ چنانچہ سید صاحب نے ۱۹۴۵ء میں کچھ لوگوں کے تعاون سے "الفکر الجدید" نامی ایک رسالہ نکالنا شروع کیا۔ سید صاحب کی سرپرستی کی وجہ سے یہ رسالہ وقت کا ایک نہایت زوردار اور بے باک "محتسب" بن گیا۔ جس نے پوری بے خوفی کے ساتھ اجتماعی مظالم کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔ حکام کی زیادتیوں اور کوتاہیوں پر تنقیدیں کیں۔ وقت کے ناخوشگوار حالات کا تجزیہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے بائیں بازو . . . . کا ترجمان قرار دے کر اسے بند کر دیا۔ اس مدت میں سید صاحب نے ایک نظام حکومت اور ایک نظامِ معاشرہ کی حیثیت سے اسلام کا مطالعہ کیا۔ اجتماعی مظالم کے خلاف ان کی اسی ذہنی بغاوت کا نتیجہ تھا کہ اس مطالعہ کے دوران "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام" جیسی معرکۃ الآرا کتاب تیار ہو گئی۔ اسلام کے

Marfat.com

اجتماعی نظام کا مطالعہ کرتے ہوئے سید صاحب نے پوری وقت نظر کے ساتھ اشتراکیت کا بھی مطالعہ کیا اور بہت قریب سے اشتراکیوں کو پہچاننے کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سید صاحب ان سے بری طرح متنفر ہو گئے۔ اشتراکیت کی حقیقت سامنے آنے پر انھیں اندازہ ہوا کہ یہ تو انسانیت کے لیے ایک بلائے بے درماں ہے۔ یہ پریشانیوں کا حل نہیں، بربادیوں کا پیش خیمہ ہے۔ چنانچہ اسلام کی حمایت میں اب وہ اور زیادہ سرگرم ہو گئے۔ اشتراکیت کے گہرے مطالعے اور اشتراکی لیڈروں کے قریبی مشاہدے نے ان کے استدلال میں اور زیادہ زور پیدا کر دیا اور اب وہ اشتراکیت کے لیے ایک خنجر بے نیام اور اک تیغ بے اماں بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ سید صاحب کی کتابوں سے بری طرح خائف رہتے اور ان کی ہر تحریر سے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتے۔

وزارت تعلیم و تربیت میں آنے کے بعد سید صاحب برابر ترقی کرتے رہے اور شہرت و نیک نامی دن بدن بڑھتی ہی رہی۔ یہاں تک کہ وہ وزارت تعلیم کے نگران اعلیٰ بن گئے۔ جو ایک غیر معمولی عہدہ تھا۔ پھر وزارت نے جدید نظامہائے تعلیم و تربیت کے مطالعے کے لیے سید صاحب کو امریکہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں وہ امریکہ روانہ ہو گئے۔

سید صاحب نے "العدالۃ الاجتماعیۃ" کی تالیف ۱۹۴۶ء میں شروع کی۔ ۱۹۴۷ء کے اواخر تک اس سے فارغ ہو گئے۔ پھر ۱۹۴۸ء کے آغاز میں ہی امریکہ کے لیے روانہ ہو گئے مگر کتاب کا مسودہ ساتھ نہ لے گئے۔ امام حسن البنا کو اطلاع ملی کہ ایک ادیب نے "اسلام میں عدل اجتماعی" کے موضوع پر کوئی کتاب تصنیف کی ہے۔ امام محترمؒ نے سید صاحب کے اقارب سے وہ کتاب طلب کی، اور اس کے لیے خود ایک پیش لفظ رقم فرما کر جلد سے جلد اسے شائع کرنے کی تاکید کی۔ پھر دسمبر ۱۹۴۸ء میں اخوان کی رہائی ہوئی تو مکتبوں میں موجود نسخوں سے امام محترم کا پیش لفظ حذف کر دینے کی تحریک

Marfat.com

اٹھی، کیونکہ امامؒ موصوف نے کتاب کا پیش لفظ لکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا، کتاب کے اندرونی مباحث سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا، جبکہ اس کتاب میں صحابۂ کرامؓ سے متعلق کچھ ایسی عبارتیں بھی موجود تھیں، جو ان کے شایانِ شان نہ تھیں۔ پھر بعد میں اخوان نے سید صاحب سے اس سلسلے میں گفت و شنید کی اور آئندہ ایڈیشنوں میں وہ عبارتیں حذف کر دی گئیں۔

سید صاحب کا سفر امریکہ دراصل ایک سنہری موقع تھا، جو ان کے لیے غیب سے فراہم کیا گیا تھا، تاکہ اشتراکیت کا اچھی طرح جائزہ لے چکنے کے بعد اب وہ سرمایہ دارانہ نظامِ زندگی کا قریب سے جا کر مشاہدہ کریں۔ چنانچہ سید صاحب نے بہت ہی غائرانہ اور ناقدانہ نگاہ سے امریکی ماحول اور وہاں کے تہذیب و تمدن کا جائزہ لیا اور امریکہ کی ایک ایک چیز کو اسلام کی ترازو میں تول کر دیکھا۔ اس طرح امریکی تہذیب اپنی ساری اختراعات اور تمام دلفریبیوں کے باوجود بھی ان کی نگاہیں خیرہ نہ کر سکی۔ اس کے برعکس انھیں واضح طور پر محسوس ہوا کہ امریکی نظام فطرت کا دشمن اور انسانیت کا رہزن ہے، جو انسان کو بالکل مفلوج اور ناکارہ بنا کر چھوڑ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امریکہ کے زمانۂ قیام میں ہی کوئی منظم اسلامی تحریک چلانے اور ایک ایسی مسلم نسل تیار کرنے کا پروگرام بنانے لگے جو عقیدے کے گہوارے میں پروان چڑھے، اور اخلاق کے سانچوں میں ڈھل جائے۔ جو علم و معرفت کے سوتوں سے سیراب ہو، اور صحت و قوت کے خزانوں سے بھرپور ہو۔ چنانچہ امریکہ کے زمانۂ قیام میں وہ برابر دینی کاموں میں ہی مصروف ہوتے اور ایک مسلم نسل تیار کرنے کی تدبیریں سوچتے رہتے، امریکہ ہی میں انھوں نے عزم کیا کہ مصر واپس ہوتے ہی پورے زور و شور سے اسلامی سرگرمیاں شروع کر دیں گے اور ایک ایسی اسلامی تنظیم قائم کریں گے جو اس مقصد کو لے کر آگے بڑھے اور دعوت کے لیے یکسو ہو کر پوری قوت کے ساتھ کام کو زیادہ سے زیادہ وسعت دے۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اسلام

Marfat.com

کے لیے جدوجہد کا یہ بے پناہ عزم اور یہ پُرجوش ولولہ ان کے سینے میں موج زن ہوتا ہے؟ امریکہ کے انسانیت سوز اور ایمان دشمن ماحول میں ہیں۔

سید صاحب ۱۹۵۱ء کے آغاز میں مصر واپس آ گئے۔ اور اب یہاں سے سید صاحب کی زندگی کا نہایت اہم موڑ شروع ہوتا ہے۔ مصر واپس آ کر اُنھوں نے امریکی نظامِ تعلیم پر بے لاگ تنقیدیں شروع کر دیں، اور دعویٰ کیا کہ یہ سارے نظام فطرت کو بگاڑتے اور انسان کی شخصیت کو برباد کرتے ہیں، اُنھوں نے مصر کی وزارتِ تعلیم کے سامنے تعلیمی امور کے سلسلے میں کچھ اسلامی سفارشات بھی رکھیں۔ سید صاحب کی باتیں اور ان کی سفارشات سُن کر وزارتِ تعلیم کے کچھ افراد تو بالکل ششدر رہ گئے کہ وزارت تو انھیں بھیجتی ہے تاکہ امریکہ کے نظامہائے تعلیم و تربیت کا مطالعہ کریں، اور وہ واپس آ کر انہی نظاموں کی تنقیص کرتے اور وزارت سے انھیں بدل دینے کا مطالبہ کرتے ہیں، ساتھ ہی وزارت نے خواہش کی کہ وہ اپنی وسیع تر سرگرمیوں کو محدود کریں، اور ذاتی افکار و نظریات کی اشاعت روک دیں۔ ظاہر ہے یہ مطالبہ سید صاحب کے لیے کیونکر قابلِ قبول ہو سکتا تھا، اُنھوں نے ۱۹۵۱ء کے اواخر یا ۱۹۵۲ء کے اوائل میں وزارتِ تعلیم سے ہی علیحدگی اختیار کر لی۔

امریکہ سے واپسی پر سید صاحب نے اپنے کسی دوست کے سامنے تنظیم اسلامی کے قیام کے سلسلے میں ان عزائم کا اظہار کیا، جو وہ امریکہ سے لے کر چلے تھے اور اس سلسلے میں اپنے نقطۂ نظر اور نقشۂ کار کی بھی وضاحت کی۔ دوست نے اس موقع پر سید صاحب کے سامنے اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ عرصے سے ایک جماعت مصر میں اس مقصد کے لیے کوشاں ہے اور قریب قریب انہی خطوط پر بہت بہتر انداز سے سرگرم عمل ہے اور وہ ہے تحریک اخوان المسلمون۔ بجائے اس کے کہ آپ کوئی نئی جماعت قائم کریں، اسی جماعت میں شامل ہو جائیں تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ یہ جماعت پہلے سے منظم ہے اور

Marfat.com

دعوتی میدان میں کام بھی کر رہی ہے۔ سید صاحب کے دوستوں نے یہ بھی بتا رکھا تھا کہ امام حسن البناؒ نے ان کی کتاب طبع کرائی تھی اور اس کے لیے پیش لفظ بھی تحریر فرمایا تھا۔ امام حسن البناؒ کی شہادت اور اخوان پر مظالم کی سرگزشت بھی ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔

چونکہ سید صاحب اپنے ان عزائم میں مخلص تھے اور یہ کام نیک نیتی سے محض رضائے الٰہی کی خاطر کرنا چاہتے تھے، اس لیے فوراً اخوان کے ساتھ ہو گئے۔ ان کے ساتھ مل کر دعوتی میدان میں کام کرنے لگے اور ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ سید صاحب نے اخوان کے سامنے امام حسن البنا کے بعض افکار سے اپنے اختلاف کا بھی اظہار کیا اور بعض دیگر امور کے سلسلے میں بھی اپنے موقف کی وضاحت کی پھر سید صاحب اور اخوان کے مابین افہام و تفہیم کی غرض سے ان مسائل پر گفتگوئیں ہوئیں۔ اس طرح سید صاحب رفتہ رفتہ تحریک اخوان سے قریب تر ہوتے گئے اور اخوان کے ساتھ ان کی فکری ہم آہنگی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۲ء میں وہ باقاعدہ تحریک کے ممبر ہو گئے۔ نہ صرف ممبر بلکہ شعبۂ نشر و اشاعت کے انچارج بھی بن گئے۔

۱۸/ اکتوبر ۱۹۵۱ء میں وزیر اعظم نحاس پاشا نے ۳۶ء کا معاہدہ توڑ دیا۔ اب مصر میں جیسے ایک تہلکہ مچ گیا، ہر طرف ایک حشر بپا ہو گیا اور انگریزوں نے مصر کو ہلا کر رکھ دیا، جامع ازہر نیز دیگر مدارس اور یونیورسٹیاں فوجی چھاؤنیوں میں تبدیل ہو گئیں، جہاں اسلامی قومیت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ سارا مصر غاصبین کے لیے برق تپاں اور شعلۂ سوزاں بن گیا اور انگریزوں کے خلاف جوانان اسلام کی باقاعدہ گوریلا جنگیں شروع ہو گئیں، سید صاحب بھی اس مسلم قومی تحریک کے ساتھ تھے اور زبان و قلم کے ذریعے اس کی طرف سے خوب خوب شعلہ افشانیاں اور بمباریاں کر رہے تھے۔

۱۹۵۱ء میں وزارت تعلیم سے علیحدہ ہو جانے کے بعد سے سید صاحب

کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے قلم سے متعدد اہم تصنیفات منظرِ عام پر آئیں، جن میں "معرکۃ الاسلام والرأسمالیۃ"، "الاسلام بین الرأسمالیۃ والشیوعیۃ"، "السلام العالمی والاسلام" خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ تو ان کی مستقل تصانیف ہیں ورنہ مقالات اور تقاریر کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔

۲۳ر جولائی ۱۹۵۲ء میں میجر جنرل محمد نجیب کی قیادت میں اخوان اور عوام کے ہاتھوں مصر میں انقلاب آگیا، اسی زمانے میں بعض مصری رسالوں نے سید قطب کو ہی انقلاب مصر کا ہیرو قرار دیا، کیونکہ ان کی کتاب "معرکۃ الاسلام والرأسمالیۃ" نمایاں طور پر از اول تا آخر اسی روح کی حامل تھی اور واضح طور پر اسی جیسے انقلاب کی دعوت دے رہی تھی۔

۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۱ء میں مجلہ "العالم العربی"، سید قطب کی نگرانی و سرپرستی میں رہا۔ اس طرح موصوف کی کوششوں سے وہ انتہائی شاندار قسم کا سیاسی و ادبی جریدہ بن گیا، جس کے سیاسی مضامین کا غیر ملکی حلقوں پر کافی اثر پڑتا تھا حتیٰ کہ غیر ملکی اخبارات میں بھی اس کے بہت سے مضامین کے ترجمے شائع ہوتے رہتے۔ پھر حزبِ انقلاب نے اسے بند کر دیا تو مجلہ "الدعوۃ"، جو اخوان کے نام سے نکلا کرتا تھا، سید صاحب کے قلمی جہاد کا میدان بن گیا، اسی طرح قاہرہ اور اس کے علاوہ دیگر شہروں میں اخوان کے گھروں میں سید صاحب کی پرسوز تقریریں اور ایمان افروز مجلسیں ہوتی رہیں۔

سید صاحب تحریکِ دعوتِ اسلامی سے وابستہ ہوئے، تو دوسرے بھائی بہنوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ اس طرح اس پورے گھرانے کی سرگرمیاں دعوتی کاموں کے لیے وقف ہوگئیں، یہ لوگ دعوتی میدان میں جد و جہد کرتے اور شاندار ادبِ اسلامی کی تخلیق کرتے۔ یہاں تک کہ عربی ادبِ اسلامی میں بالکل ایک نئے رنگ کا اضافہ ہوگیا، سید صاحب کے بھائی محمد قطب

اور بہن امینہ قطب کے قلم سے متعدد ایسی کتابیں سامنے آئیں جنھیں بلا شبہ ادب اسلامی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ رہیں حمیدہ قطب تو اگرچہ ان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب ہمارے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکی لیکن ان کی دعوتی سرگرمیاں انتہائی اہم اور ناقابل فراموش ہیں اور ان سارے ہی لوگوں کی رہنمائی وسربراہی کا سہرا بلا شبہ سید قطب کے سر ہے۔ پھر ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر سعید رمضان کے ہاتھوں ایک ماہنامہ "المسلمون" کا اجراء ہوا۔ سید صاحب اس کے خصوصی معاون یا اس کے سب سے بڑے مضمون نگار تھے، چنانچہ ادارہ "المسلمون" نے موصوف سے خواہش کی کہ وہ اس میں کوئی مستقل موضوع لکھیں۔ اس موقع پر سید قطب نے اپنے سابق انکشاف "قرآن میں تمثیل وتلمیح اور منظر کشی" کی طرف پھر توجہ کی اور اسی نظریہ کی بنیاد پر ایک تفسیر لکھنے کا وعدہ کیا۔ بس اسی تقریب سے سید صاحب کی عجیب ونادر تفسیر "فی ظلال القرآن" وجود میں آگئی۔

سفر امریکہ کے بعد سے سید صاحب کی کتاب زندگی کا ایک نہایت اہم باب شروع ہوتا ہے، اور وہ عالمی شہرت کے مالک بن جاتے ہیں۔ اب وہ متعدد اہم کانفرنسوں میں شرکت کرتے ہیں اور عالمی انجمنوں کی طرف سے انہیں دعوت نامے موصول ہوتے ہیں چنانچہ ۵۳/۲/۲ء میں مصر کی معاشرتی جائزہ کمیٹی نے انھیں بلایا، تاکہ دمشق میں منعقد ہونے والی معاشرتی کانفرنس میں اس کی طرف سے نمائندگی کریں۔ پھر ۲/۱۲/۵۳ء میں تحریک اخوان المسلمون کے مکتب الارشاد کی خواہش پر بیت المقدس میں ہونے والی اسلامک پبلک کانفرنس میں اخوان کی طرف سے نمائندگی کی۔ سید صاحب کی کتاب "دراسات اسلامیہ" (اسلامی مطالعے) سے ہم کو ان انجمنوں اور کانفرنسوں کے سلسلے میں تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔

۱۹۵۲ء میں جب مصر کے اندر انقلاب آیا تو اخوان المسلمون نے مختلف شعبہائے زندگی سے متعلق بہت سی اسکیمیں اور تجاویز پاس کیں۔ تعلیم، اصلاح

Marfat.com

معاشرہ، صنعت زراعت، ہر چیز کے سلسلے میں منصوبے بنائے، انہی اسکیموں میں ایک زرعی اسکیم تھی، جو تحریک آزادی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسی طرح لوہے فولاد سے بھی متعلق ایک صنعتی اسکیم اور تعلیم کے سلسلے میں خاصا وسیع پروگرام تیار کیا گیا۔ اس موقعہ پر جو اخوانی کارکن شعبۂ تعلیم سے متعلق تھے، سید صاحب ان کے ساتھ ہو گئے۔ پھر ان لوگوں نے مل کر مصر میں دینی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ایک ایسا پروگرام بنایا جس میں ملک کے سارے رجحانات اور تمام نقطہائے نظر کی پوری رعایت موجود تھی، مگر یہ تمام پروگرام اور یہ سارے نقشے وزارتی کونسل کے طاق نسیاں کی زینت بن کر رہ گئے۔

۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء میں حزب انقلاب نے بلکہ صحیح تر الفاظ میں جمال عبدالناصر نے ایک انجمن آزادی کی تشکیل کی پھر انجمن کی صدارت عظمیٰ نے سید صاحب سے خواہش کی، کہ وہ اس انجمن کے لیے باقاعدہ پالیسی اور پروگرام مرتب کر دیں۔ اور اسے اپنے مفید مشوروں سے نوازیں۔ اس سے سید صاحب کو امید ہوئی کہ شاید لوگوں کے اندر کچھ خیر کا رجحان ابھر رہا ہے، اور وہ خلوص کے ساتھ عوام کی تربیت کرنے نیز اس سلسلے میں کوئی مفید قدم اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر سید صاحب نے بڑے ذوق و شوق سے اس انجمن کی نہایت نفیس عوامی تنظیم کی، تا کہ وہ ایک مفید قسم کی عوامی انجمن بن سکے۔ اور اس طرح اسلام سے بڑھ کے ہوئے عوام کچھ تربیت پا سکیں۔ سید صاحب ان کے سامنے اپنا تیار کردہ پروگرام پیش کر کے دمشق کے سفر پر چلے گئے۔ مگر بعد میں واپس آئے تو دیکھا کہ لوگوں نے سید صاحبؒ کا پورا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور یہ انجمن آزادی منفعت کے پجاریوں، اغراض کے بندوں اور ناکارہ انسانوں کا ایک ٹولہ بن کر رہ گئی ہے۔ سید صاحب نے یہ صورت حال دیکھی تو سخت آزردہ ہوئے اور انتہائی قلق کے ساتھ ان کے سامنے اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ وہ لوگ کوئی ایسی انجمن ہرگز نہیں بنانا چاہتے جس سے عوام کی کچھ خدمت ہو سکے، بلکہ ان کے پیش نظر تو کمیونسٹ

Marfat.com

پارٹی کے نہج پر کسی ایسی تنظیم کا قیام ہے جو کچھ اوباشوں کو اپنے گرد جمع کر لے۔ سید صاحب نے بالکل واشگاف انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا کہ حزب انقلاب کی نیتیں ناپاک اور ارادے فاسد ہیں۔

۵۳ء کے نصف آخر میں اخوان نے سید صاحبؒ کو مرکزی شعبہ نشر و اشاعت کا انچارج بنا دیا۔ یہ کام سید صاحبؒ نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا اور اپنے علمی و تہذیبی تجربات سے دعوت کی خدمت اور اقصائے عالم میں اس کی توسیع و اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح فائدہ اٹھایا، اور اب یہ بات راز نہیں رہی کہ اخوان کا کوئی ممبر خواہ وہ خوش حال ہو یا تنگ حال، جماعت سے کسی قسم کی اعانت یا تنخواہ لینے کا روادار نہیں ہوتا بلکہ سارے لوگ خود تحریک پر خاص اپنی جیبوں سے خرچ کرتے ہیں۔ سید قطب اور ان کے بھائی بہن بھی اسی راہ عزیمت پر قائم رہے۔ یہ لوگ اپنا سارا اثاثہ تحریکی تقاضوں کے لیے وقف کر دیا کرتے۔

پھر اخوان کے دور ابتلاء کا آغاز ہوتا ہے، اور جنوری ۱۹۵۴ء میں سید قطب اور ان کے اخوان قید و بند کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر کچھ ہی عرصے بعد ۲۵ مارچ ۱۹۵۴ء میں رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ قید و بند کا یہ زمانہ مختصر رہا، قید کیے جانے والے بھی تھوڑے تھے اور اس قید و بند میں سختیاں اور اذیتیں بھی نہ تھیں، پھر ۵/۷/۱۹۵۴ء میں تحریک اخوان کی قیادت نے سید قطب شہیدؒ کو ہفت روزہ "الاخوان المسلمون" کا چیف ایڈیٹر بنا دیا مگر ابھی کچھ ہی دن وہ یہ خدمت انجام دے سکے تھے کہ ۱۰/۹/۵۴ء میں یہ رسالہ خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

پھر ۲۶ اکتوبر ۵۴ء میں جمال عبدالناصر نے دنیا کے اسٹیج پر ایک ڈرامہ پیش کیا جس کے بعد اخوان کی زد و کوب شروع ہو گئی اور ہزاروں اخوان آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیئے گئے۔ سید صاحب بھی آخر اکتوبر ۱۹۵۴ء میں نظر بند

Marfat.com

کر دیے گئے اور نہایت وحشیانہ مظالم کا تختۂ مشق بنائے گئے۔ اسی دوران ۳۰ ہزار اخوان عدالت میں پیش کیے گئے۔ سید قطب شہید اور دیگر زعمائے تحریک بھی ان میں شامل تھے۔ پھر یکایک ایذار سانیوں کا سلسلہ رک گیا، عدالتی کارروائیاں رک گئیں اور اب نرمی، رواداری اور تشویق وترغیب کی کمندیں پھینکی گئیں۔ کتنے ہی اہل قلم ...... اور ارباب علم وفضل اچھے اچھے مقالے لکھتے اور اسلام کے سلسلے میں نہایت عمدہ عمدہ کتابیں تیار کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ چیز بڑی ہی مسرت انگیز اور انتہائی خوش آئند ہے۔ لیکن ان اہل قلم اور ارباب علم وفضل کا سختیوں اور آزمائشوں کے طوفان میں بھی ڈٹا رہنا ان سے بھی آگے کی منزل ہے۔ یہی بے پناہ صبر واستقامت دراصل ایمان اور مردانگی کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ یہی چیز ہے جو تاریخ کا دھارا موڑ دیتی اور زندگی کی تاریک وادیوں میں امتوں اور قوموں کے لیے روشنی کا منارہ ثابت ہوتی ہے۔ بلاشبہ اس طرح کے افراد تھوڑے اور نایاب ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں یہی تاریخ ساز اور عہد آفریں ہوتے ہیں۔

سید صاحب کی نیت خالص اور بے لوث تھی۔ اس لیے وہ بھی انہی گنے چنے افراد کی صف میں آگئے جنھوں نے رگوں کے خون اور قلم کی روشنائیوں سے نہال اسلام کی آبیاری کی اور مال وثروت کی پھواروں سے اسے تازگی وشادابی بخشی، ان نفوس قدسیہ کو کیسی کیسی دھمکیاں دی گئیں کہ بڑے بڑے سورماؤں کے دل دہل جائیں اور مال ودولت اور جاہ ومنصب کی کیسی کیسی دل ربا اور زہد شکن حوریں پیش کی گئیں، جن کے ذکر سے ہی اچھے اچھوں کے منہ دل سے رال ٹپکنے لگے، مگر ان نفوس کی نگاہوں میں یہ ساری چیزیں ہیچ تھیں۔ ان درندہ خصلت ظالموں نے عدالتی کارروائیاں نومبر ۱۹۵۴ء سے جون ۱۹۵۵ء تک کے لیے موخر کر دیں، اس درمیانی مدت میں وہ طرح طرح سے سید صاحب پر ڈورے ڈالتے رہے۔ کہ کسی صورت سے وہ اخوان سے علیحدگی اختیار کرلیں اور کسی اخبار میں محض دو جملے شائع کرادیں کہ وہ اخوان سے اب ان کا کوئی تعلق نہیں اب تک ان کے سلسلے میں

Marfat.com

وہ فریب میں تھے " سید صاحب کو پورا الیقین دلایا گیا کہ اگر وہ اس پہ آمادہ ہو جائیں تو نہ صرف یہ کہ جیل سے رہا کر دیے جائیں گے بلکہ وزارت تعلیم یا وزارت ثقافت کی کرسی ان کے لیے خالی کر دی جائے گی اور اگر چاہیں گے تو قومی پیشوائی کی مسند بھی انہی کی جلوہ گاہ بنے گی۔ سید صاحب فوجی جیل کے بیرک نمبر ۲ میں تھے تو صدر ناصر کے آدمی برابر آتے اور باصرار انھیں اپنے موقف سے ہٹانا چاہتے مگر سید صاحب نے ان کی ہر پیش کش کا جواب ٹھوکر دل سے دیا۔ اتنا ہی نہیں عبدالناصر کے کسی ایلچی نے جب یہ کہا " استاذ سید! آپ تو اخوان میں نہ تھے، بدبختوں کی جماعت کے سلسلے میں آپ کیوں اس قدر سخت ہیں، جب کہ ان سے آپ کا کوئی علاقہ بھی نہیں ہے؟! تو سید صاحب غصہ سے بے تاب ہو گئے اور فوراً ان کی زبان سے نکلا۔ " اخوان کیوں بدبخت ہوتے ہیں؟!! بدبخت تو وہ لوگ ہیں جو ان خدا پرستوں کی دشمنی میں اندھے ہو چکے ہیں۔ اخوان کے سلسلے میں سوائے خیر و صلاح کے میں کچھ نہیں جانتا اور میں تو اخوان کے انتہائی خاص اور اہم لوگوں میں سے ہوں۔ میں تو مرکزی شعبہ نشر و اشاعت کا انچارج بھی رہ چکا ہوں، جبکہ یہ مرکز کا انتہائی اہم شعبہ ہے۔" ناصر کے ایلچی نے کہا! " اگر ایسا ہوا بھی، تو محض ایک سال کے لیے اور ایک سال کی مدت بھی کیا مدت ہوئی، سید صاحب نے کہا! دعوت کی طرف انتساب کے لیے کسی طویل مدت کی ضرورت نہیں، یہاں تو چند لمحے بھی کسی کو وابستگانِ تحریک بلکہ شہدائے دعوت میں شامل کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ اس موقعہ پہ سید صاحب نے اس تاریخی واقعہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ غزوہ خیبر میں کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سیاہ فام چرواہے نے جہاد کیا اور جام شہادت ہونٹوں سے لگائے ہوئے جنت الفردوس میں پہنچ گیا، جبکہ وہ کافی دن چڑھے ایمان لایا اور ظہر سے پہلے ہی پہلے جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ اس طرح اسلام میں اس کی مدت عمر کل تین گھنٹے کے لگ بھگ تھی۔"

Marfat.com

ناصر کے ایلچی نے کہا۔" استاذ! ہم محض یہ چاہتے ہیں کہ ملک مصر آپ کے وسیع علم وفضل، وافر تجربات اور گہری تحقیقات و معلومات سے محروم نہ ہو۔ ورنہ ہم آپ سے، حلقۂ کفر میں آنے یا دین سے مرتد ہو جانے کے لیے تو کہہ نہیں رہے ہیں۔ ہم تو محض آپ کے علم وفضل اور آپ کی اسلام پسندی ہی کی وجہ سے آپ کے اس قدر متمنی ہیں۔ خدا را خود کو جیل کی کال کوٹھری میں مت سڑائیے ملک و ملت کو اپنے علم وفضل سے محروم مت کیجئے۔" سید صاحب نے پوری بے خوفی سے فرمایا: تو یہ ایک نرا دعویٰ ہے، ورنہ تمھیں میرے علم اور میرے دین سے کیا دلچسپی؟ اتم تو بس ہمیں رسوا اور بے آبرو کرنا چاہتے ہو، تمہاری کوشش یہ ہے کہ میرے دوستوں سے مجھے ٹکرا دو۔ اس سے قبل انجمن آزادی کی تنظیم کے سلسلے میں تم سب کا میں تجربہ کر چکا ہوں۔ میرا احساس ہے کہ تمھیں خیر سے کوئی رغبت نہیں۔ تمھیں تو بس ایک بھیڑ چاہیئے جو تالیاں تو بجائے مگر عقل سے کوری ہو، نعرے تو لگائے مگر فہم سے عاری ہو، میں نے تعلیمی اصلاحات کے لیے کئی پروگرام رکھے تھے مگر وہ تم لوگوں کے لیے قابلِ قبول نہ ہوئے اور انہیں بالکل ہی مہمل سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا، تمھیں لوگ تو ہو کہ مجھ کو بربنائے ستم جیل میں پھینک دیا۔ ورنہ اس کے علاوہ میرا اور کیا جرم ہے کہ میں دعوتِ اسلامی کا علمبردار ہوں۔" ناصر کے ایلچی نے پھر اپنی بات دہرائی۔" استاذ! بس دو سطریں آپ اخبار میں شائع کرا دیں، ان ساری آفتوں سے آپ کو نجات مل جائے گی۔" سید صاحب نے پوری سنجیدگی سے کہا۔ حالانکہ وہ جیل میں تھے۔ ناصر کا ایلچی ان کے سامنے تھا۔ اور موت بے حجابانہ ان کی نگاہوں کے سامنے رقصاں تھی" مجھے حیرت ہے ان نادانوں پر جو کسی بے گناہ پر مشق ستم کریں۔ پھر اس سے خواہش کریں کہ وہ انہی ظالموں اور مجرموں کی بے گناہی کا چرچا کرے۔ خدا کی قسم، اگر مجھے یقین ہو جائے کہ اس طرح کے جملے مجھے پھانسی کے پھندے سے بچالیں گے۔ تب بھی میں انہیں زبان پر لانے کا روادار نہیں۔ میں تو اسی بات کو ترجیح دوں گا کہ

Marfat.com

اپنے رب سے جا ملوں، اس طور سے کہ میں اس سے راضی ہوں اور وہ بھی مجھ سے خوش ہو" ساری ترغیبات سے بے نیاز اور ہر قسم کی دھمکیوں سے بے پروا مومن قیدی کی طرف سے یہ ایک زور دار طمانچہ تھا۔ اس طمانچہ کی ضرب ناصر کے ایلچی نے براہ راست اپنے رخساروں پر محسوس کی۔ وہ سید صاحب کی طرف سے مایوس ہو گیا اور پھر دوسری بار اخوانیوں کے ساتھ سید صاحب کو بھی عدالت کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

چنانچہ ۱۲ ار ۷ ر ۱۹۵۵ء میں عوامی عدالت نے ان کے خلاف ۱۵ سال قید بامشقت کا فیصلہ صادر کیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دعوت حق کے علمبردار تھے، تحریک اسلامی کا ساتھ چھوڑنے اور وزارت کو قبول کر لینے کی پیش کش کو انھوں نے پوری بے نیازی سے ٹھکرا دیا تھا۔

یہ فیصلہ صادر ہونے کے بعد سید صاحب فوجی جیل سے لیمان طرہ کے جیل خانے میں پہنچا دیئے گئے پھر وہاں سے مصر کے عام جیل خانے میں منتقل کر دیئے گئے۔ جیل کے اندر ہی سید صاحب نے اپنی مشہور تفسیر "فی ظلال القرآن" کی تکمیل کی، اس کے علاوہ آخری دور کی متعدد کتابیں بھی وہیں تیار کیں، مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ جیل خانے کے نظم یا اس متمرد فرعون کے کسی لطف و کرم کا کرشمہ تھا اور نہ یہ غلط فہمی ہو کہ جیل میں رہنے والے اخوانیوں کو اطمینان کا سانس یا آزادی کا کوئی لمحہ بھی میسر تھا، کیونکہ وہاں تو جیل خانوں میں بے گناہ اخوان کے لیے بس حوصلہ شکن آزمائشیں تھیں، اور زہرہ گداز ابتلائیں اور ان سب کی تہ میں جو ناپاک جذبہ کارفرما رہا ہے، وہ بس یہ ہے کہ یہ پروانے شمع ہدایت سے دور ہو جائیں۔ اور اخوت و مودت کے جو استوار رشتے ان کے مابین قائم ہوئے ہیں وہ پارہ پارہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے ایسے بدباطن افراد سے اس طرح کی نیک نفسی کی توقع کیونکر کی جا سکتی ہے! سید صاحب کی کتابیں تو دراصل ان رقموں کا کرشمہ تھیں جنھیں سید صاحب اور دوسرے بہت سے اخوان جیل کے اندر خود اپنی جیبوں سے

Marfat.com

ادا کرکے بہت سی سہولتیں اور مراعاتیں حاصل کر لیا کرتے تھے، اخوان اپنی خاص جیبوں سے محض دین اور دعوتِ دین کی خاطر جو رقمیں جیلروں کو ادا کرتے تھے بس انہی کا نتیجہ تھا کہ انھیں ان امور کے سلسلے میں کچھ سہولتیں حاصل ہو گئی تھیں۔ ورنہ ان اخوانیوں کی حالت تو بڑی ہی دردناک تھی۔ جو عام جیل خانوں میں تھے اور جن پر خصوصی طور پر فوج کا ہمہ وقتی پہرہ رہا کرتا تھا۔ بہرکیف سید صاحب کی یہ کتابیں مصر اور بیرون مصر میں خوب شائع ہوتی اور پھیلتی رہیں۔ کیونکہ حالیہ مصری فرعونیت کی نگاہ میں اس وقت کتابوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ تو اس انداز سے سوچنے کی عادی تھی کہ اگر توپ، بارود اپنے ہاتھوں میں ہے، جیل خانوں کی کوٹھریاں اپنے قبضہ میں ہیں اور سراغ رساں محکمے پوری طرح مستعد اور چاق و چوبند ہیں تو یہ کاغذی سفینے کیا بنا بگاڑ سکتے ہیں۔

اخلاص للّٰہیت کی بلندیوں پر بسیرا کرنے والے افراد کا موقف بھی کس قدر تعجب خیز ہوا کرتا ہے۔ صدر مملکت کا خاص ایلچی کس طرح منت سماجت کرتا ہے کہ اخوان اور تحریک اخوان سے اعلان برأت کرکے سید صاحب جیل سے باہر آجائیں اور جیل کی اذیتوں کے مقابلے میں وزارت کی آسائشوں سے محظوظ ہوں لیکن سید صاحب پوری شان بے نیازی سے یہ پیش کش ٹھکرا دیتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف سنگدل جلادوں کی بے رحم تلواریں ان کی گھات میں ہیں اور موت اپنی پوری خوفناکیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے رقصاں ہے۔ بلاشبہ تنہا یہی موقف زمانے کے ہزاروں انقلابات کے باوجود کسی شخص کو ذکر دوام دوام بخشنے کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم مزید کچھ نہیں کہنا چاہتے قاری کے فکر و فہم پر اعتماد کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۴ء تک کا طویل عرصہ سید صاحب کو جیل کی وحشتناکیوں میں ہی گزارنا پڑا۔ یہاں تک کہ شاہ عراق عبدالسلام عارف بیچ میں پڑے اور سید صاحب کو بازیابی صحت کے نام پر رہائی مل گئی جبکہ جیل میں انتہائی ماتم انگیز

اور شرمناک مظالم سہتے سہتے سید صاحب نہایت مہلک بیماریوں کا شکار ہو چکے تھے۔ دس سال کے بعد سید صاحب گھر پہنچے تو حکومت وقت کے ذمہ دار ترین لوگوں میں سے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور بولا آپ کا فرض ہے عالی جاہ مملکت جمال عبدالناصر سے ملاقات کی درخواست کریں نیز ان کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کریں کہ انھوں نے آپ کے ساتھ درگزر سے کام لیا۔

سید صاحب نے پوری جرأت سے جواب دیا، جبکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ جواب صدر ناصر کے کانوں تک پہنچ کر رہے گا، "میں اس ہاتھ سے مصافحہ کیسے کروں جو بے گناہ اخوان کے خون سے رنگین ہے؟!! پھر میں نے تو درگزر کرنے یا رہائی دینے کی خواہش کی نہیں تھی"۔ سید صاحب کا یہ جرأت مندانہ جواب سن کر وہ ذمہ دار افسر ہکا بکا رہ گیا اور پھر اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اسیری کے دور میں سید صاحب کی کتابیں برابر چھپتی رہیں، بار بار چھپتی رہیں اور نہ صرف عالم اسلام بلکہ یورپ اور امریکہ میں بھی پوری تیزی سے پھیلتی اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی رہیں۔ چنانچہ ان سے اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں سے ایک وسیع حلقہ میں انتہائی پُرزور اسلامی شعور بیدار ہو گیا۔ ان کتابوں نے بے پناہ اکثریت کو اپنی طرف متوجہ کیا اور ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوان فکر اسلامی کی شمع دل افروز پہ پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔ مصر میں اس سر پھرے طاغوت کی شرپسندیوں، فتنہ انگیزیوں اور قید و بند کی ناقابل برداشت سختیوں کے باوجود ان کتابوں کا سخت ردعمل ہوا۔ جبکہ اشتراکی تنظیم کی برانچوں میں اشتراکی کتب و رسائل کی گڈیوں پہ گڈیاں لگی ہوتیں، اور کوئی انھیں پوچھنے والا نہ ہوتا۔ حالانکہ یہ کتابیں اور رسالے بالکل مفت تقسیم کیے جاتے بلکہ لوگوں کو زبردستی لینے پر مجبور کیا جاتا۔ چنانچہ وہ بے شوقی کے ساتھ انھیں لیتے اور لے جا کر گھر کی انگیٹھیوں میں ڈال دیتے یا پھر یہ رسالے اور کتابیں پنیوں کی چھوٹی چھوٹی دکانوں پر سستے داموں بیچ دی جاتیں اور وہاں ان کے اوراق پڑیاں باندھنے کے کام آتے۔

Marfat.com

بہرکیف مسلم عوام بالخصوص اسلام سے ناآشنا جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اندر ان دینی کتابوں کے اثرات جب نمایاں طور پہ محسوس کیے جانے لگے تو طواغیت کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ بری طرح پیچ و تاب کھانے لگے اور پھر وہ سب کچھ ہوا جسے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔ انہی دس مہینوں میں جو سید صاحب نے جیل سے باہر انتہائی کڑی نگرانی میں رہتے ہوئے گزارے۔ اپنی آخری کتاب "معالم فی الطریق" اور ان کے چھوٹے بھائی محمد قطب نے اپنی شاہکار تصنیف "جاہلیۃ القرن العشرین" تیار کی۔

سید قطبؒ کی سرگزشت کے سلسلے میں ہم نے کافی دراز نفسی سے کام لیا۔ اب ہم چاہتے ہیں، اس مسلم گھرانے کے بقیہ افراد کا بھی کچھ تعارف کرائیں جو شدید ابتلا محن کا شکار ہوئے اور ان میں سے تین شہادت کے رتبۂ بلند سے بھی سرفراز ہوئے۔ ہاں تو اس مسلم گھرانے کے دوسرے فرد الاستاذ محمد قطب ہیں، جن کے سلسلے میں الاستاذ علال الفاسی کا یہ تاثر سامنے آیا ہے۔ "میں اس شخص کو سرزمین مصر کا پہلا اسلامی مفکر سمجھتا ہوں، جس کو صحیح معنوں میں یہ خطاب زیب دیتا ہے۔" اس موقعہ پہ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ محمد قطب ایک عظیم مفکر ہی نہیں، وہ ایک سرگرم داعئ اسلام بھی ہیں، جن کی پوری زندگی جہاد میں گزری۔ اُنھوں نے قلم سے بھی جہاد کیا، مال سے بھی جہاد کیا، جان و دل سے بھی جہاد کیا، وہ ۱۹۵۴ء میں جیل گئے پھر ۱۹۵۶ء میں رہا ہوئے۔ اس سے قبل وہ وزارت تعلیم میں شعبۂ ثقافت کے انچارج بھی رہ چکے تھے۔ ان کے شعلہ بار قلم سے اسلامی موضوعات پہ انتہائی اہم اہم تصنیفات سامنے آئیں، جن میں سب سے آخری تصنیف جاہلیۃ القرن العشرین" ہے۔ اس کے علاوہ سید صاحب کی کتابوں کی طباعت کا اہتمام بھی یہی کرتے، بہن امینہ قطب کے باطل سوز قلم سے بھی متعدد ادبی کتابیں ہمارے ہاتھوں میں پہنچیں جو انتہائی جان دار اور حرارت ایمانی سے بھرپور

Marfat.com

ہیں۔ بہن حمیدہ قطب کے قلم سے نکلی ہوئی کوئی کتاب تو ہم تک نہ پہنچ سکی، لیکن دعوت دین کے سلسلے میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں، اخوانی گھرانوں کی غمگساری و دستگیری کے سلسلے میں بھی ان کی سرگرمیاں ہمارے لیے ایک بہترین اسوہ ہیں۔ اس مثالی کنبہ کے پانچویں فرد شہید رفعت بکر شافعی ہیں، جو سید صاحب کی بڑی بہن کے لائق فرزند تھے۔ دعوتِ دین کی سرگرمیوں اور جہاد کی آزمائشوں میں یہ بھی آخر دم تک اپنے ان بزرگوں کے ساتھ رہے اور بالآخر ان کے ساتھ وہ بھی اسی راہ میں شہید ہو گئے۔

اس متبرک اور تقدس بداماں کنبہ نے عالی شان اداروں کے اندر نرم و گداز غالیچوں پر بیٹھ کر سکون و عافیت کی روح پرور فضاؤں میں قلم کے رگڑنے اور فکر و خیال کے ناخن گھسنے کو پسند نہ کیا کہ اس طرح وہ ادب حاضر کی تجارت گاہ میں اپنی کاوشیں پیش کر کے لوگوں کی واہ واہ سے محظوظ ہوتا اور گھر میں دولت و ثروت کے ڈھیر لگا لیتا۔ نہیں —— اس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ اس نے پورے اخلاص کے ساتھ دعوت حق کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اس کے برعکس اس نے راہِ خدا میں سرفروشانہ جہاد کیا اور حق یہ ہے کہ حق ادا کر دیا، اس نے شاندار فکری کاوشوں کے ساتھ ساتھ انتہائی مکمل شکل میں عملی سرگرمیاں بھی جاری رکھیں، اس نے دعوت دین کے تمام پہلوؤں پر توجہ دی، اس نے اپنا سارا اثاثہ راہِ خدا میں لٹا دیا۔ اس نے محبوس و غیر محبوس اخوانی گھرانوں کی غمخواری و دستگیری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، وہ برابر ان کی اشک شوئی اور دلجوئی کرتا رہا کہ یہ گھرانے منتشر نہ ہو جائیں، کہیں ہمت ہار کر بیٹھ نہ رہیں کہ اس طرح اس سرپھرے طاغوت کی آرزو پوری ہو جائے، یہی اسباب ہیں کہ اخوان پورے صبر و تحمل کے ساتھ قید و بند کی ساری اذیتیں جھیلتے رہے اور سخت سے سخت آزمائشوں میں بھی ہمت و عزیمت کا پہاڑ ثابت ہوئے۔ یہاں تک کہ یہ تحریک، اس کا بے پناہ جوش و خروش پریشانی و تنگ حالی میں بھی اس کی مثالی اخوت، نازک سے نازک موقع پر بھی اس کا بے پایاں

جذبۂ ایثار وسخاوت، یہ ساری چیزیں لوگوں کے لیے اعجوبہ بن گئیں۔ چنانچہ ان باتوں نے بے شمار دلوں اور ذہنوں کو دعوتِ اسلامی کی طرف کھینچ لیا اور وہ تحریک اخوان کے سرگرم کارکن بن گئے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ — اور تمہارے رب کے لشکروں کو تو وہی جانتا ہے۔

اور یہ ہماری بہنیں ہی ہیں جن کا اس مثالی کردار میں زیادہ ہاتھ رہا ہے۔ اسی لیے دشمنِ خدا ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گیا تاکہ وہ ان سے اپنی ناکامیوں کا انتقام لے اور دہشت انگیزی کر کے اخوانی خواتین اور اخوانی بچوں کو گرد کی طرح اڑا دے۔ وہ چاہتا ہے کہ ان کے گھرانوں میں خاک اڑنے لگے اور ان کی دعوت کے شیرازے بکھر جائیں۔ اس کی آخری تمنا یہ ہے کہ اس مضبوط و محکم رسی کے ریشے منتشر ہو جائیں اور لوگ دینِ اسلام سے ناطہ توڑ لیں کہ اس طرح دینی شعور اور اسلامی اقدار کا جنازہ اُٹھ جائے۔ باطل کے خلاف اسلام کی معرکہ آرائیوں سے نجات مل جائے، اشتراکیت کی جنس کس مخرکی، بازار انسانیت میں مانگ بڑھ جائے اور نعوذ باللہ اسلام جیسی متاع بے بہا کا کوئی پوچھنے والا نہ رہ جائے۔ بلا شبہ ناصر کی آنکھیں اسی طرح ٹھنڈی ہو سکتی ہیں مگر حیف ہے اس عقل و دانش پر! حق سے پنجہ آزمائی کر کے وہ چاہتا ہے، اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے۔!!!

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ — یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور بجھا دیں، حالانکہ اللہ مان نہیں سکتا۔ جب تک وہ اپنے نور کا اتمام نہ کرے، کافر خواہ کتنے ہی جز بز ہوں۔

چند سال پہلے کی بات ہے، جبکہ مصر پر ناصر آتشیں گولوں اور آہنی سلاخوں کے بل پر حکومت کر رہے تھے اور مصری عوام کو کچلنے، عرب ممالک کی کمر توڑنے اور عالم اسلامی کے پرزے اڑانے کے لیے نہایت خطرناک اسکیم چلا رہے تھے وہ پورا زور لگا رہے تھے کہ خدانخواستہ ــــ نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم اسلام سے

Marfat.com

اسلام کا چراغ گل کر کے خدا کا نور مٹا دیں، اس وقت اُنھوں نے امریکی دانشوروں اور اشتراکی لیڈروں کی رہنمائی میں بڑی عیاری کے ساتھ اپنی اس اسکیم کا آغاز کیا۔ اُنھوں نے سب سے پہلے تو عرب قومیت کا نعرہ لگایا۔ پھر وہ اپنے اصلی رنگ میں آ گئے۔ اور اشتراکیت کا راگ الاپنے لگے۔ اور نونہالان اسلام کو یہ باور کرانا چاہا کہ یہ اشتراکیت اسلام کے خلاف نہیں، بلکہ عین تقاضائے اسلام ہے۔ اُنھوں نے اشتراکی یونین بھی بنائی اور مصر میں اشتراکی انقلاب لانے کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کی، اشتراکی لیڈروں نے بھی اپنی پُر خباثت چالوں اور طویل تخریبی تجربات سے ناصر کی اس ناپاک اسکیم کو کامیاب بنانے کی پوری کوشش کی۔ حتیٰ کہ عبدالناصر کو یقین ہو گیا کہ بس چند ہی دنوں میں مصر کمیونزم کا گہوارہ بنا جاتا ہے، لیکن تحریک اشتراکیت کی کامیابی کے لیے کئی سال تک جان توڑ جدوجہد کرنے کے بعد اشتراکی لیڈروں سی۔ آئی۔ ڈی کے افسروں اور خبر رساں ایجنسیوں کے بیانات سے عبدالناصر کو اندازہ ہوا کہ مصری عوام اشتراکیت کی زہر آلود گولیاں حلق سے اتارنے کے لیے تیار نہیں، اور وہ پوری شدت کے ساتھ اس کی راہ میں مزاحم ہو رہے ہیں حتیٰ کہ اشتراکی یونین کے بعض ممبر بھی اس سے بے زار ہو چکے ہیں۔ اور اس سلسلے کی ساری کوششیں رائگاں جا رہی ہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اسلام اور اسلام سے وابستگی ہی اشتراکیت کی راہ کا سب سے بڑا روڑہ ہے۔ یا بالخصوص جو افراد تحریک اخوان کے ممبر ہیں، وہ تو اس کے لیے شدید خطرہ ہیں۔ اور باوجودیکہ ان کی کوئی جماعت یا باقاعدہ تنظیم نہیں پائی جاتی لیکن ان کی کارِ فکر میں ڈھلی ہوئی کارتوسیں، تو کسی پارٹی یا تنظیم سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہی ہیں یہ کتابیں اس سلسلے میں بڑا ہی اہم رول ادا کر رہی ہیں۔ عوام اور بالخصوص جدید تعلیم یافتہ نوجوان تو ان پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ لہٰذا یہ کتابیں ان کے لیے انتہائی زبردست ناکامی کا پیش خیمہ ہیں۔ چنانچہ عبدالناصر اور ان کے فتنہ پرور حاشیہ نشین پیچ و تاب میں پڑ جاتے ہیں، اور متفقہ طور پر یہ سازش کرتے ہیں کہ مصر میں اخوان کے نام پر اسلام کے ہی حلقوم پر چھری

رکھ دی جائے، اسلامی کتابوں کی اشاعت روک دی جائے، ان کے خلاف زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈا کیا جائے، نیز خواتین اور نوجوانوں پر یہ الزام لگا کر انھیں نظر بند کر دیا جائے کہ وہ حکومت مصر کا تختہ الٹنے کی سازش میں ملوث ہیں۔ چنانچہ عبدالناصر اگست ۶۵ء میں ماسکو جاتے ہیں اور وہیں سے اخوان کے خلاف نہایت سنسنی خیز پیغام نشر کرتے ہیں۔ ماسکو سے عبدالناصر کا یہ اعلان ان کے ارادوں کو سمجھ لینے کے لیے کافی ہے۔ پھر اعلان کے بعد ہی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو جاتی ہیں ایک ہزار سے زائد تو صرف عورتیں ہی قید و بند کا شکار ہوتی ہیں اور ان بے گناہ قیدیوں میں آل قطب بھی شامل ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے اگست ۱۹۶۵ء میں بھائی محمد قطب اسیر ہوئے۔ جبکہ وہ گرمیاں گزارنے کی غرض سے راس البر میں قیام پذیر تھے۔ بھائی محمد قطب کی گرفتاری پر سید صاحب نے خطوط اور تار کے ذریعے احتجاج کیا۔ پھر چند ہی دنوں بعد سید صاحب اور بہن حمیدہ بھی اسی پلیٹ میں آگئے اور بہن امینہ کو بھی جلد ہی گرفتار کر لینے کی دھمکی دی گئی پھر سید قطب، محمد قطب، حمیدہ قطب اور ان دونوں کی کتابوں بالخصوص محمد قطب کی کتاب جاہلیۃ القرن العشرین اور سید قطبؒ کی کتاب "معالم فی الطریق" کے خلاف تشہیر کی پرزور مہم شروع ہو گئی۔ ہمارے کانوں نے اس وقت پہلی بار سنا کہ جس حکومت نے ان دونوں کتابوں کی مصر اور بیرون مصر میں نشر و اشاعت کی اجازت دی، وہی حکومت ان دونوں کتابوں کے خلاف ہنگامہ بپا کرتی اور پھر انھیں ضبط کر لیتی ہے۔

مصر کی متعدد جیلوں میں یوگوسلاویہ، جرمنی اور مصر کے نہایت ماہر اور سنگ دل جلاد رکھے گئے جو اخوان پر نت نئے مظالم ڈھاتے اور نئی نئی ترکیبوں سے انھیں اذیت پہنچاتے بقیہ مظلوم اور بے بس اخوان کی طرح آل قطب بھی انہی ظالموں کے صید زبوں بنے رہے۔ ایک بار وہ وحشی بہن حمیدہ پر مشق ستم کر رہے تھے، اسی حالت میں ان کے بھانجے شہید رفعت شافعی وہاں لائے گئے کہ

Marfat.com

وہ خالہ کی بے قراریوں کا نظارہ کریں۔ نیک دل اور غیرت مند بھانجے سے خالہ کی یہ کیفیت دیکھی نہ گئی۔ انھوں نے دفاع کی کوشش کی نتیجہ معلوم تھا، ظالموں نے خالہ کے سامنے بھانجے کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس طرح بہن حمیدہ نے خود اپنی آنکھوں کے سامنے بھانجے کو انتہائی بے بسی کے عالم میں دم توڑتے ہوئے دیکھا، جبکہ وہ خود اس ضعیفی میں انتہائی لرزہ خیز مظالم کی چکی میں پس رہی تھیں۔

ان جاں گسل اور وحشیانہ مظالم میں گھرے ہونے کے باوجود عدالت میں بھی اخوان نے اسی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا، جو ہمیں حضرت سعید بن جبیرؓ کے یہاں نظر آتی ہے، اسی طرح جیل میں نظر بند خواتین نے جس ہمّت و شجاعت اور جس حق گوئی و بے خوفی کا ثبوت دیا وہ نہایت محیر العقول ہے اگرچہ یہ ساری عدالتی کارروائیاں بہت ہی پر اسرار انداز سے انتہائی دبیز پردوں کے پیچھے ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود خاصی خبریں چھن چھنا کر باہر آگئیں۔ اور عدالت کے سامنے اخوان نے جو موقف اختیار کیا، اس کی بہت سی تفصیلات عالمی اخباروں اور ریڈیو اسٹیشنوں نے نشر کیں۔ اس موقعہ پر سید صاحب کا موقف بھی حق گوئی و بے باکی کا ایک مثالی نمونہ تھا، وہ نہایت بے خوفی سے اپنے دین، اپنی تحریک اور اپنے اخوان کا دفاع کرتے رہے اور نظروں کے سامنے رقص کرتی ہوئی موت کی خوفناکیوں سے ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے۔

عدالت نے سوال کیا: کیا یہ بات صحیح ہے کہ آپ حکومت کا تختہ الٹنے اور صدر ناصر کو قتل کر دینے کی سازش کر رہے تھے؟!

"ایسی تو کوئی بات نہ تھی۔ البتہ تمنا ضرور تھی، کاش میرے پاس قوت ہوتی تو میں ایسا کر ڈالتا" سید صاحب نے پوری بے خوفی سے جواب دیا۔ سید صاحب نے مزید وضاحت کی کہ جن مقاصد کے تحت انقلاب آیا تھا، ان کے سلسلے میں ناصر کا کیا کردار رہا اور اس معاملہ میں اس نے کتنی زبردست خیانت کا ثبوت دیا۔ سید صاحب نے اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھایا کہ اخوان اور حزب انقلاب

کے درمیان انقلاب سے پہلے جو معاہدہ ہوا تھا اس کو کس طرح نظرانداز کر دیا گیا۔ نیز اخوان کے معاملہ میں ناصر نے جو قید و بند اور ظلم و ستم روا رکھا، وہ ایک المناک وطنی سانحہ بھی تھا اور کمیونزم اور سامراج کے ساتھ نہایت شرمناک گٹھ جوڑ بھی۔ صدر عدالت نے اگرچہ بیچ بیچ میں سید صاحب کی زبان روک دی اور انہیں پوری بات کہنے کا موقع نہ دیا، پھر بھی سید صاحب پر جو پانچ الزام لگائے گئے تھے، سید صاحب نے پوری بیباکی سے ان کی اصل حقیقت ان کے سامنے رکھ دی۔ سید صاحب نے عدالت میں یہ بھی فرمایا:

"بلاشبہ اخوان نہایت وحشیانہ مظالم کا تختۂ مشق بنائے گئے ہیں۔ اور جو اعترافات بھی ان کی طرف منسوب ہیں وہ بالجبر حاصل کیے گئے ہیں"

سید صاحب نے عدالت میں یہ بھی فرمایا:

"اگر حق کا تقاضا تھا کہ میں گرفتار کیا جاؤں تو میں حق کے فیصلے پر راضی ہوں اور اگر باطل کے ہاتھوں میری گرفتاری عمل میں آئی ہے تو باطل سے رحم کی اپیل میرے لیے کیونکر ممکن ہے"

عدالت ہی میں سید صاحب سے یہ یادگار فقرے بھی سنے گئے:

"مجھے معلوم تھا کہ اس بار حکومت میرا سر چاہتی ہے، لہٰذا میں اس پر نادم نہیں اور نہ مجھے اپنی شہادت کا کوئی غم ہے۔ میں اپنی دعوت کی راہ میں کام آ جاؤں، اس سے بڑھ کر میرے لیے سعادت اور کیا ہو سکتی ہے مستقبل کا مورخ جلد ہی فیصلہ کرے گا کہ راہ راست پر کون تھا — اخوان یا حکومت وقت کا نظام؟"

سید قطب اور اخوان کی دوبارہ گرفتاری کو ابھی ایک ہی سال ہُوا تھا کہ ۲۸ راگست ۱۹۶۶ء کو سید صاحب اور ان کے دو ساتھی محمد یوسف ہواش اور شیخ عبدالفتاح اسمٰعیل تختۂ دار پر چڑھا دیئے گئے۔ جبکہ ان سے پہلے بھی پچاسوں اخوان جیلوں کے اندر ہی شہید ہو چکے تھے۔ ان شہدائے ثلاثہ کو

Marfat.com

تختۂ دار پر چڑھایا گیا تو تماشائیوں میں امریکی اور روسی سفیر بھی شامل تھے۔ اللہ جانے، کتنے اخوان اسی طرح جاں بحق ہو گئے۔ مگر اسلام آج بھی زندہ و تابندہ ہے جس طرح پہلے تھا۔ شجر دعوت کی جڑوں میں جب بھی شہداء کا خون پہنچا ہے، اس کی توانائیوں میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ اور اس وقت وہ اور تیزی سے پھلا پھولا اور برگ و بار لایا ہے۔ بلاشبہ اشتراکیت خواہ کتنا ہی ناک رگڑ ڈالے اسلام کا چراغ گل کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔ پڑھ چکے ہو کہ عبدالناصر کی صحافت اور ان کے ریڈیو نے ۱۹۵۵ء میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اخوان کا خاتمہ ہو گیا اور اب ان کی تحریک دم توڑ چکی ہے۔ مگر ۱۹۶۵ء میں جبکہ عبدالقادر اور فرغلیؒ کی شہادت کو صرف گیارہ سال ہوئے تھے۔ عبدالناصر ماسکو میں اخوان کے خوف سے لرزہ براندام نظر آتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ حزب انقلاب کے ہزاروں پرجوش جوان دعوت سے آشنا اور اس کے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نگاہوں نے اخوان کا دور سعادت دیکھا بھی نہ تھا۔ ان پرجوش جوانوں میں ۳ ہزار جوان تو ایسے تھے جن کی عمریں ۱۸ اور ۲۱ کے درمیان تھیں اور یہ جوان، ہر طبقے سے تعلق رکھتے تھے، حتیٰ کہ ان میں سائنس داں اور خلائی تجربات کے ماہرین بھی تھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر کے رہتا ہے، مگر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ (وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ)

شہید اسلام کی شخصیت کے سلسلے میں یہ مختصر سی معلومات میں ان سے سرسری طور پر یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سید صاحب کی زندگی میں کیا کیا مراحل پیش آئے۔ اور ان کی شخصیت کی تعمیر میں کن امور کو زیادہ دخل رہا۔ چونکہ سید صاحب سے میرے شخصی روابط کبھی نہ رہے اس لیے اپنی محدود معلومات کے لحاظ سے یہ چند سطریں ہی ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جن کی حیثیت بالکل ایسی ہی ہے جیسے سمندر کا ایک قطرہ، یا زمانے کا ایک لمحہ۔ اگر حالات سازگار رہے اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو جو لوگ سید صاحب کے سلسلے میں تفصیلی معلومات رکھتے ہیں اور

Marfat.com

دعوتی سرگرمیوں میں برابر ان کے ساتھ رہ چکے ہیں، انشاء اللہ وہ ان کی مفصل اور جامع سوانح آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ اللہ ان شہدا کی قبروں کو نور سے بھر دے اور کاروانِ ظفرمندئ اسلام کے ساتھ ہمیں بھی ان سے ملا دے۔

(الاستاذ) عبدالحق محردس (مدینہ منورہ)
۱۹/ محرم ۱۳۸۹ھ

Marfat.com

نقوشِ راہ

انسانیت آج ہلاکت کے دہانے پر کھڑی ہے ـــــــ! اس لیے نہیں کہ اس کے سر پر تیسری عالمگیر ـــــــ بلکہ کائنات گیر ایٹمی جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں اس طرح اس کے وجود کو ہولناک تباہی کا خطرہ لاحق ہے ـــــــ کہ یہ اصل مرض نہیں، مرض کی محض ایک علامت ہے ـــــ بلکہ اس لیے کہ وہ ان صحت مند قدروں سے عاری ہو چکی ہے جو حیات انسانی کی بقا و ترقی کے لیے ناگزیر ہیں۔ مغربی دُنیا پر یہ حقیقت بالکل آشکارا ہو چکی ہے کہ اب تک وہ ایسی قدریں نہ مہیا کر سکی جن سے وہ انسانیت کو مالا مال کر سکے۔ یہی نہیں، اس کے پاس تو وہ چیز بھی نہ رہی جو خود اس کے وجود و بقا کی ہی ضمانت بن سکے۔

وہاں کی ڈیموکریسی تقریباً افلاس کا شکار ہو چکی ہے۔ اب دھیرے دھیرے اس نے مشرقی کیمپ کے نظاموں بالخصوص معاشی نظام کی طرف ہاتھ بڑھانا بھی شروع کر دیا ہے! اگرچہ اس کے یہاں اب اس کا نام ہے اشتراکی نظام!

خود مشرقی کیمپ کا حال بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں، آج تمام ہی کلیت پسندانہ نظریات فکری میدان میں واضح طور پر پسپا ہو چکے ہیں۔ ان ہی پسپا نظریات میں سرِ فہرست وہ مارکسزم بھی ہے، جس کی بنیاد کچھ عقیدوں پر تھی، اس لیے ابتداء میں تو اس نے مشرق اور خود مغرب کے بے شمار دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا مگر آج وہ صرف حکومت اور نظامہائے حکومت میں ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ آج اسے اپنے بنیادی عقیدوں اور اصولوں سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا۔ یہ نظریات بالعموم انسانی فطرت اور

اس کے تقاضوں سے ٹکراتے ہیں۔ اور صرف اسی طبقے میں فروغ پا سکتے ہیں۔ جو معاشی اور معاشرتی لحاظ سے انتہائی پسماندہ ہو یا جو عرصۂ دراز تک کسی قاہرانہ نظام کے شکنجے میں رہ چکا ہو۔ بلکہ اس طرح کے طبقات میں بھی ان کی مادی اور معاشی ناکامی ظاہر ہونے لگی ہے، جبکہ معاشیات ہی وہ شعبہ ہے جو ان کی خصوصی توجہات کا مرکز اور ان کے فخر و ناز کی بنیاد ہے۔ روس جو کلیت پسندانہ نظاموں کا نمائندہ ہے، دن بدن غذائی بحران کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ یہی روس ہے جو زاروں کے زمانے میں اپنی پیداوار میں ضرب المثل تھا۔ حالت یہ ہے کہ اس وقت وہ گندم اور غذائی اشیاء دوسرے ملکوں سے درآمد کرنے پر مجبور ہے۔ اور اس غرض سے وہ بے تحاشا اپنا زرمبادلہ دوسرے ملکوں کے حوالے کر رہا ہے کیونکہ اس کا اجتماعی کاشت کا نظام فیل ہو چکا ہے۔ وہ نظام جس کا انسانی فطرت سے براہ راست تصادم ہو رہا تھا۔

انسانیت کو اب
ایک نئی قیادت کی ضرورت ہے!

اب مغرب کی قیادت بالکل زوال آمادہ ہے —— اس لیے نہیں کہ مغربی تہذیب مادی افلاس کا شکار ہے، یا عسکری اور اقتصادی پہلو سے کمزور ہے بلکہ اس لیے کہ اب مغربی نظام کا بھرم اٹھ چکا ہے۔ اب اس کے پاس ان "قدروں" کا ذخیرہ نہ رہا جو اس کی قیادت کو قائم کر سکیں۔

اب ایک ایسی قیادت ناگزیر ہے جس کے ہاتھوں اس مادی تہذیب کا نشوونما ارتقاء ہو سکے جس کو انسانیت نے یورپ کی حیرت انگیز ایجادی اور اختراعی ترقیوں کی راہ سے پایا ہے۔ ساتھ ہی وہ قیادت انسانیت کو نئی، محکم اور مکمل قدروں سے مالا مال کر کے اس کے سامنے زندگی کا ایک مثبت اور قابل عمل پروگرام بھی پیش کر سکے۔

اسلام —— تنہا اسلام ہی وہ نظام ہے جو اپنے پاس ایسی قدریں اور

ایسا پروگرام رکھتا ہے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ جس کا آغاز سولھویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے۔ جو بیداری کا دور کہلاتا ہے اور جو اٹھارھویں اور انیسوی صدی کے درمیان اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گئی وہ بھی اپنا سب کچھ داؤ پر لگا چکی۔ اس کے پاس بھی اب کوئی نیا اثاثہ نہ رہا۔

اسی طرح "وطنیت"، اور "قومیت" کی علمبردار پارٹیاں اور دوسری تمام مقامی تنظیمیں جو اسی دوران میدان میں آئیں، وہ سب بھی انہی صدیوں میں اپنے سارے پتے پھینک چکیں۔ ان کے پاس بھی اب مزید کچھ نہ رہا . . . . . .

آخر کار سارے نظام فیل ہو کر رہ گئے۔ چاہے وہ کلّیت پسندانہ نظام رہے ہوں یا جمہوریت پسندانہ۔

اب آج، حیرانی و سرگشتگی اور تنگی و زبوں حالی کے اس بدترین دور میں، اسلام اور خیر امت کی باری ہے۔ اس اسلام کی باری ہے جو مادّی ایجادات کو گرم نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک تو یہ انسان کے اوّلین فرائض میں سے ہے جس کا مکلف وہ اسی وقت سے ہے جبکہ اسے کائنات کی خلافت سونپی گئی تھی۔ اتنا ہی نہیں وہ تو کچھ خاص شرطوں کے ساتھ اسے خدا کی عبادت اور وجود انسانی کی غایت قرار دیتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ (البقرہ ۳۰)	اور وہ وقت یاد کرو جب تمھارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات۔ ۵۶)	اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں۔

"اُمّتِ مسلمہ" کی باری اس لیے آئی ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرے جس کے

Marfat.com

لیے اللہ تعالیٰ نے اسے برپا کیا ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران۔ ۱۱۰)

تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں میں پیدا ہوئی۔ بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

❖ ❖ ❖ ❖

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (البقرہ، ۱۴۳)

اور (اے ایمان والو) اسی طرح ہم نے تمھیں ایک بہترین اُمّت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

لیکن اسلام اُس وقت تک اپنا کردار نہیں ادا کر سکتا۔ جب تک اسے ایک معاشرہ نہ ملے۔ ایک ایسی اُمّت نہ ملے جو اس کی چلتی پھرتی تصویر ہو... کیونکہ انسانیت ——— خصوصاً اس دور میں ——— کسی مجرّد عقیدے کا نام سننے کے لیے تیار نہیں، جب تک وہ زندگی کے بازار میں اس کی سچی تصویر بھی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے... اور امّتِ مسلمہ جو صحیح معنوں میں اسلام کی عملی تصویر ہو ——— صدیوں سے ناپید ہے۔ کیونکہ امّتِ مسلمہ کسی "خطۂ زمین" کا نام نہیں ہے جو کبھی اسلام کا مسکن رہا ہو، نہ کسی قوم کا نام ہے، جس کے آباو اجداد تاریخ کے کسی دور میں نظامِ اسلامی کے علمبردار رہے ہوں۔

"امّتِ مسلمہ" تو انسانوں کی وہ جماعت ہے جس کی رسوم و روایات، جس کے افکار و تصورات، جس کے عقائد و نظریات، جس کی اخلاقی قدریں اور ترک و اختیار کے پیمانے غرض ساری چیزیں شریعتِ اسلام کے چراغ کا پرتو ہوں۔ اور سچ پوچھو تو ایسی امّت اس وقت سے ناپید ہے جب سے شریعتِ الٰہی حکومت کے ایوانوں سے بے دخل ہے۔ ضروری ہے کہ یہ "امّت" اس زمین پر دوبارہ "نمودار" ہو تاکہ اسلام انسانیت کی قیادت کے سلسلے میں اپنا متوقع کردار پھر

Marfat.com

ادا کر سکے۔

ضروری ہے کہ وہ امت پھر "سامنے لائی جائے" جو غلط تصورات وافکار گمراہ نظریات اور باطل نظاموں کے انبار میں کھو کر رہ گئی ہے۔ ان نسلوں کے ہجوم میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ جن کو نہ اسلام سے کوئی واسطہ ہے، نہ شریعت اسلامی سے اگرچہ عام طور پر یہ گمان ہے کہ وہ نام نہاد "اسلامی دُنیا" میں موجود ہے!!!

میں اس بات سے بے خبر نہیں کہ اس امت کے "احیاء" اور "قیادت" کی بازیافت کے لیے ایک زمانہ درکار ہے۔ کیونکہ امت مسلمہ کو "بزم" عالم سے غائب ہوئے ایک عرصہ دراز ہو گیا... اور انسانی قیادت کی باگ طویل مدت سے دوسرے افکار و تصورات دوسری امتوں اور دوسرے نظاموں کے ہاتھوں میں جا چکی ہے۔ علاوہ بریں یورپ کی حیرت انگیز ذہانت اور ایجادی قوت نے اس عرصہ میں "سائنس" "کلچر" "نظریات" اور "مادی پیداوار" کا انبار لگا دیا ہے۔ اس نے ایک ایسا عظیم اثاثہ فراہم کر دیا ہے جو مادی ترقی کی آخری حدیں چھو رہا ہے۔ پھر وہ پوری تیزی سے اس میں اضافہ بھی کر رہا ہے۔ اور ایسے افراد کی کھیپ کی کھیپ تیار کر رہا ہے جو بسہولت اس کی نمائندگی کر سکیں! جبکہ نام نہاد "اسلامی دُنیا" اس طرح کی مادی ترقیوں سے تقریباً عاری ہے!

مگر ان سب کے باوجود "اسلامی بیداری" ناگزیر ہے، چاہے بیداری کی یہ مہم چلانے اور قیادت کو ہاتھ میں لینے کے درمیان ایک لمبی مسافت حائل ہو۔ اسلامی شعور کی بیداری اس راہ کا پہلا زینہ ہے جس کو پھلانگ کر آگے بڑھ جانا ناممکن ہے۔

پھر ہمیں متعین طور سے یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس امت میں انسانیت کی قیادت کے لیے کون کون سی صلاحیتیں موجود ہیں، تاکہ بیداری کی یہ مہم چلاتے وقت بصیرت کی قندیل ہمارے ہاتھ میں ہو۔ ایسا نہ ہو کہ پہلے ہی قدم پر ہم بھٹک جائیں اہلیت کے اصل عناصر ہماری نگاہوں سے اوجھل رہ جائیں۔

Marfat.com

اس امت کے لیے آج یہ ممکن نہیں ــــ اور نہ یہ مطلوب ہے ــــ کہ وہ انسانیت کے سامنے مادّی حیثیت سے اپنی برتری ثابت کرسکے، گردنوں کو خم کردے، اور اس پہلو سے اس کی عالمی قیادت تسلیم کرالے۔ کیونکہ یورپ اس دوڑ میں بہت آگے نکل چکا ہے۔ اب کم از کم چند صدیوں تک یہ ممکن نہیں کہ مادّی دوڑ میں اس کو پیچھے چھوڑا جاسکے!

لہٰذا کوئی اور ایسی چیز ناگزیر ہے جو ہمیں اس کا اہل بنا سکے! ایسی چیز جس سے موجودہ تہذیب کے جیب و دامن خالی ہوں!

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم مادّی ترقی سے صرفِ نظر کرلیں بلکہ ہمارا تو یہ فرض ہے کہ ہم اس میں بھی اپنی کوششیں صرف کریں۔ لیکن اس خیال سے نہیں کہ اس کے ذریعے ہم آج انسانیت کی قیادت کرسکیں گے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ ہماری ایک ذاتی ضرورت ہے۔ اسی طرح یہ اس تصورِ "اسلامی" کی طرف سے عائد ہونے والی ایک ذمہ داری بھی ہے۔ جو انسان کے سر پر خلافتِ ارضی کا تاج رکھتا ہے۔ اور کچھ شرائط کے ساتھ اسے خدا کی عبادت اور وجودِ انسانی کی غایت قرار دیتا ہے۔ غرض مادّی ترقی کی ضرورت واہمیت اپنی جگہ مسلم، مگر انسانیت کی قیادت کے لیے کوئی اور ایسی چیز ناگزیر ہے جو ہمارے اندر اس کی اہلیت پیدا کرسکے۔ اور یہ چیز صرف "عقیدہ" اور شریعت ہو سکتی ہے جو انسانیت کو جہاں یہ آزادی بخشتی ہے کہ وہ مادّی اختراعات کو قدر کی نگاہ سے دیکھے، وہیں یہ بھی چاہتی ہے کہ یہ عقیدہ اور شریعت انسانی سوسائٹی یا مسلم معاشرے میں بالکل زندہ و متحرک اور محسوس شکل میں چلتے پھرتے نظر آئیں!

آج زندگی کی جتنی قدریں بھی رائج ہیں اور زمین پر جتنے نظام بھی چل رہے ہیں، ان سب کا سرچشمہ "جاہلیت" ہے۔ وہ جاہلیت جو بہرصورت جاہلیت ہے، چاہے محیر العقول مادّی سہولتوں اور معجزہ نما مادّی ترقیوں کے وہ کتنے ہی طلسم باندھے!

Marfat.com

اس جاہلیت کی بنیاد ہی ہے زمین میں خدا کی بادشاہت اور الوہیت کی سب سے بڑی خصوصیت پر زیادتی و دست درازی، خدا کی حاکمیت سے سرکشی و سرتابی۔ یہ حاکمیت کا حق انسان کو دیتی ہے۔ یہ کچھ انسانوں کو کچھ انسانوں کا خدا قرار دیتی ہے۔ اس سیدھی سادی ابتدائی شکل میں نہیں جس سے قدیم جاہلیت آشنا تھی، بلکہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ خدائی ضابطہ حیات اور الٰہی نظام زندگی سے ہٹ کر شریعت اور قانون وضع کرنے، تصورات اور قدریں متعین کرنے، زندگی کے نظام اور اس کے نقشے مرتب کرنے کا حق رکھتی ہے۔ وہ ان دائروں میں بھی دخل دے سکتی ہے، جن میں دخل دینے کا حق خدا نے کسی کو نہیں دیا۔ چنانچہ خدا کی حاکمیت پر دست درازی کا نتیجہ بندوں پر زیادتی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ آج کلیت پسندانہ نظاموں میں انسان کی جو تذلیل و تحقیر ہو رہی ہے اور سرمایہ دارانہ نظاموں میں سرمایہ و سامراج کے تسلط سے افراد اور رعایا پر جو ظلم و زیادتی روا رکھی گئی ہے وہ سب نتیجہ ہے خدائی بادشاہت سے بغاوت اور اس شرف و عزت کے انکار کا جو خدا کی جناب سے انسان کو عطا ہوا ہے!

اس معاملے میں اسلامی نظام بالکل منفرد ہے۔ کیونکہ نظامِ اسلامی کے علاوہ ہر نظام میں کسی نہ کسی شکل میں انسان، انسان کو پوج رہا ہے! تنہا نظامِ اسلامی ہی وہ نظام ہے جس میں سارے انسان آزاد ہیں۔ نہ کوئی بندہ ہے نہ بندہ نواز، نہ کوئی عابد ہے نہ معبود، نہ کوئی آقا ہے نہ غلام۔ یہاں بس اللہ کی عبادت کرنی ہے۔ وہی سب کا معبود ہے۔ سب کو اسی کے آگے جھکنا ہے اور اسی کے احکام پر چلنا ہے۔

یہی وہ دوراہہ ہے جہاں سے یہ راستہ اور راستوں سے ممتاز ہو جاتا ہے اور یہی وہ نیا تصور ہے جو اس وقت ہم انسانیت کے سامنے پیش کر سکتے ہیں کیونکہ یہی وہ شاہ موتی ہے جس سے آج انسانیت کی جھولی خالی ہے کہ

Marfat.com

یہ تہذیبِ مغرب اور ذہنِ یورپ دونوں کی دسترس سے باہر ہے۔

ہم بلاشبہ ایک نئی، بہترین اور کامل ترین چیز کے مالک ہیں۔ ایسی چیز کے مالک ہیں، جس سے انسانیت بالکل نا آشنا ہے۔ اور اس کے بس میں بھی نہیں کہ اسے وہ "فراہم" کر سکے!

لیکن ضروری ہے کہ یہ نئی چیز ــــ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ــــ عملی دُنیا میں پیکرِ محسوس بن کر نظر آئے۔ ضروری ہے کہ کوئی امت اس کا بولتا ہوا نمونہ بنے ــــ جس کے لیے ہمیں دُنیائے اسلام میں "بیداری" کی مہم چلانی ہو گی کہ یہی بیداری کی مہم ہے جس کے لیے دیر سویر انسانیت کی قیادت ہمارے ہاتھوں میں آسکے گی۔

اسلامی بیداری کی یہ مہم کیسے شروع کی جائے

ضروری ہے کہ جان فروشوں کی ایک جمعیت یہ عزم لے کر میدان میں اترے اور مردانہ وار آگے بڑھتی رہے۔ وہ جاہلیت جس نے زمین کے کونے کونے میں اپنی طنابیں گاڑ رکھی ہیں۔ اس کی سرکوبی کے لیے مسلسل جدوجہد کرتی رہے۔ ایک طرف تو وہ اپنی سرگرمیوں میں اس عالمگیر اور ہمہ جہتی جاہلیت سے کنارہ کش رہے۔ اور دوسری طرف اس سے ایک قسم کا ربط بھی رکھے۔

یہ جمعیت جو یہ عزم لے کر آگے بڑھے گی اس کے لیے کچھ نقوشِ راہ درکار ہوں گے۔ ایسے "نقوشِ راہ"، جن سے وہ اپنے کام کے مزاج کو سمجھ سکے۔ اپنی ذمہ داری کی حقیقت کو جان سکے۔ اپنی غایت کی شہ رگ کو پہچان سکے۔ اس بات سے واقف ہو سکے کہ اس کے اس طویل سفر کے لیے نقطۂ آغاز کیا ہوگا۔ وہ جاہلیت جس نے عالم کے چپے چپے میں اپنا تسلط جما رکھا ہے، اس کے مقابلہ میں اس کا صحیح موقف کیا ہو گا ــــ انسانوں سے ربط کہاں ہو گا، اور کنارہ کشی کا کیا موقع ہو گا؟ اس کی خصوصیات کیا ہوں گی؟ اور گرد و پیش کی جاہلیت کی کیا پہچان ہو گی؟ اس جاہلیت کے ہمنواؤں سے وہ اسلام کی زبان

میں کس طرح گفتگو کرے گی؟ اور کن امور میں کرے گی؟ پھر وہ یہ بھی جان سکے کہ ان سارے معاملات میں وہ روشنی کہاں سے حاصل کرے گی؟ اور کس طرح کرے گی؟

ضروری ہے کہ ان نقوشِ راہ کا ماخذ بھی وہی ہو جو اس عقیدہ کا منبع ہے، یعنی قرآن اور اس کی بنیادی ہدایات اور وہ تصور جو اس نے اس چیدہ اور برگزیدہ گروہ کے اندر پیدا کیا تھا، جس نے ایک بار تاریخ کے دھارے کو اللہ کی مرضی کے رُخ پر پھیر دیا تھا۔ اور جس کے ذریعہ اس زمین پر وہ وہ باتیں ظہور میں آئیں، جو کسی پر مخفی نہیں۔

یہ کتاب — "معالم فی الطریق" — اسی متوقع اور مطلوب جمعیت کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس کے چار ابواب تو "فی ظلال القرآن" سے ماخوذ ہیں۔ موضوعِ کتاب کے لحاظ سے ان میں مناسب ترمیم و اضافہ بھی ہوا ہے۔ اور آٹھ ابواب — اس مقدمہ کے علاوہ — مختلف مواقع پر ضبطِ تحریر میں آئے ہیں۔ جس کی صورت یہ رہی ہے کہ دستورِ الٰہی اور کلامِ ربانی پر مسلسل غور و خوض کے دوران جب جب کچھ باتیں سامنے آئیں لکھ لی گئیں — اس طرح یہ ابواب گرچہ باہمدگر بالکل مربوط نہیں۔ لیکن اس پہلو سے ان میں خاصا ربط ہے کہ یہ سب ایک ہی راہ کے نقوش ہیں۔

یہ سارے مقالات اپنی مجموعی شکل میں ان نقوشِ راہ کے پہلے مجموعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر خدائے رحمان و رحیم کی مشیئت شاملِ حال رہی تو امید ہے، جیسے جیسے اللہ تعالیٰ ان نقوشِ راہ کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا، دوسرے مجموعے بھی آپ کے سامنے آتے رہیں گے، و باللہ التوفیق۔

ے بظاہر مصنف رحمۃ اللہ علیہ اپنا یہ وعدہ پورا نہ کر سکے۔ وہ حق کے ماہروں اور تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں کے لیے "معالم فی الطریق" (نقوشِ راہ) کے اور مجموعے پیش نہ کر سکے

Marfat.com

لیکن ذرا اور گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو وہ مردِ حق آگاہ اس دُنیا سے جاتے جاتے ایسے واضح اور درخشاں نقوش قائم کر گیا جو کبھی مٹنے والے نہیں۔ اس نے ایسے نمایاں نشانِ راہ کھینچ دیئے ہیں کہ حق و صداقت کے قافلے رہتی دُنیا تک ان سے راہ پاتے رہیں گے۔ اس نے گرم گرم شعلے خون کی سرخیوں سے جریدۂ عالم پر ایسے گہرے اور روشن خطوط ثبت کر دیئے ہیں جو اپنی ضیا باریوں سے حق کے راہیوں کو راہ دکھلاتے رہیں گے۔ بلاشبہ وہ "معالم"، وہ خطوط اور وہ نقوش لوح و قرطاس پر نقش نہ ہوئے، وہ کتابی مجموعوں کی شکل میں ہمارے ہاتھوں میں نہ پہنچ سکے۔ لیکن یقین مانیے وہ ہزاروں کتابی مجموعوں پر بھاری ہیں۔ ؎

سالہا گوشِ جہاں زمزمہ ناخواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبدِ گردوں زدہ ام (مترجم)

Marfat.com

بے مثال قرآنی اُمّت

یہ ایک روشن تاریخی حقیقت ہے جس پر قافلۂ دعوتِ اسلامی کو ٹھہر کر غور کرنا چاہیئے خواہ وہ کسی بھی زمانے اور زمین کے کسی بھی خطہ میں ہو۔ ضرورت ہے کہ وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرے۔ کیونکہ دعوت کے رُخ اور اس کے طریقِ کار پر اس کے نہایت گہرے اور فیصلہ کن اثرات پڑ سکتے ہیں۔

اس دعوت نے کبھی انسانوں کی ایک جماعت تیار کی تھی —— صحابہ کرام کی جماعت —— ایسی جماعت جو تاریخِ اسلام کیا، پوری تاریخ انسانیت میں اپنی مثال نہیں رکھتی۔ لیکن افسوس کہ پھر دوبارہ ویسی جماعت نہ تیار ہو سکی —— ہاں اس طرح کے کچھ افراد ضرور وقتاً فوقتاً افقِ عالم سے طلوع ہوئے اور آسمانِ انسانیت پر آفتاب بن کر چمکے۔ مگر ویسے آفتاب اتنی عظیم تعداد میں کسی ایک جگہ بیک وقت کبھی نہ فراہم ہو سکے۔

یہ ایک واضح اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔ ضرورت ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے، کہ شاید اس کا کچھ راز معلوم ہو۔

اس میں شک نہیں کہ قرآنِ کریم، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی احادیث آپؐ کا عملی اُسوہ اور آپؐ کی پاک سیرت، یہ ساری چیزیں ہمارے سامنے ہیں۔ بالکل اسی طرح سامنے ہیں، جس طرح اس پہلی امت کے سامنے تھیں، جو دوبارہ تاریخ میں ظہور پذیر نہ ہو سکی۔ ہماری نگاہوں سے اگر کوئی چیز اوجھل ہے تو بس نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ تو کیا اس انسانی افلاس، اس

Marfat.com

ملی قحط اور اس تاریخی المیہ کا راز یہی ہے'؟

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا بالفعل موجود ہونا اس دعوت کے قائم ہونے اور برگ و بار لانے کے لیے ناگزیر ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اسے سارے انسانوں کے لیے کبھی عام نہ کرتا، آپؐ کو سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی کبھی نہ بناتا، اور زمین پر بسنے والے سارے انسانوں کی فلاح و سعادت کو، قیامِ قیامت تک کے لیے، آپؐ کی رسالت پر کبھی موقوف نہ قرار دیتا۔

لیکن خدائے برتر نے قرآن کی مکمل حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور چونکہ یہ دعوت آپؐ کے بعد بھی ضیا بار و ثمر بار ہو سکتی تھی، اس لیے ۲۳ سالہ پیغمبرانہ زندگی کے بعد آپؐ کو جوارِ رحمت میں بلا لیا۔ اور اس دین کو رہتی دُنیا تک کے لیے باقی رکھا—— معلوم ہوا کہ ذاتِ گرامی کی عدم موجودگی باغِ انسانیت کے خزاں نصیب ہونے کا سبب نہیں بن سکتی۔

پھر ہمیں کسی دوسرے سبب کا سراغ لگانا چاہیے۔ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کونسا سرچشمہ تھا جس سے وہ پہلی امّت سیراب ہوئی تھی؟ ہو سکتا ہے اس میں کوئی بات ہو گئی ہو۔ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کون سے اصول تھے جن پر اس امت کی تربیت ہوئی تھی؟ ممکن ہے ان سے کچھ انحراف ہو گیا ہو۔

وہ سرچشمہ جس سے وہ پہلی امّت سیراب ہوئی تھی وہ قرآن تھا، صرف قرآن۔ رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپؐ کا عملی اُسوہ تو یہ تو اسی چشمے سے پھوٹی ہوئی شاخیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے اخلاقِ رسالتؐ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو بولیں!

كان خلقه القرآن — آپؐ کا خلق قرآن تھا۔[1]

۱؎ ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ ایک شخص نے آکر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

قرآن ہی وہ سرچشمہ تھا جس سے وہ سیراب ہوتے تھے۔ یہی وہ سانچہ تھا جس میں وہ ڈھلتے تھے۔ مگر اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس وقت انسانیت تہذیب و ثقافت سے ناآشنا اور نہ علوم و فنون سے بے بہرہ تھی۔ اس وقت کتابوں کے ذخیرے اور تحقیقات کے انبار نہ تھے ــــ بخدا یہ سبب ہرگز نہ تھا! وہاں رومی تہذیب و ثقافت موجود تھی۔ اس کی وہ کتابیں اور وہ قوانین موجود تھے جو آج کے یورپ کا سب سے بڑا سہارا ہیں۔ وہاں یونانی تہذیب کے بھی آثار موجود تھے۔ اس کے فلسفہ و منطق اور ان علوم و فنون کا وہاں بھی غلغلہ تھا جن سے آج تک فکرِ مغرب سیراب ہو رہا ہے۔ وہاں ایرانی تہذیب کا بھی چرچا تھا۔ اس کے علوم و فنون، اس کی شاعری، اس کی روایات، اس کے عقائد و افکار اور اس کے نظامہائے حکومت پر ان کی پوری نظر تھی۔ ان کے علاوہ دُور و نزدیک کی بہت سی تہذیبیں تھیں۔ ہندوستانی اور چینی تہذیبیں تھیں۔ رومی اور ایرانی تہذیبیں شمال و جنوب سے انھیں آغوش میں لیے ہوئے تھیں، اور یہودیت و نصرانیت خود قلب جزیرہ میں اپنے پیر جمائے ہوئے تھیں ــــ معلوم ہوا کہ اس امّت نے اگر تربیت و تشکیل کے ابتدائی مرحلے میں اپنی تمام تر توجہات صرف کتاب الٰہی پر مرکوز کر دیں، تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ عالمی تہذیبوں اور ثقافتوں تک اس کی رسائی نہ تھی ایسا ہرگز نہ تھا۔ بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور طے شدہ منصوبے کے تحت تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں توراۃ کا ایک نسخہ دیکھ کر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا غضب ناک ہو جانا اور پھر یہ فرمانا:

وَاِنَّہٗ وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ ۔۔۔ اور بخدا اگر موسیٰؑ تمھارے درمیان زندہ ہوتے

(بقیہ صفحہ ۴۶) دریافت کیا: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ بولیں، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کان خلقہ القرآن، جو قرآن پاک میں الفاظ کی صورت میں ہے؛ وہی حامل قرآن کی سیرت میں بصورتِ عمل تھا۔ (مترجم)

مُوسیٰ حَیًّا بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ مَا حَلَّ لَهُ اِلَّا اَنْ یَتَّبِعَنِیْ — تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے سوا کوئی دوسری صورت جائز نہ ہوتی۔

اس بات کی انتہائی روشن دلیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ آغاز تربیت میں وہ امت جس سرچشمہ سے سیراب ہو ـــــ وہ صرف کتاب الٰہی ہو۔ تاکہ دلوں پر اسی کا نقش ہو۔ اور اس کی اٹھان اسی کے متعین کردہ خطوط پر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے سرچشمہ سے بھی سیراب ہونا چاہا تو آپ جوش میں آگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ایک ایسی امت تیار ہو جس کے دل و دماغ خالص ہوں، فکر و شعور خالص ہو۔ تصورات و عقائد خالص ہوں۔ قرآن کریم کے پیش کردہ خدائی اصولوں کے علاوہ اس پر کسی اور چیز کی چھاپ نہ ہو۔

چنانچہ وہ امت صرف اسی سرچشمے سے سیراب ہوئی۔ اسی لیے وہ تاریخ میں ایک انفرادی شان کی مالک ہوئی ـــــ پھر کیا ہوا؟ بہت سے چشمے آکر اس میں مل گئے! وہ چشمہ جس سے بعد کی نسلیں سیراب ہوئیں، اس میں ایرانی روایات، یہودی اسرائیلیات، عیسائی الٰہیات، اور دوسری بہت سی تہذیبوں اور ثقافتوں کے سوتے آکر مل گئے۔ ان چیزوں کی جہاں تفسیر اور علم کلام میں آمیزش ہوئی، وہیں فقہ اور اصول فقہ میں بھی ملاوٹ ہوئی۔ اس طرح بعد میں آنے والی ساری نسلیں اسی غیر خالص سرچشمے سے سیراب ہوتی رہیں۔ اسی لیے وہ اپنے پاک اسلاف کی سچی جانشین نہ بن سکیں۔ اور بالکل دوسری راہوں پر جا پڑیں۔

الغرض سرچشمے کا خلط ملط ہو جانا اس صورت حال کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔ یہ ان اسباب میں سے ہے جنھوں نے ہمیں اس بے مثال

Marfat.com

قرآنی امت سے اس قدر دور لے جاکر ڈال دیا ہے۔

اس انقلاب کا ایک اور سبب بھی ہے۔ قرآن سے استفادے کا پہلے جو انداز تھا، آج وہ انداز بدل گیا۔

اس امت کے افراد قرآن پاک اس لیے نہیں پڑھتے تھے کہ اس سے تہذیب و ثقافت میں زیادتی یا معلومات میں اضافہ ہو۔ یا وہ تفریح خاطر اور تسکین ذوق کا سامان بنے۔ ان کا کوئی شخص قرآن پاک اس لیے نہیں سیکھتا تھا کہ اس سے علم و ثقافت کی بڑی سی دکان سجالے، یا اس کے علمی و فقہی مسائل کا وہ قارون بن جائے۔ وہ قرآن سے صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ خود اس کی ذات کے سلسلے میں خدائے تعالیٰ کے کیا احکام ہیں۔ جس جماعت میں وہ شامل ہے۔ اس سے متعلق کیا ہدایات ہیں۔ اس کی اپنی زندگی، اور جماعت کی زندگی کے بارے میں اس کی کیا مرضی ہے۔ وہ یہ باتیں صرف اس لیے جاننا چاہتا تھا کہ انھیں وہ قبائے زندگی میں ٹانک لے۔ جس طرح ایک فوجی میدانِ کارزار میں اپنی ڈیوٹی اس لیے معلوم کرتا ہے کہ فوراً وہ سرگرم عمل ہوجائے! یہی وجہ ہے کہ ان کا کوئی فرد ایک ہی نشست میں بہت سا قرآن جان لینے کا حریص نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ محسوس کرتا کہ قرآن جان کر وہ دوشِ ناتواں پر فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک بارِ گراں لاد رہا ہے۔ وہ بس دس ہی آیتوں پر قناعت کرتا۔ یہاں تک کہ انھیں اچھی طرح یاد کرلے۔ اور سیرت و کردار میں پوری طرح جذب کرلے۔ جیسا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ ؎۱

؎۱ وہ روایت یہ ہے:

وقد قال ابو عبد الرحمٰن السلمی حدثنا الذین کانوا یقرؤن القرآن کعثمان بن عفان و عبداللہ بن	ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے تھے۔ مثلاً عثمان بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ

یہ شعور اور یہ جذبۂ عمل قرآن میں ان کے سامنے کیفیات کی ایک دنیا اور علم و معرفت کا ایک جہانِ بیکراں کھول کر رکھ دیتا، ظاہر ہے کہ یہ چیز کبھی ممکن نہ تھی، اگر وہ محض بحث و تحقیق اور علم و اطلاع کی غرض سے اسے ہاتھ لگاتے۔ پھر یہ شعور ان کے لیے عمل کے خارزار سے گزرنا آسان کر دیتا۔ فرائض اور ذمہ داریاں آتیں مگر انھیں کوئی گرانی نہ محسوس ہوتی۔ قرآن ان کے اندر بالکل جذب ہو کر رہ جاتا۔ ان کی شریانوں میں خون بن کر دوڑنے لگتا۔ وہ ایک عملی نظریہ اور متحرک ثقافت کی شکل میں چلتا پھرتا نظر آتا۔ وہ ذہن کے گوشوں اور مصاحف کے اوراق میں معتکف نہ رہتا۔ ان سرحدوں کو عبور کر کے عملی دُنیا میں جلوہ ریز ہوتا۔ اور رواں دواں زندگی کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔

قرآن اپنے خزانوں سے صرف اسی کو مالا مال کرتا ہے جو اس روح اور اس شعور کے ساتھ اس کی طرف بڑھے۔ شوقِ علم اور جذبۂ عمل کی بے تابیوں کے ساتھ بڑھے۔ قرآن ذہن و دماغ کا کوئی کھلونا نہیں۔ وہ کوئی نری فنی اور ادبی تخلیق نہیں۔ وہ کوئی قصہ و تاریخ کا دفتر نہیں۔ گرچہ ضمناً یہ ساری ہی چیزیں اس کے اندر موجود ہیں۔

مسعود و غیرهما انهم کانوا تعلموا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشر آیات لم یتجاوزوها حتی یعلموا ما فیها من العلم والعمل قالوا فتعلمنا القرآن والعمل جمیعا ولهذا کانوا یبقون مدة فی حفظ السورة۔

کہ ان لوگوں کا دستور یہ تھا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں بھی پڑھ لیتے تو جب تک ان آیات کے تمام علم و عمل کو اپنے اندر جذب نہ کر لیتے، آگے قدم نہ بڑھاتے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے قرآن کے علم و عمل دونوں کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک ایک سورہ کے حفظ میں وہ برسوں لگا دیتے۔

(مترجم)

Marfat.com

مگر اصلاً وہ ایک نظامِ زندگی ہے۔ خالص خدائی نظامِ زندگی۔ اور خدائے تعالیٰ نے یہ نظامِ زندگی تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا ہے:

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ	اور قرآن کو ہم نے حصے حصے کر کے اتارا تاکہ
عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ	تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کے سامنے پڑھو۔
نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔	اور اسے ہم نے انتہائی بہتر انداز سے اتارا ہے۔

قرآن پاک یکبارگی نہیں نازل ہوا۔ وہ نت نئی انسانی ضرورتوں کے لحاظ سے نازل ہوا۔ افکار و تصورات کے تدریجی ارتقاء کی رعایت سے نازل ہوا، زندگی اور سوسائٹی کی تدریجی اٹھان کے مطابق نازل ہوا۔ ان عملی مشکلات کے اعتبار سے نازل ہوا، جو اُمت مسلمہ کو عملی زندگی میں پیش آتیں۔ ایک آیت یا چند آیات کے کسی متعین واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوتیں اور ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کے جوابات دیتیں۔ معاملہ کی صحیح نوعیت سامنے رکھتیں، اور ان حالات میں لوگوں کے لیے راہِ عمل متعین کرتیں ان کے فکر و عمل کی اصلاح کرتیں، اور ان سارے معاملات میں ان کا تعلق خُدا سے جوڑتیں، اس وقت وہ محسوس کرتے، گویا وہ ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ ہیں، خُدا کی نگاہ میں، قدرتِ الٰہی کی آغوش میں۔ اس طرح وہ عملی زندگی میں خدائی نظامِ زندگی کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتے۔

یاد رہے! یہ ان کے جذبۂ عمل کی بے تابیوں کا ہی فیض تھا کہ ان کی اٹھان اس حسین انداز سے ہوئی۔ اور یہ بعد والوں کی ذہنی و دماغی عیاشی کی نحوست ہے کہ ان کی اٹھان قرآن کی رعنائی و زیبائی سے یکسر محروم رہی۔ یقیناً یہ انقلابِ حال اس بے مثال اور امتیازی نسل سے بعد کی نسلوں کے مختلف ہونے کا بنیادی سبب ہے۔

ایک تیسرا سبب بھی یہاں قابلِ ذکر ہے اور ضرورت ہے کہ اس پر خاص توجہ دی جائے۔ اس وقت کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا، تو اس کی چوکھٹ

Marfat.com

پر ہی جاہلیت کے سایہ میں گزرے ہوئے پورے ماضی کا لبادہ اتار پھینکتا۔ وہ جس لمحہ اسلام کی طرف آتا، ایسا محسوس کرتا گویا وہ ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہے، جو اس زندگی سے بالکل مختلف ہے جو جاہلیت کی مسموم فضاؤں میں گزری ہے۔ وہ ساری چیزیں جن سے وہ جاہلیت میں مانوس تھا، اب ان کو شک وریب اور خوف واندیشہ کی نگاہوں سے دیکھتا۔ اس وقت اسے یہ احساس ہوتا کہ یہ ساری چیزیں پلید ہیں، جو اسلام سے ذرا بھی میل نہیں کھاتیں۔ اسی ذہنی کیفیت کے ساتھ وہ اسلام کے نئے اصولوں کو اختیار کرتا۔ اور اگر کبھی نفس سے مغلوب ہو جاتا، یا عادتوں کی زد میں بہہ جاتا، یا راہِ اسلام کی تکلیف کی تاب نہ پاتا ــــ تو دوسرے ہی لمحہ اُسے اپنی خطا ولغزش کا احساس ہو جاتا، اس کا دامن اشکِ ندامت سے تر ہو جاتا، اور اس کے اندر یہ تڑپ ہوتی کہ کسی طرح وہ اس آلائش سے پاک ہو جائے، اس کی زندگی نئے سرے سے قرآنی ہدایت سے ہم آہنگ ہو جائے۔

اس وقت جاہلیت کے سایہ میں گزرے ہوئے ماضی اور اسلام کی آغوش میں پروان چڑھنے والی زندگی میں بڑا فرق ہوتا۔ شعوری طور پر زمین آسمان کا فرق ہوتا۔ گردوپیش کے جاہلی ماحول سے جو روابط ہوتے، یا جو اس کے عام اجتماعی تعلقات ہوتے ان میں نمایاں طور پر یہی کیفیت نظر آتی۔ اب وہ جاہلی ماحول سے انتہائی دور اور اسلامی ماحول سے غایت درجہ قریب ہوتا۔ اور اگر تجارت اور لین دین کی دُنیا میں وہ کچھ مشرکوں سے تعلق بھی رکھتا تو یہ تعلق اس کے فکر وعمل پر ذرا بھی اثر انداز نہ ہوتا۔

وہاں جاہلی ماحول، جاہلی روایات، جاہلی تصورات اور جاہلی عادات و تعلقات سے مکمل علیحدگی ہوتی۔ اس کی زندگی میں اب عقیدۂ شرک کے بجائے عقیدۂ توحید، اور جاہلی تصور کی جگہ اسلامی تصور کی حکمرانی ہوتی۔ وہ نئی اسلامی تنظیم اور اس کی نئی قیادت میں بالکل ضم ہوتا۔ اور ہر پہلو سے مسلم معاشرے اور مسلم

Marfat.com

قیادت کا ہمدرد و فدا کار ہوتا۔

یہی دو راہہ تھا۔ یہی نئی راہ میں بڑھنے کا نقطۂ آغاز تھا۔ وہ مسلمان اس راہ میں اس طرح بڑھتا کہ جن روایات پر نظامِ جاہلیت کی بنیاد ہوتی، اور جن اقدار کی اس میں حکمرانی ہوتی، ان کے دباؤ سے بالکل آزاد ہوتا۔ اس وقت ایسے مسلمان کے لیے اذیتوں کی یورش اور آزمائشوں کی یلغار ہوتی ——— ہمہ جہتی یورش اور ہمہ جہتی یلغار ہوتی۔ لیکن اس کا عزم بھی انتہائی محکم ہوتا۔ وہ ذرا بھی پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتا۔ جاہلی تصور اور نظامِ جاہلیت کی روایات اس پر کوئی راہ نہ پا سکتیں۔

اس وقت ہم اسی جاہلیت سے دوچار ہیں، ہاں اسی جاہلیت سے دوچار ہیں جس سے اس دور کا اسلام دوچار تھا۔ بلکہ یہ جاہلیت اس سے بھی زیادہ تاریک اور بھیانک ہے۔ ہمارے گرد و پیش جو کچھ ہے، سب جاہلیت ہے ——— تصورات و عقائد، عادات و روایات، تہذیب و ثقافت، علوم و فنون، دستور و قوانین سب اسی جاہلیت کے شاخسانے ہیں۔ حتٰی کہ آج جن چیزوں کو ہم اسلامی ثقافت، اسلامی مآخذ، اسلامی فلسفہ اور اسلامی فکر سمجھتے ہیں، ان میں سے بھی بیشتر چیزیں جاہلیت ہی کی پیداوار ہیں!!

یہی وجہ ہے کہ اسلامی قدریں ہمارے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی۔ ذہنوں میں اسلام کا تصور پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ اور نہ اس انداز کی کوئی نسل جنم لیتی، جس انداز کی نسل اسلام نے پہلی بار تیار کی تھی۔

تحریکِ اسلامی کے طریقِ کار کی رو سے ناگزیر ہے کہ ہم اپنی تشکیل و تربیت کے دور میں اس جاہلیت کے اثرات سے بالکل آزاد ہوں جس کی فضاؤں میں آج سانس لے رہے ہیں۔ جس کے سوتوں سے آج سیراب ہو رہے ہیں۔ ناگزیر ہے کہ ہم از سرِ نو اس خالص سرچشمہ کی طرف پلٹیں۔ جس سے وہ لوگ سیراب ہوئے تھے، جس کے بارے میں اس بات کی ضمانت ہے کہ اس میں کوئی ملاوٹ نہیں

ہوئی۔ کسی بھی قسم کی آمیزش نہیں ہوئی، اس کی طرف پلٹیں اور وہاں یہ معلوم کریں کہ کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ وجودِ انسانی کی غایت کیا ہے؟ کائنات اور انسان کا خُدا سے کیا تعلق ہے؟ زندگی کے سلسلے میں ہمارے کیا تصورات ہوں؟ اخلاق اور قدروں سے متعلق کیا تصورات ہوں؟ نظامہائے حکومت وسیاست، اصول اقتصاد و معیشت اور دوسری تمام اقدارِ حیات کے بارے میں کیا تصورات ہوں۔

پھر جس وقت ہم اس کی طرف پلٹیں ہمارے دل میں تنفیذ و عمل کا جذبہ ہو، نہ کہ محض ریسرچ اور ذہنی عیاشی کا جذبہ۔ ہم اس کی طرف بڑھیں تو یہ جاننے کے لیے کہ وہ ہم کو کس رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے، کہ اسی رنگ میں ہم رنگ جائیں۔ اس وقت قرآن کا فنی جمال بھی ہمارے سامنے آئے گا اور دلکش واقعات بھی سامنے آئیں گے۔ قیامت کے مناظر بھی سامنے آئیں گے اور وجدان کو اپیل کرنے والی باتیں بھی سامنے آئیں گی۔ اور وہ ساری چیزیں سامنے آئیں گی جنھیں ریسرچ اسکالرز اور لذتِ ذہنی کے طلب گار ڈھونڈتے ہیں۔ بلا شبہ یہ ساری چیزیں ہمیں ملیں گی۔ لیکن یہی ہمارا مقصد اور ہماری غایت نہ ہوں گی۔ ہمارے اندر تو یہ جستجو ہوگی کہ قرآن ہمیں کس شکل میں دیکھنا چاہتا ہے؟ وہ کون سا جامع تصور ہے جو وہ ہمارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے؟ خُدائے تعالیٰ کے بارے میں وہ ہمیں کیا احساس و تصور دیتا ہے؟ اخلاق، طرزِ معاشرت، اور زندگی کے عملی نظام کا وہ کیا نقشہ پیش کرتا ہے؟ ان سارے امور میں وہ ہمیں کیا رہنمائی دیتا ہے؟

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہم جاہلی سوسائٹی، جاہلی تصورات، جاہلی روایات اور جاہلی قیادت سے اپنی ذات کی حد تک بالکل آزاد ہوں۔ ہمارے لیے اس کی گنجائش ہرگز نہیں کہ ہم اس جاہلی ماحول کو گوارہ کرلیں یا اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرلیں، کیونکہ وہ بحالتِ موجودہ ——— بایں صفاتِ ذمیمہ

اس قابل کہاں کہ اس سے صلح ومفاہمت کریں۔ ہمارا نصب العین تو یہ ہے کہ پہلے ہم خود کو بدلیں، پھر اس جاہلی ماحول کو بدل کر رکھ دیں۔

ہمارا اولین مقصد ہے اس ماحول کے ڈھانچہ کو بدل ڈالنا۔ ہمارا نصب العین ہے اس جاہلیت کی طنابیں اکھاڑ پھینکنا۔ وہ جاہلیت جو اسلامی اصولوں اور اسلامی تصورات سے بنیادی طور پر ٹکراتی اور ظلم وجبر کے ذریعہ ہمیں نظام الٰہی سے روکتی ہے۔

ہماری راہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم اس جاہلی ماحول اور اس کے اقدار وتصورات پر غلبہ حاصل کریں، مکمل غلبہ۔ اور اس تمنا میں کہ وہ ہم سے ہم آہنگ ہو جائے، اپنے اقدار وتصورات میں ذرا بھی ترمیم نہ کریں۔ خبردار! ہماری راہ اور ہے، اس کی راہ اور ہے۔ جس لمحہ ہمارا ایک قدم بھی اس کی معیت میں اُٹھے گا، ہم اپنے پورے نظام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، اور راہ سے بہت دُور جا پڑیں گے۔

بلاشبہ اس کے لیے مشقتوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ خطرات اور مصیبتوں سے گزرنا ہوگا، بڑی بڑی قربانیاں پیش کرنی ہوں گی۔ ایک سے ایک محرومیاں گوارہ کرنی ہوں گی۔ لیکن اگر یہ حوصلہ ہے کہ ہم اس پہلی اُمّت کی راہ پر چلیں، جس کے ہاتھوں خدائے تعالیٰ نے نظام الٰہی کو قیام بخشا، نظام جاہلی پر اسے غلبہ عطا فرمایا تو ہمیں ان سب چیزوں کے لیے تیار رہنا ہوگا۔

نیز اگر ہم واقعتہً جاہلیت سے باہر آنا چاہتے ہیں، اس طرح باہر آنا چاہتے ہیں جس طرح وہ بے مثال قرآنی اُمّت باہر آگئی تھی تو ضروری ہوگا کہ ہم ہمیشہ اپنے نظام کے مزاج، اپنے موقف کے مزاج، اور اس راستہ کے مزاج کا شعور رکھیں، جس پر چلنا ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر مقصد میں کامیابی ناممکن ہے۔

Marfat.com

قرآنی نظام کا مزاج

کلمات ادریس

مکہ میں مکمل تیرہ سال تک قرآن نازل ہوتا رہا۔ اس پورے عرصے میں وہ بس ایک ہی مسئلہ پہ زور دیتا رہا۔ ایک ہی عنوان سے بات کرتا رہا۔ ایک ہی قضیہ زیرِ بحث لاتا رہا۔ لیکن اس میں تکرار کی بدمزگی نہ ہوتی۔ قرآن اسے ہر بار ایک نئے انداز سے پیش کرتا۔ اس وقت ایسا لگتا گویا یہ نغمۂ سرمدی پہلی بار کانوں میں گونج رہا ہے۔

وہ اس نئے دین کے سب سے عظیم، سب سے اوّلین اور سب سے بنیادی مسئلے ـــــ مسئلہ عقیدہ سے بحث کرتا۔ اس کی سب سے اہم بنیادیں ذہن نشین کراتا۔ بتاتا کہ الوہیت کیا ہے؟ عبودیت کیا ہے؟ ان دونوں کا باہمی تعلق کیا ہے؟ بندے اور رب کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا ہے؟

وہ اس حقیقت کو "انسان" کے سامنے پیش کرتا، بحیثیت انسان کے ہر انسان اس کا مخاطب ہوتا۔ کیونکہ یہ ہر انسان کا اپنا مسئلہ ہے۔ اس دور کا انسان ہو یا اُس دور کا انسان، عربی انسان ہو یا عجمی انسان ہر انسان اس سے وابستہ ہے۔

یہ "انسان" کا وہ مسئلہ ہے جس کی اہمیت کبھی ختم نہیں ہو سکتی!! کیونکہ یہ اس کی ذات اور اس کے وجود کا مسئلہ ہے، وہ دُنیا میں کس طرح آیا؟ اس کا انجام کیا ہوگا؟ کائنات میں اس کی حیثیت کیا ہے؟ ابنائے جنس سے اس کا کیا تعلق ہے؟ کائنات کے خالق سے اس کے تعلق کی کیا نوعیت ہے؟ یہ سارے سوالات براہ راست اس کی ذات سے متعلق ہیں اور یہ سب عقیدے کے تحت داخل ہیں۔

مکی دور میں یہ قرآن انسان کو بتاتا تھا کہ وہ کیا ہے؟ یہ چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کیا ہے؟ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کس لیے آیا ہے؟ آخر کار اسے کہاں جانا ہے؟ کون ہے جو اسے پردۂ عدم سے دنیائے وجود میں لایا ہے؟ کون ہے جو اُسے اس دُنیا سے اٹھا لیتا ہے۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہ ظاہری وجود جسے وہ محسوس کرتا اور اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، یہ ہے کیا؟ کائنات کے در پر جو ایک غیبی وجود وہ محسوس کرتا ہے جو اس کی نگاہوں سے تو اوجھل ہے، پر اس کی ایک ایک حرکت سے باخبر ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ کون ہے جس نے یہ پراسرار وجود بنایا؟ کس کا ذہن ہے جو اس کے پیچھے کام کر رہا ہے؟ کون ہے جو اسے لٹو کی طرح گھما رہا ہے؟ کون ہے جو اس میں جیسی چاہتا ہے تبدیلیاں لاتا ہے؟۔ اس کائنات کے خالق اور خود اس کائنات کے ساتھ اس کا انداز کیا ہو؟ بندوں کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو؟ مکی قرآن ان سارے مسائل پر روشنی ڈالتا تھا۔ ان تمام پہلوؤں سے وہ انسانی ذہن کو مطمئن کرتا تھا۔ بلاشبہ عقیدے کا یہ مسئلہ ان انسان کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ اس کے بغیر اس کی شخصیت نامکمل رہتی ہے اور وہ "انسان" بننے سے محروم رہتا ہے۔ ایک مثالی سیرت اور معیاری شخصیت کی تعمیر اسی پر منحصر ہے، پہلے بھی منحصر تھی۔ آج بھی منحصر ہے۔ اور آئندہ بھی منحصر رہے گی، چاہے زمانہ کتنا ہی آگے نکل جائے۔

اس اہم ترین قضیہ کو ذہن نشین کرانے میں اسی طرح مکمل تیرہ سال بیت گئے۔ وہ قضیہ جس کے بعد انسان کی زندگی میں اگر کچھ ہے تو وہ اسی کے فروع اور اسی کے تقاضے ہیں۔

مکی سورتیں آخر تک اسی محور پر گھومتی رہیں۔ وہ بار بار یہی مسئلہ چھیڑتی رہیں۔ انھوں نے اس کی فروعات سے — ان فروعات سے جن کا نظام

Marfat.com

زندگی سے تعلق ہے، کوئی تعرض نہیں کیا، ہاں، یہ فروعات اس وقت تک موضوع بحث نہ بنیں۔ جب تک یہ مسئلہ پوری طرح واضح نہ ہوگیا۔ اس کی تشریح کا حق ادا نہ ہوگیا۔ اور اس گروہ کے دلوں میں وہ اچھی طرح جاگزیں نہ ہوگیا۔ جسے اللہ نے اپنے دین کے لیے منتخب کیا تھا۔ جس سے اقامتِ دین کی عظیم خدمت لینے کا فیصلہ کیا تھا، ایک ایسا عملی نظام روبکار لانے کا ارادہ کیا تھا، جس میں اس دین کی جلوہ گری ہو۔

آج جو لوگ دعوتِ دین کا کام کر رہے ہیں، عملی زندگی میں خدائی نظام کو قائم و نافذ کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں، انھیں چاہیئے کہ اس اہم حقیقت پر ٹھہر کر غور کریں۔ اس حقیقت پر غور کریں کہ مکی قرآن تیرہ سال تک اسی عقیدے کو ذہن نشین کراتا رہا۔ اس عقیدے کی بنیاد پر جو نظام قائم ہونے والا تھا، مسلم معاشرے پر جن اصول وضوابط کی حکمرانی ہونے والی تھی، ان کی تفصیلات میں وہ نہیں پڑا۔

(حکومتِ الٰہی کا یہی تقاضا ہوا کہ عقیدے کا مسئلہ ہی فجرِ نبوت سے دعوت کا محور ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راہِ دعوت میں پہلا قدم ہی یہ ہو کہ آپ لوگوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کی دعوت دیں۔ انسانوں کو ان کے حقیقی رب سے روشناس کرائیں، اور صرف اسی کے آگے نذرِ بندگی پیش کرنے پر اکسائیں۔

مگر کوتاہ بین اور نارسا عقل کا فیصلہ کچھ اور ہوگا۔ اس کے نزدیک یہ کوئی حکیمانہ طریقہ نہ تھا۔ عربی مزاج کو اس طرح ہم آہنگ کر لینا کچھ آسان کام نہ تھا۔ کیونکہ وہ "الٰہ" کے معنی جانتے تھے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" کا مفہوم اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ الوہیت کا مفہوم ہے 'اقتدارِ اعلیٰ (SOVEREIGNTY) وہ سمجھتے تھے کہ توحید یا خدائے تعالیٰ کے ساتھ الوہیت کی تخصیص کا مطلب ہے۔ کاہنوں، پروہتوں سرداروں

Marfat.com

اور حکمرانوں کے ہاتھوں میں جو اقتدار گردش کر رہا ہے، اس سے انہیں بے دخل کر کے ساری بادشاہی اللہ کے لیے تسلیم کی جائے۔ دلوں پر بادشاہی ہو یا رسوم نیاز و بندگی پر، زندگی کی سرگرمیوں پر بادشاہی ہو یا مال و دولت کے خزانوں پر، فصل و قضا پر بادشاہی ہو یا ارواح و اجسام پر، یہ ساری بادشاہیاں براہ راست خدا ــــــ اور صرف خدا کے لیے ہوں۔ وہ خوب جانتے تھے کہ "لا الٰہ الا اللہ" اس دنیوی اقتدار کے خلاف اعلانِ جنگ ہے، جو الوہیت کی سب سے اولین خصوصیت پر غاصبانہ قبضہ کر لیتا ہے۔ ان اصول وضوابط پر انتہائی کاری ضرب ہے۔ جن کی بنیاد یہی غاصبیت ہے۔ ان بادشاہتوں کے خلاف کھلی ہوئی بغاوت ہے جو خدا سے منحرف ہو کر اپنی خانہ ساز شریعت کے مطابق حکمرانی کرتی ہیں ــــــ عربوں سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی، وہ اپنی زبان کے خوب مزاج آشنا تھے "لا الٰہ الا اللہ" کی دعوت کا مفہوم اچھی طرح سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ ان کے اقتدار، ان کی سیادت اور ان کے اصولوں کے بالمقابل اس دعوت کے کیا عزائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اس دعوت یا اس تحریکِ انقلاب ــــــ کا اتنی درشت خوئی اور ترش روئی سے استقبال کیا، اور اس سے وہ جنگیں لڑیں جو خاص و عام کسی پر مخفی نہیں۔

پھر اس دعوت کے لیے یہ نقطۂ آغاز کیوں ٹھہرا؟ حکمتِ الٰہی کا یہ تقاضا کیوں ہوا کہ زحمتوں کے چھتے کو شروع ہی میں چھیڑ دیا جائے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دین لے کر مبعوث ہوئے تو سرزمین عرب کا سب سے زرخیز اور مال دار خطہ عربوں کے ہاتھ میں نہ تھا، اغیار کے ہاتھوں میں تھا۔

شمال میں ملک شام پورا کا پورا روم کے زیر نگین تھا۔ اس پر روم کے ماتحت اُمرائے عرب کی حکومت تھی۔ جنوب میں یمن کا پورا علاقہ ایران کے زیر اقتدار

Marfat.com

تھا۔ اس پر ایرانیوں کے ماتحت امرائے عرب کی حکومت تھی۔ بیرونی اقتدار سے ہر طرح آزاد صرف حجاز، تہامہ اور نجد کے علاقے تھے ان کے علاوہ کچھ بے آب وگیاہ چٹیل بیاباں تھے، جن میں کہیں کہیں کچھ زرخیز ٹکڑے تھے۔

کہا جا سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے "صادق" اور "امین" تھے۔ رسالت سے پندرہ ہی سال قبل اشرافِ قریش حجرِ اسود کے معاملہ میں آپؐ کو ثالث مان چکے تھے، آپ قریش کے سب سے اونچے خاندان بنی ہاشم سے نسبت رکھتے تھے۔ بنی ہاشم میں بھی سب سے معزز گھرانے کے چشم وچراغ تھے —— آپؐ کے لیے یہ آسان تھا کہ عرب قومیت کا نعرہ بلند کرتے۔ اور ان قبائلِ عرب کو یکجا کرنے کی سعی کرتے جو آپس کی خانہ جنگی سے بالکل بے دم ہو چکے تھے۔ اور اب قومی زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ آپ ان کے قومی جذبات مشتعل کر کے سامراجی شہنشاہیتوں روم و ایران سے اپنے غصب شدہ علاقے آزاد کرانے کی مہم چلاتے۔ یہ بات کچھ مشکل نہ تھی کہ آپؐ عرب قومیت کا پرچم فضا میں لہراتے۔ اور جزیرۂ عرب کے کونے کونے میں قومی وحدت کا صور پھونک دیتے۔

اگر آپؐ اس طرح کے نعرے بلند کرتے تو پورے عرب کے دیدہ و دل فرشِ راہ ہوتے۔ اور آپؐ اقتدار وقت سے کشمکش کے نتیجہ میں مکمل تیرہ سال تک ان حوصلہ شکن حالات سے دوچار نہ ہوتے!

اور جب اہلِ عرب اس طرح دل وجان آپؐ کے حوالہ کر دیتے، جب آپؐ کو اپنا سردار اور لیڈر تسلیم کر لیتے۔ اور جب زمامِ اقتدار آپؐ کے ہاتھ میں آجاتی اور سر تاجِ قیادت سے مزین ہو جاتا، تو آپؐ ان سب چیزوں سے عقیدۂ توحید کی جڑیں استوار کرنے کا کام لیتے۔ لوگوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا لینے کے بعد ان کا رُخ ان کے رب کی طرف پھیر دیتے!۔

لیکن خدائے تعالیٰ نے —— علیم وحکیم خدائے تعالیٰ نے آپؐ کی اس

انداز پر رہنمائی نہیں فرمائی بلکہ حکم دیا کہ آپؐ لا الٰہ الا اللہ کا انقلاب انگیز نعرہ بلند کریں، اور دعوت کو بالکل واشگاف انداز میں پیش کریں۔ پھر آپؐ اور آپؐ کے گنے چنے ساتھی ان سارے زہرہ گداز مصائب کا سامنا کریں!

ایسا کیوں ہوا؟ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ اور مومنین کو خواہ مخواہ تنگی میں ڈالنا تو پسند نہیں کر سکتا، پھر ایسا کیوں ہوا؟ ایسا اس لیے ہوا کہ اس کام کا یہ طریقہ تھا ہی نہیں۔ یہ بات کبھی مناسب نہیں ہو سکتی تھی کہ زمین رومی یا ایرانی طاغوت سے آزاد ہو کر عربی طاغوت کے پنجے میں آجائے کیونکہ طاغوت تو سب طاغوت ہی ہیں۔ زمین اللہ کی ہے۔ اور یہ اسی کی رہنی چاہیئے اور اس کی یہ اسی وقت رہ سکتی ہے جب کہ اس پر لا الٰہ الا اللہ کا پھریرا لہرا رہا ہو۔ اس کی یہ صورت ہرگز نہیں کہ اہلِ زمین رومی یا ایرانی طاغوت سے آزاد ہو کر عربی طاغوت کے پنجے میں آجائیں کہ طاغوت تو جس جامہ میں ہو، طاغوت ہی ہے! سارے انسان اللہ کے بندے ہیں۔ اور اللہ کے بندے وہ اسی وقت رہ سکتے ہیں جب کہ لا الٰہ الا اللہ کا جھنڈا بلند ہو۔ لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم جیساکہ ہر عربی داں جانتا ہے ــــــ یہ ہے کہ حاکمیت کا تاجدار صرف اللہ ہے، شریعت بس اُسی کی چلے گی۔ کسی کو کسی پر اقتدار نہیں۔ اقتدار صرف خدا کا ہے۔ پھر اس لحاظ سے بھی یہ طریقہ ناموزوں اور بے جوڑ ہوتا کہ اسلام کو جو "قومیت" مطلوب ہے وہ عقیدہ کی "قومیت" ہے جس میں عربی، رومی، ایرانی، کسی کی تخصیص نہیں کہ یہ ساری قومیتیں، اور سارے رنگ خدا کے جھنڈے تلے بالکل مساوی ہیں۔

اس طرح دعوتِ اسلامی کے مزاج و مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہی طریقِ کار سب سے زیادہ موزوں اور نتیجہ خیز ہو سکتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو عرب سماج دولت کی منصفانہ تقسیم اور عدل و انصاف کے صحت مندانہ نظام سے یکسر بے گانہ تھا۔ کچھ

Marfat.com

تھوڑے سے لوگ تھے جو دولت کے خزانوں اور تجارت کی منڈیوں پر قابض تھے اور سودی کاروبار کے ذریعہ اپنی دولت بڑھانے اور تجارت چمکانے میں سرگرم تھے۔ ورنہ بہت عظیم اکثریت ایسی تھی جو دانے دانے کو ترستی تھی اور تنگی و فاقہ مستی کے دن کاٹ رہی تھی۔ جن کے ہاتھوں میں دولت تھی وہی رتبہ و شرف کے مالک تھے ورنہ بہت بھاری اکثریت ایسی تھی جو مال و مجد ہر چیز سے محروم تھی!

کہا جا سکتا ہے کہ محمد ــــ صلی اللہ علیہ وسلم ــــ اس وقت چاہتے تو اشتراکیت کا علم بلند کر کے طبقۂ اشراف کے خلاف آتشِ جنگ بھڑکا دیتے اور کوشش کرتے کہ طبقاتی ناہمواری دور ہو۔ مال داروں کی مقفل تجوریاں کھل جائیں، اور ناداروں کے جیب و دامن بھر جائیں!

اس وقت آپؐ اس قسم کی آواز اٹھاتے تو عرب سماج دو صفوں میں بٹ جاتا۔ عظیم اکثریت اس نئی دعوت کے ساتھ ہوتی جو شرف و جاہ اور دولت و سرمایہ کے خلاف محاذ قائم کرتی اور بہت ہی معمولی اقلیت اس موروثی جاہ و ثروت کی طرف سے صف آرا ہوتی۔ اس وقت یہ نوبت کبھی نہ آتی کہ پورا سماج "لا الٰہ الا اللہ" کے مدمقابل صف بستہ ہو جائے!۔

اس طرح جب اکثریت آپؐ کی ہمنوا ہو جاتی، اپنی نکیل آپؐ کے ہاتھ میں دے دیتی، اور اقلیت پر بھی غلبہ حاصل ہو جاتا، اور اس کی زمام آپؐ کے ہاتھ میں آجاتی تو آپؐ اس اثر و رسوخ اور اقتدار سے عقیدۂ توحید کی جڑیں استوار کرتے۔ شخصی اقتدار کے سامنے سرنگوں کر لینے کے بعد رب کے در پر لے جا کر انھیں جھکا دیتے!

لیکن خدائے تعالیٰ نے ــــ علیم و حکیم خدائے تعالیٰ نے اس انداز پر آپؐ کی رہنمائی نہیں فرمائی۔

خدائے تعالیٰ جانتا تھا کہ اصل طریقہ یہ نہیں ہے ــــ وہ جانتا تھا کہ معاشرے میں عدلِ اجتماعی ( ) ایک ہمہ گیر اعتقادی

Marfat.com

تصور کے سوتے سے پھوٹنا چاہیئے۔ جو سارے اختیارات کا مالک خدائے تعالیٰ کو سمجھے، دولت کی منصفانہ تقسیم اور انسانیت پروری یا اجتماعی کفالت سے متعلق جو بھی حکم اس کی طرف سے آئے۔ اسے معاشرہ کامل رضامندی کے ساتھ قبول کرے۔ ساتھ ہی لینے والے اور دینے والے دونوں کے ذہنوں میں یہ تصور ہو کہ وہ جس نظام سے منسلک ہیں، وہ ان کے مہربان آقا کا بنایا ہوا ہوا نظام ہے۔ اور اس حکم الٰہی کی تابعداری انہیں نہ صرف دنیا میں نہال کرے گی، بلکہ آخرت کی کامرانیوں سے بھی مالا مال کرے گی۔ اس وقت ایسا نہ ہوگا کہ کچھ دلوں میں تو حرص وآز کی نہ بجھنے والی پیاس ہو، اور کچھ سینے کینہ وحسد سے کھول رہے ہوں۔ اس وقت کسی معاملے میں تلوار اور ڈنڈے کی محتاجی ہوگی، نہ دھمکی اور دہشت انگیزی کی، اور نہ اس قسم کی فضا ہوگی کہ دل کڑھ رہے ہوں، اور روحیں گھٹ رہی ہوں۔ جیسا کہ ان سماجوں میں نظر آتا ہے۔ جو عقیدہ "لا الٰہ الا اللہ" کی برکتوں اور فیض بخشیوں سے محروم ہوتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اس وقت جزیرۂ عرب میں گرچہ شہریت اور تمدن سے ناآشنا بدویت کی بہت سی خوبیاں بھی موجود تھیں لیکن اخلاقی سطح وہاں کی مختلف پہلوؤں سے بہت پست تھی۔

اس معاشرے میں ظلم وزیادتی کا بازار گرم تھا۔ اس وقت کے ایک حکیم شاعر "زہیر بن ابی سلمٰی" کا یہ شعر اس خیال کی پرزور تائید کر رہا ہے۔ ؎

ومن لم یذد عن حوضہ بسلاحہ یھدم ومن لا یظلم الناس یظلم

"جو اپنے ہتھیار سے اپنے حوض کا دفاع نہیں کرے گا، اس کا حوض ڈھا دیا جائے گا اور جو دوسروں پر ستم نہیں کرے گا وہ خود مشق ستم بن جائے گا۔"

دورِ جاہلیت کا مشہور ومتعارف قول:۔

اُنصر اخاک ظالماً ومظلوماً۔ "اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم" بھی اس خیال کی حمایت کر رہا ہے۔

شراب نوشی اور جوئے بازی اس معاشرے کی عام دلچسپیاں تھیں اور ان کو وہ اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے! جاہلی اشعار کا پورا دفتر اس تاثر کے حق بجانب ہونے پر گواہ ہے۔ طرفۃ ابن العبد کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

فلولا ثلاث ھن من عیشۃ الفتی وجدک لم احفل متی قام عودی

"اگر تین چیزیں نہ ہوں جو کہ آدمی کی زندگی کا جزو ہیں، تو تیری خوش نصیبی کی قسم مجھے اس کی پروانہ ہو کہ (میری زندگی سے مایوس ہو کر میرے بالیں سے) میرے تیمار دار کب اٹھ گئے۔"

فمنھن سبقی العاذلات بشربۃ کمیت متی ما تعل بالماء تزبد

"انہی میں سے ملامت گر عورتوں کی ملامت سے بے پروا ہو کر ایسی شراب ارغوانی کے جام لنڈھانا ہے کہ اسے پانی سے اچھالا جائے، تو وہ جھاگ دے۔"

ومازال تشرابي الخمور ولذتي وبذلي وانفاقي طریفي وتالدي

"میری شراب نوشی اور عیش کوشی جاری رہی اور موروثی وغیر موروثی دولت میں بے دریغ لٹاتا رہا۔"

إلی أن تحامتني العشیرۃ کلھا وافردت أفراد البعیر المعبد

"یہاں تک کہ پورا خاندان مجھ سے کٹ گیا اور میں خارشی اونٹ کی طرح الگ ڈال دیا گیا۔"

قسم قسم کی بے حیائیاں اور بدکاریاں اس معاشرے کا طرۂ امتیاز تھیں۔ اس کا بالکل وہی حال تھا جو ایک جاہلیت زدہ معاشرے کا ہوتا اور ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں:۔

جاہلیت میں چار قسم کے نکاح رائج تھے! ایک نکاح تو وہ تھا جو آج کل رائج ہے۔ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی سرپرستی میں رہنے والی کسی لڑکی کے سلسلے میں پیام نکاح دیتا، پھر مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ آدمی اپنی بیوی سے کہتا ـــــ جب وہ حیض

سے پاک ہو جاتی ـــــــ " فلاں شخص کو بلا بھیجو اور اس سے بیج لے لو اور اس کا شوہر اس سے الگ ہو جاتا۔ اور اس کو اس وقت تک ہاتھ نہ لگاتا جب تک اس بیج دینے والے شخص سے اس کا حمل نہ ظاہر ہو جاتا۔ حمل ظاہر ہو جانے کے بعد اگر اس کا جی چاہتا تو اس سے تعلق قائم کرتا۔ اور ایسا وہ محض اس لیے کرتا کہ بیٹا ہونہار ہو۔ یہ نکاح نکاح استبضاع کے نام سے متعارف تھا۔ تیسرا نکاح یہ تھا کہ کچھ افراد جو دس سے نیچے ہی ہوتے، کسی عورت کے پاس جاتے اور اس سے مباشرت کرتے۔ چنانچہ حمل قرار پاتا۔ پھر بچہ پیدا ہوتا۔ بچہ کی پیدائش کو جب کئی راتیں گزر جاتیں تو وہ ان سب کو بلا بھیجتی سب اس کے پاس جمع ہوتے۔ کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ آنے سے انکار کر دے، پھر وہ ان سے کہتی! جو کچھ ہوا اس کا علم تو تمھیں ہے ہی، میرے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں وہ تیرا بیٹا ہے۔ جس کا چاہتی وہ نام لیتی۔ اور وہ لڑکا اسی کا ہو جاتا۔ وہ شخص اس سے انکار نہ کر سکتا۔ چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھا ہوتے اور عورت کے حریم میں داخل ہوتے۔ جو بھی اس کے پاس جاتا وہ انکار نہ کرتی ـــــــ یہ طوائفیں ہوتیں ـــــــ یہ اپنے دروازوں پر جھنڈے گاڑے ہوتیں جن کی حیثیت سائن بورڈ کی ہوتی۔ جس کا بھی جی چاہتا اس کے لیے ان کا دروازہ کھلا ہوتا اور جب ان میں سے کوئی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو وہ ایک تقریب مناتے اور قیافہ شناس بلائے جاتے وہ جس سے چاہتے اس بچے کو منسوب کر دیتے۔ چنانچہ وہ اس کو اپنا بچہ کہتا، اور وہ بچہ اس سے منسوب ہو جاتا۔ وہ اس کو لینے سے انکار نہ کر سکتا، (بخاری کتاب النکاح)

کہا جا سکتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس وقت ایک اخلاقی دعوت اور اصلاحی تحریک لے کر اٹھتے جس کے پیش نظر اخلاق کی اصلاح، معاشرے کی تطہیر، اور نفوس کا تزکیہ ہوتا تو یہ زیادہ بہتر شکل ہوتی۔

اس وقت آپ کو بہت سے ایسے نیک دل اور نیک نفس افراد مل

Marfat.com

جاتے جو ان گندگیوں سے پریشان اور آزردہ تھے۔ جیسا کہ ہر اخلاقی مصلح کو ہر معاشرے میں ایسے لوگ مل جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اسی دم جوش و حمیت لاحق ہوتی اور اس دعوتِ اصلاح و تزکیہ پر فوراً لبیک کہتے۔

اس طرح ابتدا ہی میں صلاح پسند، خوش اخلاق اور نیک نفس افراد پر مشتمل ایک اچھی خاصی جماعت آپؐ کی ہمنوا ہو جاتی جس کے لیے اس عقیدے کو قبول کرنا، اور اس کے مطابق حرکت میں آنا زیادہ آسان ہوتا اس وقت یہ ہرگز نہ ہوتا کہ " لا الہ الا اللہ " کی دعوت پہلے ہی قدم پر اتنی زبردست کشمکش کے شعلے بھڑکا دے۔

لیکن خدائے تعالیٰ جانتا تھا کہ صحیح راہ یہ نہیں ہے! وہ جانتا تھا کہ اخلاق کی بنا اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتی، جب تک اسے عقیدے کی اساس نہ حاصل ہو جو رد و قبول کے پیمانے فراہم کرے، قدروں کی تعیین کرے اس اتھارٹی کی تعیین کرے جو ان قدروں اور پیمانوں کا ماخذ ہو۔ پھر جزا و سزا کی بھی تعیین کرے جس کا اختیار اس اتھارٹی کو حاصل ہو جس کے مطابق وہ فرمانبرداروں یا نافرمانوں کے ساتھ معاملہ کرے کیونکہ جب تک اس عقیدے کی جڑیں استوار نہ ہوں گی، اور اس اتھارٹی کی تعیین نہ ہوگی اس وقت تک وہ قدریں جھولے کے مثل جھولتی رہیں گی اور اُن پر اخلاق کی جو عمارت کھڑی ہوگی اس کی بھی یہی کیفیت ہوگی نہ کوئی ضابطۂ اخلاق ہوگا نہ اس پر کوئی احتساب کرنے والا ہوگا اور نہ کوئی جزا و سزا ہوگی۔

تو جب انتہائی جانفشانی کے بعد عقیدہ راسخ ہو گیا، اور وہ اتھارٹی متعیّن ہو گئی جو اس عقیدے کی اصل اور اس کا مصدر و منبع ہے۔ جب لوگوں نے رب کو پہچان لیا، اور تنہا اسی کو اپنا معبود مان لیا۔ جب دلوں میں " لا الہ الا اللہ " نے پوری طرح گھر کر لیا اور لوگ بندوں کی خدائی اور شہوات کی حکمرانی سے آزاد ہو گئے۔ تو اللہ نے اس کلمہ کے ماننے والوں

Marfat.com

کے ہاتھوں وہ سب کچھ کر دکھایا، جو مجوّزین اپنی تجویزوں میں پیش کر سکتے ہیں۔ زمین رومی اور ایرانی سامراج سے پاک ہوگئی۔ مگر اس لیے نہیں کہ اس پر عرب سامراج کا تسلط ہو۔ وہ رومی، ایرانی، عربی غرض ہر طاغوت سے آزاد ہوگئی۔ تاکہ اس پر صرف آقائے کائنات کا تختِ سلطنت بچھے۔ اور ہر طرف بس اسی کے نام کا پرچم لہرائے۔

اس طرح سوسائٹی ہر قسم کے اجتماعی ظلم سے یکسر پاک ہوگئی اور "نظامِ اسلامی" قائم ہوگیا، جو عدلِ الٰہی کا نمونہ اور شریعتِ الٰہی کا پابند تھا، جو ہر چیز کو صرف اللہ کی میزان میں تولتا تھا اور صرف اللہ کے نام پر عدلِ اجتماعی کا پرچم اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ پرچم جس کا نام تھا "پرچمِ اسلام" اس نام کے علاوہ اس کے یہاں اور کوئی نام نہ تھا اور اس پرچم پر نقش تھا "لا الٰہ الا اللہ"!

اسی طرح ذہن و کردار میں پاکیزگی اور قلب و روح میں ستھرائی آگئی اور خدا کی طرف سے جو حدود و تعزیرات مقرر ہیں، ان سے کام لینے کی نوبت تک نہ آئی یا آئی تو بہت کم۔ کیونکہ نگرانی وہاں جسموں کے بجائے دلوں پر ہو رہی تھی۔ وہاں قصبوں اور محلوں میں نہیں، دل کے نہاں خانوں میں پولیس چوکیاں قائم تھیں۔ رضائے الٰہی اور ثوابِ آخرت کی طلب ان کی مرشد و رہنما تھی اور خدا کے قہر و غضب کا خوف ان کا محتسب اور نگراں تھا۔

اس وقت انسانیت اپنے نظام، اپنے کردار، اور اپنی پوری زندگی میں اتنی بلند چوٹی پر پہنچ گئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ پہنچ سکی تھی اور اس کے بعد بھی اگر کبھی پہنچی تو اسلام ہی کے سائے میں۔

یہ سب صرف اس لیے ہوا کہ جن لوگوں نے اس دین کو حکومت، نظام اور شرائع و احکام کی شکل میں قائم کیا، وہ اس سے پہلے اسے عقیدہ و کردار اور عبادات و معاملات کی شکل میں اپنے دلوں اور اپنی زندگیوں میں قائم کر چکے تھے۔ اور اس دین کے قائم کرنے پر ان سے صرف ایک وعدہ تھا،

جس میں کسی قسم کا غلبہ و اقتدار شامل نہ تھا حتیٰ کہ خود ان کے ہاتھوں اس دین کے غالب آجانے کا بھی اُن سے وعدہ نہ تھا۔ ان سے صرف ایک وعدہ تھا جس میں اس دُنیا کی کوئی شے شامل نہ تھی۔ بس ایک وعدہ تھا، جنّت ——— حوصلہ شکن کاوش، کمر توڑ آزمائش، دعوت میں سرگرمی اور " لا الٰہ الا اللّٰہ" کے ذریعہ جاہلیت سے پنجہ آزمائی کے صلہ میں ان سے صرف اسی ایک چیز کا وعدہ تھا!

تو جب اللہ نے انھیں آزمایا، اور اُنھوں نے صبر و استقامت کا ثبوت دیا۔ جب ان کے دل حظِ نفس کی طلب سے خالی ہو گئے اور اللہ نے جان لیا کہ وہ اس دُنیا میں کسی صلہ کے خواستگار نہیں، خواہ کوئی بھی صلہ ہو، خواہ یہی ہو کہ یہ دعوت ان کی بدولت غالب آجائے۔ اور ان کی کوششوں سے زمین پر دین قائم ہو جائے اور جب ان کے اندر نسل و نسب، قوم و وطن اور گھر اور خاندان پر فخر و ناز کرنے کی مسموم ذہنیت نہ رہی ——— تو اس وقت اللہ کا یہ فیصلہ ہوا کہ اب یہ اس امانتِ کبریٰ کے امین بن سکتے ہیں۔ اب یہ اس عقیدے کے امین بن سکتے ہیں جس کی رو سے قلب و ضمیر، عبادات و معاملات، جان و مال، عادات و اطوار غرض ہر شے پر حاکمیت کا حق صرف اللہ کو ہوگا۔ اور اب اگر ان کو اقتدار سونپا جائے تو اس کے ذریعہ شریعتِ الٰہی کو نافذ کر کے عدلِ الٰہی کی مثال قائم کریں گے۔ اپنی نسل و قوم اور کنبہ و خاندان کے لیے "سنہری" موقع سمجھتے ہوئے اس سے نفع اندوزی کی کوشش نہیں کریں گے۔ ان کے ہاتھ میں جو اقتدار ہوگا وہ بس اللہ کے لیے ہوگا اور اس کے دین و شریعت کی سربلندی کے لیے ہی استعمال ہوگا۔ کیونکہ اس بات سے وہ غافل نہ ہوں گے کہ یہ اقتدار خدا کا ہے اور اسی کا دیا ہوا ہے۔

اگر دعوت کا آغاز اس انداز پہ نہ ہوتا۔ اگر دعوت نے صرف یہی ایک پرچم ——— لا الٰہ الا اللّٰہ کا پرچم بلند کر کے بقیہ پرچموں سے اپنا رشتہ نہ توڑ لیا ہوتا۔ اور اگر اس نے اس راہ کو اختیار نہ کیا ہوتا، جو راہ دیکھنے میں تو

Marfat.com

بہت ہی دشوار اور پرُخار ہے۔ لیکن حقیقت میں بہت ہی آسان اور باعث خیر ہے، تو یقین مانیے اس مبارک نظام کا ایک حصہ بھی اتنے بلند پیمانے پر ظہور پذیر نہ ہوتا۔

پھر اس مبارک نظام میں اخلاص وللّٰہیت کی بو بھی نہ ہوتی، اگر یہ دعوت ایک قومی یا اجتماعی یا اخلاقی دعوت کی حیثیت سے اپنے سفر کا آغاز کرتی یا اپنے منفرد شعار لا الٰہ الا اللّٰہ کے پہلو بہ پہلو کسی دوسرے شعار کا بھی علم اٹھائے ہوتی۔

مکّی قرآن نے اگر دلوں اور ذہنوں میں "لا الہ الا اللّٰہ" کی جڑیں استوار کرنے کی کوشش کی۔ اگر اس نے بظاہر دشوار ہونے کے باوجود یہ راہ اختیار کی۔ اور دوسرے بغلی راستوں سے علیحدہ رہا۔ آخر تک ان سے کنارہ کش رہا، تو اس کی وجہ یہی تھی۔

رہی یہ بات کہ مکّی قرآن نے صرف عقیدہ کے مسئلے کو ہاتھ لگایا اور اس کی اساس پر قائم ہونے والے نظام کی تفصیلات میں نہیں پڑا، نہ ان قوانین کی طرف کوئی توجہ دی جو اس کے معاملات کو سلجھاتے اور درست رکھتے ہیں۔ تو یہ بات بھی ایسی ہے کہ دعوتِ دین کے علمبرداروں کو اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود اس دین کے مزاج کا یہی تقاضا تھا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا دین ہے جو سرتا سر وحدت الٰہ کی بنیاد پر قائم ہے، یہی وہ بنیاد ہے جو اس کی ساری تشریعات اور سارے احکام کا سرچشمہ ہے۔ جس طرح ایک بھاری بھرکم درخت، جس کی لمبی لمبی شاخیں انتہائی بلندی پر فضا کے کاندھے بوجھل کر رہی ہوں، جس کی موٹی موٹی ڈالیاں جگہ نہ پاکر باہم دست وگریباں ہوں۔ اور جس کا سایہ بہت ہی گنجان اور کافی وسیع رقبۂ زمین پر قابض ہو۔ ناگزیر ہے کہ اس کی جڑیں بھی انتہائی گہری، مضبوط اور اسی کے بقدر زمین

Marfat.com

میں دور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ بالکل یہی حال اس دین کا ہے۔ اس کا نظام پوری زندگی کو محیط ہے، وہ انسانیت کے سارے چھوٹے بڑے مسائل کو ہاتھ میں لیتا ہے۔ وہ انسان کی پوری زندگی کو منظم کرتا ہے ——— یہ دنیا ہو یا عالم آخرت ہو عالم شہود ہو یا عالم غیب ہو، نظر آنے والے مادی معاملات ہوں یا دل کے مخفی ارادے اور نیتیں ہوں وہ ان سب سے دلچسپی لیتا اور ان سب کے سلسلہ میں روشنی دیتا ہے، اس طرح وہ گویا بہت ہی عالی شان فلک بوس اور وسیع الاطراف قلعہ ہے جس کے لیے تقریباً اسی انداز کی بنیاد بھی لازمی ہے۔ انتہائی وسیع اور گہری محکم اور پائیدار۔

یہ اس دین کے اسرار اور اس کے مزاج کا ایک پہلو ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی تعمیر و توسیع کے سلسلہ میں اس کا کیا اصول ہے۔ اس کے نزدیک صحیح اٹھان کے لیے ضروری ہے کہ عقیدے کی تعمیر انتہائی مضبوط و مستحکم ہو، وہ قلب و روح کے تمام گوشوں پر حاوی اور ریشہ ریشہ میں پیوست ہو، یہی چیز اس بات کی اہم ضمانت ہوگی کہ بعد میں آنے والی گوناگوں ذمہ داریوں کو اس کے ماننے والے سہار سکیں گے۔ نیز اسی طرح فضا میں پھیلی ہوئی شاخوں اور گہرائیوں میں اتری ہوئی جڑوں کے درمیان توافق و ہم آہنگی قائم ہو سکے گی۔

چنانچہ جب عقیدہ " لا الٰہ الا اللہ " نے انتہائی گہرائیوں میں اپنی جڑیں جما لیں، تو اسی لمحہ اس نظام نے بھی اپنے لیے جگہ پیدا کر لی جو " لا الٰہ الا اللہ" کی جلوہ گاہ اور اس کا مظہر ہے۔ اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ تنہا یہی ایک نظام ہے جو اس عقیدے کے لذت آشنا دلوں میں بار پا سکتا ہے۔ ان نفوس نے ابتدا ہی میں اس نظام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا، جب کہ ابھی اس کی تفصیلات بھی نہیں پیش کی گئی تھیں اور اس کی تشریعات بھی سامنے نہ آئی تھیں۔ معلوم ہوا کہ پہلے ہی سر تسلیم خم کر دینا ایمان کا تقاضا ہے۔ اور اسی جذبۂ تسلیم و رضا کے ساتھ ان نفوس نے بعد میں اسلامی احکام و قوانین کو شوق و محبت کے

ہاتھوں سے لیا۔ ان احکام کو سُن کر اُنھوں نے کبھی چون وچرا نہ کیا۔ نہ ان کو جان لینے کے بعد ان کی تنفیذ میں کچھ پس وپیش کیا۔ قرآن پاک کی دو ہی چار آیتوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ہی بولوں سے شراب نوشی، سود خواری، جوئے بازی وغیرہ ساری جاہلی عادتیں ختم ہو گئیں۔ جب کہ دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں ان میں سے ایک ایک چیز کے انسداد کے لیے اپنے قوانین و احکام، سلطنت و اقتدار، ریڈیو اور پریس غرض ہر قسم کے دباؤ اور ہر طرح کے وسائل کے ساتھ اپنا سارا زور صرف کر ڈالتی ہیں، پھر بھی ناکامی سے دوچار ہوتی ہیں۔ اور اگر کامیاب ہوتی ہیں تو بس اس حد تک کہ کھلم کھلا ان کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، جبکہ پوری سوسائٹی اندر ہی اندر قانون شکنی اور آئین کی خلاف ورزی کے ناسور سے پک رہی ہوتی ہے!

اس دین کے مزاج کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، جس کا جلوہ اس بہترین نظام میں نظر آتا ہے۔ یہ دین ایک سنجیدہ حقیقت پسند اور تحریکی نظام ہے۔ وہ آیا ہے تاکہ عملی زندگی کے مسائل پر حکمرانی کرے۔ وہ زندگی کے مسائل کا سامنا کرتا ہے تاکہ ان کے بارے میں اپنے فیصلے دے۔ چاہے تو انھیں جوں کا توں باقی رکھے، چاہے تو ان میں کچھ اصلاح و ترمیم کرے، اور چاہے تو سرے سے بدل کر رکھ دے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک ایسی ہی سوسائٹی میں آنے والے عمل کے سلسلہ میں قوانین و احکام دیتا ہے، جو اول روز سے صرف خدا کی حاکمیت کی قائل ہو۔

وہ کوئی "نظریہ" نہیں جس کی بنیاد مفروضات پر ہو۔ وہ ایک دستور ہے جو "واقعات" سے بحث کرتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ضروری ہے کہ ایک ایسا مسلم معاشرہ وجود میں آئے، جس کا عقیدہ ہو کہ خدا کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اور حاکمیت کا حق صرف اللہ کو ہے۔ وہ خدا کے سوا ہر ایک کی حاکمیت کو ٹھکرا دے اور ہر ایسے نظام سے دست کش ہو جائے

جو اس کے علاوہ کسی دوسری بنیاد پر قائم ہو —— جس وقت عملاً یہ معاشرہ قائم ہو جائے گا، اس کی ایک زندگی ہوگی جو اپنے ساتھ تمدنی مسائل رکھتی ہوگی، اور ان کے سلسلہ میں وہ ایک تنظیم اور دستور کی ضرورت مند ہوگی، بس یہی لمحہ اس دین کے لیے قانون سازی اور شریعت سازی کا ہوگا۔ کیونکہ اس وقت معاشرے کے افراد ان قوانین و احکام کے آگے بخوشی گردنیں خم کر دینے کے لیے تیار اور دوسرے قوانین و احکام سے بالکل بیزار ہوں گے۔

پھر اس عقیدے پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ناگزیر یہ ہے کہ ان کو اپنے اوپر نیز سوسائٹی پر ایسا اختیار حاصل ہو جو اس سوسائٹی میں نظام اور قوانین کی تنفیذ کا ضامن ہو سکے، تاکہ اس نظام کا رعب اور ان قوانین کی سنجیدگی برقرار رہے۔ اس کے علاوہ اس سوسائٹی کو عملاً ایسی تمدنی زندگی بھی حاصل ہو جو فوری طور پر نظام اور قوانین کی متقاضی ہو۔

مکہ میں مسلمانوں کو نہ اپنے اوپر اختیار حاصل تھا نہ سوسائٹی پر۔ ان کو آزاد تمدنی زندگی بھی نہ حاصل تھی، جس کو وہ شریعت الٰہی کے ذریعہ منظم کرتے —— یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قوانین و احکام نہیں اتارے۔ بس عقیدہ اتارا، اور وہ نظام اخلاق اتارا جو خود اسی عقیدے سے پھوٹتا ہے۔ جب وہ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ لیتا ہے۔ پھر جب مدینہ میں انھیں با اقتدار حکومت حاصل ہو گئی تو احکام اترے، اور وہ نظام آیا جو مسلم معاشرے کی عملی ضروریات سے براہ راست بحث کرتا ہے۔ نیز حکومت اسے اپنے محکم اقتدار کے بل پر نافذ کرنے کی ضامن ہوتی ہے۔

خدا کی مشیت یہ نہ ہوئی کہ مکہ ہی میں اُن پر پورا نظام اتار دے کہ وہ پہلے ہی سے ڈھلا ڈھلایا تیار رہے، اور مدینہ میں حکومت قائم ہوتے ہی اس کا نفاذ ہو جائے کیونکہ یہ اس دین کے مزاج کے بالکل خلاف تھا۔ یہ دین اس سے کہیں زیادہ سنجیدہ اور حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔ اس کا یہ طریقہ نہیں کہ

Marfat.com

کہ پہلے فرضی دشواریوں کا ایک پہاڑ کھڑا کرلے پھر ان کے فرضی حل تلاش کرے۔ وہ تو عملاً درپیش واقعات کا سامنا کرتا ہے۔ ایک ایسے مسلم معاشرے کے واقعات و مسائل کا سامنا کرتا ہے جو شریعت الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرچکا ہو۔ اور اس کے علاوہ ساری شریعتوں سے بالکلیہ دست بردار ہو۔ وہ واقعات سے بحث کرتے ہوئے معاشرے کے خدوخال، نشیب و فراز اور اندرونی حالات کو سامنے رکھتا ہے تاکہ اسی لحاظ سے وہ احکام و قوانین صادر کرے۔ آج جو لوگ اسلام کی طرف سے اس بات کے آرزومند ہیں کہ وہ نظریات کا پورا خاکہ تیار کرکے رکھ دے، نظام کا پورا ڈھانچہ بنا کر پیش کردے اور سارے قوانین زندگی کا نقشہ مرتب کرکے دے دے۔ جب کہ اس وقت روئے زمین پر کسی ایسے معاشرے کا وجود نہیں۔ جس نے عملاً شریعت الٰہی کو اپنا حاکم تسلیم کرلیا ہو، اور بقیہ ساری شریعتوں سے بے تعلق و بیزار ہو، پھر اس کو وہ اقتدار بھی حاصل ہو جو اس راہ کی ساری چٹانوں کو پاش پاش کر دے۔ جو لوگ اسلام سے اس بات کی توقع اور آرزو رکھتے ہیں وہ اس دین کے مزاج سے ہی ناآشنا ہیں۔ وہ اس بات سے ناآشنا ہیں کہ خُدا کے ارادہ و مشیت کے مطابق یہ دین میدانِ زندگی میں کس طرح برسرِ عمل ہوتا ہے۔

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مزاج، اپنے اصول اور اپنی تاریخ کو یکسر بدل ڈالے۔ تاکہ وہ انسانی اصولوں اور انسانی نظریات کی صف میں کھڑا ہو سکے۔ ان کی کوشش ہے کہ وہ اسے جلد از جلد اصل شاہراہ سے کنارے ڈال دیں، تاکہ وہ ان کی خواہشوں سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اُن خواہشوں سے جو فروتر انسانی نظریات کے مقابلے میں ذہنی مرعوبیت اور روحانی شکست کا نتیجہ ہیں ـــــ ان کی آرزو ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایسے نظریات و مفروضات کے قالب میں ڈھال لے جن کا عملاً کوئی مستقبل ہی نہیں ہوتا ـــــ لیکن شدت

الٰہی کا تقاضا ہے کہ یہ دین اس کی مرضی کے تابع رہے ایک ایسے عقیدہ کی شکل میں رہے جو دل کو اپنی تجلیوں سے معمور کر دے، اور ضمیر کو اپنے آگے سرنگوں کر لے، کہ لوگ بس خدا کے آگے جھکیں۔ شرائع و احکام صرف اسی سے لیں۔ اور کسی دوسرے کی طرف رُخ بھی نہ کریں! اور جب اس عقیدے کو ماننے والے افراد پیدا ہو جائیں، اور معاشرے میں انھیں عملاً اقتدار بھی حاصل ہو جائے، تو ان کی واقعی ضروریات کی تکمیل اور عملی زندگی کی تنظیم کے لیے تشریعی قوانین دیے جائیں۔

یہ ہے وہ بات جو خدا چاہتا ہے —— اور ہوگا وہی جو خدا چاہتا ہے، خواہ لوگوں کے کیسے ہی جذبات ہوں!

دعوتِ اسلامی کے علمبرداروں کو یہ بات بھی اچھی طرح سے سمجھ لینی چاہیے کہ وہ جب لوگوں کو یہ دین دوبارہ قائم کرنے کی دعوت دیں تو ضروری ہوگا کہ سب سے پہلے انھیں اسی عقیدے کی دعوت دیں —— خواہ وہ لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہوں، اور حکومت کے رجسٹروں میں ان کا اندراج مسلمانوں ہی نام سے ہو! —— ضروری ہوگا کہ وہ انھیں بتلائیں کہ اسلام نام ہے سب سے پہلے عقیدہ "لا الٰہ الا اللہ" کو اس کے حقیقی مفہوم کے ساتھ تسلیم کرنے کا اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ وہ سارے معاملات میں حاکم صرف خدا کو مانیں اور جو لوگ اپنے لیے حاکمیت کا دعویٰ کر کے خدا کی خدائی کو چیلنج کرتے ہیں ان کو بُری طرح ٹھکرا دیں۔ اس عقیدے کا اقرار جہاں وہ دلوں میں کریں اور عبادات سے اس کا ثبوت دیں، وہیں ان کی سرگرمیوں اور ساری کاوشوں میں بھی اسی کا جلوہ ہو۔

اسی چیز کو دعوتِ اسلامی کی بنیاد ہونا چاہیے، پہلی بار یہی دعوت اسلام کی بنیاد تھی۔ یہی دعوت تھی جس کے فرائض کامل تیرہ برس تک مکّی قرآن سرانجام دیتا رہا۔ تو جب اس دین میں اس کے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے انسانوں

کا ایک گروہ داخل ہو جائے ——— تو یہی وہ گروہ ہوگا جسے ہم "اسلامی معاشرہ" کہہ سکیں گے ——— وہ معاشرہ جو اپنی اجتماعی زندگی میں نظامِ اسلامی پر قائم رہ سکے گا! کیونکہ وہ اپنے طور پر یہ فیصلہ کر چکا ہوگا کہ اس کی پوری زندگی اسی اساس پر قائم ہوگی۔ اس کے کسی بھی شعبۂ حیات میں خدا کے علاوہ کسی اور کی حکمرانی نہ ہوگی۔

اور جب عملاً یہ معاشرہ وجود میں آجائے گا تو اس وقت اس کے سامنے نظامِ اسلامی کی بنیادیں پیش کرنے کا آغاز ہوگا اور خود یہ معاشرہ بھی انھی بنیادوں کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ تشریعی قوانین جاری کرنے لگے گا جن کی اس کو عملی زندگی میں ضرورت ہوگی ——— یہی صحیح ترتیب ہے۔ سنجیدہ عملی اور حقیقت پسند نظامِ اسلامی کے آگے بڑھنے کی۔

کچھ عجلت پسند طبیعتیں، جن کے خلوص و نیک نفسی میں کوئی شبہ نہیں، چونکہ وہ اس دین کے مزاج پر غور نہیں کرتیں یہ دین جو خدائے علیم و حکیم کی بے پایاں علم و حکمت، انسانی طبیعتوں سے گہری واقفیت اور زندگی کی ضرورتوں سے مکمل آگہی پر مبنی ہے اس کے بہترین خدائی طریق کار کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ اس لیے انھیں خیال ہوتا ہے کہ نظامِ اسلامی کی بنیادیں بلکہ سارے ہی اسلامی قوانین اگر یک لخت پیش کر دیے جائیں تو راہِ دعوت کی دشواریاں دور ہو جائیں گی ان بہترین قوانین کو پا کر لوگوں میں اس دین سے شیفتگی پیدا ہو جائے گی!

لیکن یہ محض ایک خیال ہے یہ ایک خام خیالی ہے، جو عجلت پسندی کا نتیجہ ہے! یہ ایک واہمہ ہے جسے حقیقت پسندی سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے بارے میں کہے کہ اگر یہ دعوت قومی یا اخلاقی یا اجتماعی بنیادوں پر اٹھتی تو بآسانی اپنی منزلیں طے کر لیتی، راستہ کی ساری زحمتوں سے نجات پا جاتی!

ناگزیر ہے کہ پہلے دلوں میں اخلاص پیدا ہو، لوگ صرف خدا کی عبودیت و بندگی کا اعلان کریں۔ وہ اصولی طور پر شریعت سازی کا حق صرف خدا کے لیے تسلیم کریں۔

بقیہ ساری شریعتوں اور تمام قوانین سے یکسر دستکش ہو جائیں۔ وہ اس کا انتظار نہ کریں کہ ان کے سامنے تفصیلی شریعت آئے، جو ان کے دلوں کو دین کی طرف راغب کرے! ناگزیر ہے کہ نظامِ الٰہی سے رغبت خدائے تعالیٰ کے لیے مکمل حوالگی و سپردگی اور دوسری ساری طاقتوں سے کامل آزادی کے نتیجہ میں ظہور میں آئے۔ نہ کہ اس لیے کہ پیش کیا جانے والا نظام فی نفسہ ان کے اپنے آزمودہ نظاموں کے مقابلے میں فلاں فلاں پہلوؤں سے بہتر ہے۔

اس میں شک نہیں کہ نظامِ الٰہی فی نفسہٖ بہتر اور موجب خیر و برکت ہے، کیونکہ وہ خدا کا بنایا ہوا ہے —— اور بندوں کا بنایا ہوا قیامت تک خدا کے بنائے ہوئے جیسا نہیں ہو سکتا —— لیکن یہ دعوت کی بنیاد نہیں۔ دعوت کی بنیاد ہے صرف حکمِ الٰہی کو ماننا، خواہ وہ کوئی بھی ہو، اور دوسرے تمام قوانین و احکام کو مسترد کر دینا، خواہ وہ کیسے ہی ہوں۔ اسی کا نام ہے **اسلام**۔ اسلام کا اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم نہیں۔ تو جو شخص ابتدا ہی میں اسلام کی طرف راغب ہو گیا اُس نے گویا دو ٹوک فیصلہ کر لیا۔ اور اب اس کو اس کی حاجت نہیں رہی کہ نظامِ اسلامی کی خوبیوں اور رعنائیوں کے ذریعہ اسے راغب کیا جائے —— یہ ایک انتہائی روشن اور واضح ترین حقیقت ہے جو کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں۔

اب یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ تیرہ سال کے عرصہ میں مکی قرآن نے مسئلہ عقیدہ کی مہم کس طرح سر کی —— اُس نے عقیدے کو "نظریہ" کی شکل میں پیش کیا، نہ "الٰہیات" کی شکل میں، اور نہ کلامی بحثوں ہی کی صورت میں، جیسا کہ عقائد اور علمِ کلام کی کتابوں میں نظر آتا ہے۔

یاد رہے! قرآن کریم انسان کو قدرت الٰہی کے ان کرشموں کی طرف متوجہ کرتا، جو اس کے گرد و پیش کی دنیا اور خود اس کے اپنے ذاتی وجود کے افق پر نظر آتے ہیں۔ وہ بتاتا کہ آسمان و زمین اور ان کے مابین نیز انسان کی اپنی ذات کے اندر عجائب قدرت و خلقت کی کیسی کیسی عظیم الشان نشانیاں ہیں، جن سے

Marfat.com

خدا کی توحید اور اس کی پروردگاری کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ انسانی فطرت کے جمود و تعطل کو دور کرتا، غلط تصورات و عقائد کے شکنجوں سے اسے آزاد کرتا، انسان کے اندر آگے بڑھنے کی جو فطری صلاحتیں ودیعت ہیں، ان کو صیقل کرتا، وہ اس زنگ کو کھرچتا جس نے ان کی صلاحتیں کند کر دی تھیں، اور فطرت کے بند دریچے کھولتا، تاکہ وہ مؤثر دلائل و حقائق سے اثر پذیر ہو، اور پوری بے تابیٔ شوق کے ساتھ ان کا خیر مقدم کرے۔

یہ تو اس کا عام انداز تھا ـــــ ورنہ اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ عقیدے کی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے زندگی کے عملی میدان میں قدم رکھتا۔ وہ زندگی کی گرما گرم واقعاتی رزم گاہ میں اترتا، اور فطرت کو معطل کر دینے والے جمود سے برسر جنگ ہوتا۔ وہ موجودہ ذہنوں کو پوری قوت سے جھنجھوڑتا، اور غلط تصورات و عقائد کی "بھول بھلیاں" سے نکال کر انھیں باہر لاتا۔ یہیں سے یہ بات خود بخود بے نقاب ہو جاتی ہے کہ "نظریہ" کا ڈھانچہ اس عقیدے سے دور کی بھی مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ عملی زندگی میں واقعتہً پیش آنے والی مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرتا ہے، نظریہ کی طرح محض لفظی اور کاغذی رکاوٹوں سے ہی مقابلے پر اکتفا نہیں کرتا۔ اسی طرح عقلی مجادلہ یا ذہنی جنگ ـــــ جس کی بنیاد اس منطق پر ہے۔ جو بعد کے ادوار میں علم کلام کی بنیاد رہی ہے ـــــ اس سے ذرا بھی مناسبت نہیں رکھتی تھی۔ کیونکہ قرآن محض ذہنی معرکہ آرائیوں پر ہی بس نہ کرتا، بلکہ وہ پورے انسانی معاشرے کو سامنے رکھتا۔ وہ عملی طور پر پیش آنے والے سارے مسائل سے بحث کرتا، اور سارے انسانوں کو انہی علائق زندگی کے منجدھار میں خطاب کرتا۔ اسی طرح "الہیات" کا مزاج بھی اس سے قطعاً مناسبت نہیں رکھتا تھا، کیونکہ عقیدۂ اسلامی، گرچہ ایک عقیدہ ہے۔ مگر وہ عملی زندگی کے مسائل سے بحث کرتا ہے۔ "نظریہ" اور "الہیات" کی طرح محض تخیلات و مفروضات کے غبارے نہیں اڑاتا۔

قرآن جس وقت مسلم جماعت کے دلوں میں عقیدے کی تعمیر کر رہا تھا، وہ اس

مسلم جماعت کے ساتھ گردوپیش کی جاہلیت سے زوروں کی جنگ بھی لڑ رہا تھا۔ اسی طرح خود اس مسلم جماعت کے ضمیر و اخلاق اور اس کے اپنے معاشرے میں جاگزیں جاہلیت سے بھی وہ جنگ و پیکار میں مصروف تھا ـــــ یہی وجہ ہے کہ عقیدے کی تعمیر "نظریہ" کی شکل میں ہوئی۔ نہ "الٰہیات" کی شکل میں اور نہ "کلامی بحثوں" ہی کی شکل میں۔

ـــــ بلکہ ایک منظم اور زندگی سے بھرپور تحریک اور مسائل زندگی سے بحث کرنے والی تنظیم کی صورت میں ہوئی۔ چنانچہ مسلم جماعت نے اعتقادی تصورات کے لحاظ سے جو منزلیں طے کیں، ان کے مطابق اس نے جو عملی سرگرمیاں اختیار کیں اور پھر جاہلیت سے جو منظم کشمکش برپا کی، یہ سب عقیدے ہی کی نشوونما کا زندہ نمونہ یا اس کی عملی تفسیر تھی۔ اور غور کیا جائے تو یہ اسلام کا وہ اصول ہے جو اس کے مزاج کی نمائندگی کرتا ہے۔

کارکنانِ دعوتِ اسلامی کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ اس دین کے مزاج اور تحریک کے سلسلہ میں اس کے ان اصولوں سے پوری طرح آگاہ رہیں تاکہ انھیں یہ معلوم رہے کہ تعمیرِ عقیدہ کا مرحلہ جو مکی دور میں اتنا دراز ہوگیا، وہ تحریکِ اسلامی کی عملی تشکیل اور مسلم جماعت کی واقعی تعمیر سے غافل نہ تھا، وہ "نظریہ" سے آگہی اور اس پر ریسرچ کا مرحلہ نہ تھا۔ بلکہ بیک وقت عقیدہ، جماعت، تحریک اور عملی زندگی کی اساسی تعمیر کا مرحلہ تھا ـــــ اور جب بھی کبھی دوبارہ یہ تعمیر کرنی ہو تو ضروری ہے کہ بالکل اسی انداز پر ہو۔

تعمیرِ عقیدہ کا مرحلہ اسی طرح دراز ہونا چاہیئے۔ اور یہ تعمیر بہت ہی صبر و سکون اور غور و تامل سے ہونی چاہیئے کہ اس میں گہرائی بھی ہو اور جماؤ بھی ـــــ پھر اس مرحلے میں عقیدہ فکری ریسرچ کا موضوع نہ بنے بلکہ واقعات کی دنیا میں ایک زندہ و تابندہ حقیقت بن کر نظر آنے لگے۔ افراد کے دل اس کی تجلیوں سے معمور اور زندگیاں اس کی فیض بخشیوں کی صحیح آئینہ دار ہوں۔

Marfat.com

اس کی تیار کی ہوئی اجتماعی تنظیم درحقیقت عقیدے ہی کا محسوس پیکر اور اس کے نشو و ارتقا کا کامل مظہر ہو۔ اور اس کے ہاتھوں جو تحریک وجود میں آئے، وہ لشکرِ باطل کے لیے تیغ براں اور خرمنِ جاہلیت کے لیے برقِ سوزاں ہو۔ پھر یہ جنگ جہاں ذہن و دماغ میں لڑی جائے وہیں بیرونی دُنیا میں بھی لڑی جائے تاکہ عقیدے کو ایک زندہ پیکر نصیب ہو سکے اور وہ معرکہ کی شورشوں میں صحت مند پرورش پا سکے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بڑی ہی فاش غلطی ہے کہ عقیدہ محض ایک "نظریہ" کی شکل میں سامنے آئے، جو صرف ذہنی ریسرچ یا ثقافتی اطلاع و واقفیت کی چیز ہو۔ پھر یہ ایک فاش غلطی ہی نہیں، انتہائی عظیم خطرہ بھی ہے

عقیدے کی تعمیر میں قرآن نے کامل تیرہ سال اس لیے نہیں لگا دیے کہ وہ پہلے پہل نازل ہو رہا تھا ــــــ یہ بات ہرگز نہ تھی! اگر خدا چاہتا تو پورا قرآن یکبارگی نازل کر دیتا پھر مسلمانوں کو چھوڑ دیتا کہ وہ تیرہ سال یا اس سے کم یا زائد مدت تک اسے پڑھتے پڑھاتے رہیں، یہاں تک کہ پورے "نظریہ اسلامی" پہ حاوی ہو جائیں، اگر خدا ایسا کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا اس کے لیے یہ کچھ مشکل نہ تھا۔

مگر اسے کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ ایک خاص اور بالکل ہی نیا طرز اختیار کرنا چاہتا تھا، وہ بیک وقت ایک جماعت، ایک تحریک اور ایک عقیدے کی تشکیل کرنا چاہتا تھا ــــــ وہ چاہتا تھا کہ جماعت اور تحریک کا سرچشمہ عقیدہ ہو، اور عقیدے کا استحکام جماعت اور تحریک سے وابستہ ہو۔ جماعت میں حرکت و سرگرمی عقیدے ہی کی راہ سے ہو اور یہی حرکت و گرمی عقیدہ کا عملی ظہور ہو۔ اور وہ جانتا تھا کہ اشخاص و جماعت کی تعمیر ایک دن رات کا کام نہیں، لہٰذا ناگزیر تھا کہ عقیدے کی تعمیر میں اتنی ہی مدت صرف ہو جتنی اشخاص و جماعت کی تعمیر کے لیے درکار ہے۔ یہاں تک کہ جب عقیدے میں پختگی

Marfat.com

آجائے تو جماعت ہی اس پختگی کا عملی اور حقیقی مظہر ہو۔

یہ ہے اس دین کا مزاج — جیسا کہ قرآن کی کے انداز سے صاف واضح ہے — ناگزیر ہے کہ ہمیں اس کے اس مزاج کا صحیح شعور ہو، اور ہم اپنی ان خواہشات کے پیچھے جو محض عاجلہ پسندی اور انسانی نظریات کے مقابلہ میں احساس شکست کا نتیجہ ہیں، اس کے اس مزاج کو بدلنے کی سعی نہ کریں، کیونکہ اسی مزاج کی بدولت اس نے پہلی بار اُمّتِ مسلمہ کو وجود بخشا تھا۔ اور اب بھی کبھی اس انداز کی اُمّتِ مسلمہ دوبارہ منصۂ شہود پر لانے کی کوشش کی جائے گی تو دین کے اسی مزاج کی رعایت کرنی ہوگی۔

زندہ و تابندہ عقیدۂ اسلامی جو فطری طور پر ایک زندہ و متحرک اور نمو پذیر معاشرے اور ایک فعال و پرجوش اور منظم تحریک کی صورت میں بساط کائنات پر جلوہ افروز ہونا چاہتا ہے، اگر اس کو محض ایک نظریہ کی شکل میں پیش کیا جائے، تاکہ روئے انسانی نظریات کے بالمقابل وہ بھی کھڑا ہو سکے، اور ان کی طرح ذہنی ریسرچ یا ثقافتی اطلاع و واقفیت کا وسیلہ بن سکے، تو یہ کس قدر غلط اور خطرناک اقدام ہوگا، اس کا ہمیں احساس ہونا چاہئے۔

عقیدۂ اسلامی چاہتا ہے کہ کچھ زندہ و متحرک افراد اس کی چلتی پھرتی تصویر ہوں، اور پھر وہ ایک عملی تنظیم یا ایک ایسی تحریک کی شکل میں منظرِ عام پر آئے جو اپنے گرد و پیش کی جاہلیت سے برسرِ پیکار ہو ساتھ ہی وہ خود اپنے افراد کے اندر سرایت کیے ہوئے جاہلی اثرات سے بھی برسرِ جنگ ہو۔ کیونکہ جب تک ان کے دل عقیدے کی ضیا پاشی سے محروم، اور جاہلی ماحول کی مسموم فضاؤں سے مانوس تھے، اس وقت تک تو وہ جاہلیت ہی کے علمبردار تھے۔ اور اس صورت میں عقیدہ نظریہ کی بہ نسبت قلب و دماغ — اور خود زندگی — کے زیادہ وسیع دائرے پر حاوی ہوگا۔ اس کے دائرے میں نظریہ اور اس کے اصول تو داخل ہوں گے، لیکن یہی اس کے دائرے کی آخری حد نہ ہوگی۔

Marfat.com

اُلوہیت، کائنات، زندگی اور انسان کے سلسلہ میں اسلامی تصور انتہائی مکمل اور جامع تصور ہے، لیکن ساتھ ہی وہ ایک حقیقت پسند اور ایجابی تصور ہے۔ اس کو طبعی طور پر یہ بات انتہائی ناگوار ہے کہ وہ محض ذہنی اور علمی تصور کا ایک تجریدی ڈھانچہ بن کر رہ جائے کیونکہ یہ بات اس کی غایت اور اس کے مزاج کے ہی خلاف ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ افراد حقیقی معنوں میں اس کی عملی تصویر ہوں اور اس طرح وہ ایک زندہ تنظیم اور ایک عملی تحریک کی شکل میں نمودار ہو۔ نشو و ارتقاء کے سلسلہ میں اس کا اصول یہی ہے وہ متحرک افراد زندہ تنظیم اور انتہائی فعال تحریک کی آغوش میں پرورش پانا چاہتا ہے، تاکہ عین اس وقت جبکہ وہ نظری طور پر درجۂ کمال کو پہنچے، عملی طور پر بھی کمال کی سرحدیں چھُو رہا ہو، اور خالص "نظریہ" کی شکل میں نہ رہے، بلکہ ایک زندہ "وجود" کی شکل میں نمودار ہو۔

ہر وہ نظری ارتقاء جس کے ساتھ ساتھ عملی اور تحریکی ارتقاء نہ ہو وہ غلط ہے اور ساتھ ہی ایک عظیم خطرہ بھی ہے۔ اس دین کے مزاج، اس کی غایت اور اس کی داخلی تنظیم کے اصولوں سے یہی بات مترشح ہوتی ہے۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (سورہ الاسرا ۱۰۶)	اور قرآن کو ہم نے حصّے حصّے کر کے اتارا تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر اسے لوگوں کے سامنے پڑھو، اور اسے ہم نے انتہائی بہتر انداز سے اتارا ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن پاک کو حصّے حصّے کر کے اتارنا بھی پیشِ نظر تھا، اور اسے ٹھہر ٹھہر کر پیش کرنا بھی مطلوب تھا، کہ عقیدے کی اینٹوں سے تیار ہونے والی یہ عمارت ایک "زندہ و فعال تنظیم" کی شکل میں تیار ہو، نہ کہ محض ایک "نظریہ" کی صورت میں!

اس دین کے علمبرداروں کو اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ جہاں وہ ایک

Marfat.com

خدائی دین اور خدائی نظام ہے، وہیں اس کا طریقِ کار بھی خدائی طریقِ کار ہے۔ اور وہ اپنے مزاج سے کبھی الگ نہیں ہو سکتا۔ اس دین کو کبھی اس کے طریقِ کار سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح یہ جان بھی ضروری ہے کہ یہ دین جس طرح فاسد تصورات و عقائد اور پھر معاشرے کو بدلنے آیا ہے اسی طرح وہ ان اصولوں کو بھی بدلنے آیا ہے جن سے عقائد و تصورات کی تعمیر ہوتی اور پھر نتیجۃً معاشرے میں تبدیلی آتی ہے ـــــ وہ آیا ہے تاکہ بیک وقت عقیدہ اور اُمّت دونوں کی تعمیر کرے، اور اسی لحاظ سے ایک خاص طرزِ فکر کی بنا ڈالے۔ اس کے خاص طرزِ فکر، خاص نظام اعتقاد (آئیڈیالوجی) مخصوص تعمیر معاشرہ میں کوئی فرق نہیں کہ یہ سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ۔ ایک ہی پھول کی پنکھڑیاں اور ایک ہی شجر کی ڈالیاں ہیں۔

ہم نے جس انداز سے ابھی وضاحت کی ہے، اس انداز سے اس دین کے طریقِ کار کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ یہی اس کا اصل طریقِ کار ہے۔ گویا ایسا نہیں کہ یہ طریقِ کار کسی خاص مرحلے، یا خاص ماحول یا مخصوص حالات سے تعلق رکھتا ہو۔ اس پہلے گروہ مسلم کی تشکیل کے وقت جو حالات تھے، ان کے ساتھ کوئی خصوصیت رکھتا ہو۔ بلکہ یہ طریقِ کار ابدی اور دائمی ہے۔ زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ یہ وہ طریقِ کار ہے جسے اپنائے بغیر کسی بھی دور میں اس دین کا تاج محل نہیں تعمیر ہو سکتا۔

اسلام کا کام صرف یہی نہ تھا کہ وہ انسانوں کے عقائد اور ان کی معاشرت کو بدل دے۔ اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ لوگوں کے طرزِ فکر پر بھی اپنی چھاپ ڈالے اور اعتقاد و معاشرت کے سلسلہ میں ان کے نقطۂ نظر کو بدل کر رکھ دے۔ کیونکہ وہ خدائی طریقِ کار ہے جو اپنے مزاج میں بودے اور نیم جاں انسانی نظریات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ دور کی بھی مناسبت نہیں رکھتا۔

یاد رہے! خدائی تصور اور خدائی طرزِ زندگی تک ہماری رسائی ممکن نہیں جب

یہ کہ ہم خدائی طرزِ فکر نہ اپنائیں، وہ طرزِ فکر کو خدائے تعالیٰ انسانی طرزِ فکر کی بنیاد بنانا چاہتا ہے تاکہ ہمارے تصور و اعتقاد، اور معاشرتی تعمیر میں کسی بھی قسم کا فتور یا ناہمواری راہ نہ پا سکے۔

جس وقت ہمارے اندر یہ ہوک اٹھتی ہے کہ ہم اسلام کو ایک "نظریہ" بنا کر پیش کریں جو تحقیق و ریسرچ کا موضوع بن سکے۔ اس وقت ہم الٰہی طرزِ تشکیل اور خدائی اندازِ فکر سے اس کا رشتہ کاٹ کر انسانی طرز ہائے فکر کے سامنے اسے سرنگوں کر دیتے ہیں! گویا خدائی طریقہ انسانی طریقوں سے کمتر اور حقیر ہے! اور گویا ہم تصورات اور تحریک کے سلسلہ میں خدائی نظام کو اونچا اٹھا کر انسانی نظاموں کے بالمقابل کھڑا کرنا چاہتے ہیں!

اس پہلو سے یہ بات کتنی خطرناک اور یہ مرعوبیت کس قدر مہلک ہے! نظامِ الٰہی ہم تحریکِ اسلامی کے علمبرداروں کو ایک خاص طرزِ فکر عطا کرتا ہے تاکہ ہم ان جاہلی طرز ہائے فکر کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں، جن کی آج ساری زمین پر حکمرانی ہے، ہماری عقلیں جن سے بری طرح مرعوب ہیں، جن کے جراثیم سے ہماری تہذیب تک محفوظ نہیں — اب اگر ہم اس دین کو ایک ایسے طرزِ فکر کی رہنمائی میں اپنانے لگیں جو وقت کے حکمراں جاہلی طرز ہائے فکر سے ماخوذ اور خود اس دین کے مزاج کے لیے بالکل ہی نامانوس ہو تو گویا ہم اس دین کا وہ مقصد ہی فوت کر دیں گے جس سے وہ انسانیت کو ہمکنار کرنے آیا تھا۔ ساتھ ہی ہم اس دور کے سربرآوردہ جاہلی نظاموں کے دباؤ سے اپنے کو آزاد بھی نہ کر سکیں گے اور ذہن و دماغ اور قلب و روح کی گہرائیوں میں اترے ہوئے جاہلی اثرات سے گلوخلاصی حاصل کرنے کا یہ سنہری موقع کھو بیٹھیں گے۔

اس پہلو سے بھی یہ بات کتنی خطرناک اور یہ خسارہ کس درجہ مہلک ہے!

بلاشبہ قصرِ اسلام کی تعمیر میں خدائی طرزِ فکر اور خدائی طریقِ کار کو بالکل وہی اہمیت حاصل ہے جو خود عقیدہ اور نظامِ زندگی کو حاصل ہے۔ دونوں ایک دوسرے

سے جدا نہیں ہو سکتے۔ اب اگر ہمارے اندر یہ خواہش ابھرتی ہے کہ اس تصور اور اس نظام کو لوگوں کے سامنے مجرد علمی بحثوں کے انداز میں پیش کریں تو ہم سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہنی چاہیئے کہ اس سے "اسلام" زمین پر ایک عملی تحریک کی شکل میں قائم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ حقیقت بھی ہم سے اوجھل نہیں رہنی چاہیئے کہ اس صورت میں اسلام کو پیش کرنے سے بس وہی لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے جو عملاً تحریک اسلامی سے وابستہ ہوں گے اور وہ فائدہ بھی بس اتنا ہو گا کہ عملاً تحریک سے وابستہ وہ گروہ جس حد تک آگے بڑھ چکے ہیں، بس اسی حد تک وہ اس سے اپنی عملی زندگی میں کچھ رہنمائی حاصل کر سکیں گے۔

میں دوبارہ کہتا ہوں یہ بات انتہائی ناگزیر ہے کہ تصور و اعتقاد فوراً بغیر کسی تاخیر کے ایک تحریک کی شکل اختیار کریں۔ ساتھ ہی وہ تحریک عقیدے کی صحیح نمایندہ اور اس کی سچی تصویر ہو۔

میں پھر کہتا ہوں کہ خدا کے پسندیدہ دین اسلام کا یہی فطری انداز ہے اور یہی انداز زیادہ بلند، زیادہ درست، زیادہ موثر اور انسانی فطرت سے زیادہ ہم آہنگ ہے، اس کے برعکس یہ انداز انتہائی غلط اور بالکل ہی خلافِ فطرت ہو گا کہ ابتداء ہی میں تمام نظریات مرتب کر کے لوگوں کے سامنے خشک علمی انداز میں پیش کر دیئے جائیں، اور اس کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ بالفعل کسی عملی تحریک سے وابستہ ہو کر خود ان کی زندہ تصویر بنیں۔ اور ان کی نمایندگی کے لیے ایک ایک قدم آگے بڑھیں۔ پھر یہ انداز نہ صرف غلط اور خلاف فطرت ہو گا، بلکہ قطعاً بے سود اور باعث صد مضرت ہو گا۔

جب یہ بات اصل نظریۂ اسلامی کے سلسلے میں صحیح ہے جو نظام تصورِ اسلامی کا آئینہ دار ہے، اس نظام کی بنیادیں یا اس کے تفصیلی احکام پیش کرنے کے سلسلہ میں بدرجۂ اولیٰ صحیح ہو گی۔

ہمارے گرد و پیش کی جاہلیت جس طرح دعوتِ اسلامی کے بعض مخلص کارکنوں

Marfat.com

کے اعصاب پر کبھی اثر انداز ہوتی ہے اور وہ دعوت اسلامی کے درمیانی مراحل کو پھلانگ کر آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں اسی طرح وہ کبھی انھیں تنگ کرنے پر اتر آتی ہے اور ان سے پوچھتی ہے کہاں ہیں اس نظام کی تفصیلات جس کی تم دعوت دیتے ہو؟ کہاں ہیں وہ علوم وفنون کہاں ہیں وہ تحقیقاتی ذخیرے کہاں ہیں جدید اصولوں کی روشنی میں مرتب کیے ہوئے وہ فقہی قوانین جو تم نے اس نظام کو نافذ کرنے کے لیے فراہم کیے ہیں؟ گویا اس زمانے میں شریعتِ اسلامی کو نافذ کرنے کے لیے اگر افراد کی کمی ہے تو صرف اس وجہ سے کہ فقہی احکام اور فقہ اسلامی کے مباحث ان کے سامنے نہیں، گویا وہ حاکمیت الٰہ کے سامنے گردن تسلیم خم کر چکے ہیں، اور شریعت الٰہی کی حکمرانی پر پوری طرح رضامند اور مطمئن ہیں بکر بس اتنی ہے کہ "مجتہدین" کی طرف سے جدید اصولوں کی روشنی میں مرتب کی ہوئی فقہ ان کو نہیں مل رہی ہے!۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک انتہائی بودا اور غیر سنجیدہ مذاق ہے جس سے ہر غیور و باحمیت مسلم کو چوکنا رہنا چاہیئے!

اس طرح تنگ کرنے سے جاہلیت کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ شریعتِ الٰہی کو پسِ پشت ڈال دینے اور انسان کے لیے انسان کی غلامی باقی رکھنے کا ایک حسین حیلہ فراہم کرلے۔ اس کا مقصد ہے کہ قافلۂ حق کا ربانی طریقۂ دعوت سے رخ پھیر دے۔ ایک تحریکی شکل میں عقیدے کی تعمیر سے اسے غافل کر دے وہ کارکنانِ دعوتِ اسلامی کے دستور العمل کے اس مزاج کو بدل کر رکھ دے جس کی رو سے عقیدہ تحریک کے دریچوں سے نمودار ہوتا اور نظام کے خدوخال عمل کے آئینہ میں نظر آتے ہیں، نیز قوانین و احکام اسلامی زندگی کی حقیقی مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے بنائے جاتے ہیں۔

کارکنان دعوتِ اسلامی کا فرض ہے کہ وہ اس دامِ تزویر سے ہوشیار رہیں! وہ اس نقشۂ کار کو پوری جرأت سے ٹھکرا دیں، جو ان کے دین اور ان کی تحریک کے لیے یکسر اجنبی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ بے یقینی کے مریضوں سے

Marfat.com

متاثر نہ ہوں اور جو دشمنانِ اسلام ان کو صحیح طریقِ کار سے ہٹا دینے کے درپے ہیں، ان کی کوششوں کو بری طرح ناکام کریں! ان کا فرض ہے کہ پریشان کرنے کی ان ذلیل تدبیروں کو سرِ بازار رسوا کریں، ان کے سارے تار و پود بکھیر کر رکھ دیں۔ ایک ایسا معاشرہ جو شریعتِ الٰہی کی پابندی اور دوسری شریعتوں سے بیزاری کا اعلان نہیں کرتا، ایک ایسے معاشرے میں "قانونِ اسلامی کی تجدید" کے عنوان سے جو مذاق کا کھیل کھیلا جا رہا ہے اس کو پوری سختی سے ٹھکرا دیں۔ ان کا فرض ہے سنجیدہ و مثمر سرگرمیوں کی طرف سے غافل کر دینے والی اس اسکیم ——— فضا میں تخم ریزی اور سطحِ آب پر گل کاری کرانے کی پرفریب اسکیم ——— کو اپنے فریب بکھیرنے نہ دیں۔ اس مفسدانہ اور پُر از خیانت چال کو پیروں سے روند دیں۔

ان کا فرض ہے کہ دین نے تحریک کا جو طریقِ کار پیش کیا ہے، اس کے مطابق حرکت میں آئیں کہ اس کی قوت کا یہی ایک راز ہے۔ اور ان کی بھی قوت کا یہی سرچشمہ ہے۔ یاد رہے! اسلام میں طریقِ کار کی وہی حیثیت ہے جو "اصلِ دین" کی ان دونوں کا یہ باہمی رشتہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔ اور کوئی بھی دوسرا اجنبی طریقِ کار اسلام کی تجلی کو نہیں نکھار سکتا۔ دوسرے نقشہائے کار اپنے انسانی نظاموں کو تو برپا کر سکتے ہیں، لیکن ہمارے نظام کو برپا نہیں کر سکتے، لہٰذا ہر اسلامی تحریک میں طریقِ کار کی رعایت اتنی ہی ناگزیر ہے جتنی عقیدے اور نظام کی۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ

Marfat.com

نقوش د ۱۵
رسول نمبر

مسلم معاشرے کا قیام اور اس کی خصوصیات

رسول خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اس طویل سلسلۂ دعوت اسلامی کی آخری کڑی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی قیادت و رہنمائی میں سرانجام پاتی رہی۔
اس دعوت کے پیش نظر ایک ہی کام رہا، خواہ تاریخ انسانی کا کوئی بھی دور رہا ہو۔ وہ کام تھا انسانوں کو ان کے الٰہ واحد اور رب حقیقی سے روشناس کرانا، انھیں تنہا رب کائنات کا غلام بنانا اور مخلوقات کے پشتۂ ربوبیت کو چکنا چور کر دینا ـــــ پھر ایسا کبھی نہ ہوا کہ لوگ سرے سے چشمۂ الوہیت کے ہی منکر رہے، خدا کے وجود کے ہی قائل نہ رہے ہوں۔ تاریخ انسانی میں اس طرح کے معدودے چند ہی افراد گزرے ہیں، جن کے نظریات ان کے ساتھ ہی صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ورنہ ہوتا یہ تھا کہ انھیں اپنے رب کی حقیقت کا صحیح علم نہ ہوتا، وہ دوسرے خداؤں کو بھی اس کا شریک ٹھہرا لیتے، معبود و مسجود سمجھ کر ان کے آستانوں پر عقیدت و بندگی کے نذرانے پیش کرتے، یا ان کی آقائی و حاکمیت تسلیم کر کے بے چون و چرا ان کی اطاعت کرتے۔ اور یہ دونوں ہی باتیں یکساں طور پر شرک ہیں، جن سے انسان کا رشتہ اس دینِ الٰہی سے ٹوٹ جاتا ہے، جس کا علم رسولوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ہوتا رہا، مگر کچھ عرصہ بعد لوگ اس کا انکار کر دیتے رہے۔ اور جس جاہلیت سے نکلے ہوتے اسی جاہلیت میں پھر پلٹتے رہے۔ اور پھر شرک کی غلاظت میں آلودہ ہوتے رہے۔ خواہ یہ شرک عقیدت و بندگی کی شکل میں رہا ہو یا غیر مشروط طاعت و انقیاد کی صورت میں، یا دونوں ہی صورتوں میں۔
تاریخِ انسانی کے ہر دور میں دعوت الی اللہ کا یہی مزاج رہا ہے۔

Marfat.com

اس کا نصب العین تھا "طاعت وحواگی" بالفاظ دیگر سارے انسانوں کو بندوں کی پرستش سے نکال کر خدائے واحد کی پرستاری میں داخل کرنا بندوں کی حاکمیت، ان کی من گھڑت شریعت، اور خانہ ساز اقدار و روایات کی غلامی سے نکال کر تنہا خدا کی حاکیت، اس کی شریعت اور اس کی مقرر کردہ اقدار و روایات کا پابند بنانا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آنے والے اسلام کا یہی مقصد تھا، آپ سے پہلے دوسرے انبیائے کرام کے ذریعہ جو اسلام آیا اس کا بھی یہی مقصد تھا ـــــ وہ آیا تھا تاکہ انسانوں کو حاکیت الٰہ کے دائرے میں داخل کرے، جس طرح گردوپیش کی یہ ساری دُنیا داخل ہے اور اس طرح کائنات کا سر رشتۂ تنظیم جس طاقت کے ہاتھ میں ہے، اسی سے ان کی زندگی کی تنظیم بھی وابستہ ہو۔ وہ کسی ایسے اصول، کسی ایسی طاقت، کسی ایسے نظام کی طرف نہ پکیں، جو اس اصول، اس طاقت اور اس نظام سے متصادم ہو جس کی پوری کائنات میں عملداری ہے، نہ صرف کائنات بلکہ انسان بھی زندگی کے غیر ارادی شعبوں میں جس کا تابع و محکوم ہے۔ کیونکہ سارے انسان اپنی نشوونما، صحت وعلالت اور موت وحیات میں خُدا کے بنائے ہوئے کچھ فطری قوانین کے تابع ہیں، اسی طرح اجتماعی تگ و دو اور خود اختیاری سرگرمیوں کے ثمرات ونتائج کے سلسلہ میں بھی وہ انہی قوانین کے پابند ہیں۔ وہ اس عالم پر حکمرانی کرنے والے تکوینی قوانین کے سلسلے میں سنتِ الٰہی کو بدلنے پر قادر نہیں ہیں۔ یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ انھیں زندگی کے ارادی شعبوں میں بھی اسلام ہی کی طرف پلٹنا چاہیئے۔ اور زندگی کے سارے معاملات میں شریعتِ الٰہی کی ہی حاکیت تسلیم کرنی چاہیئے۔ تاکہ زندگی کے ارادی وغیر ارادی شعبوں میں ہم آہنگی پیدا ہوسکے۔ اور اس طرح زندگی کے ان دونوں شعبوں اور اس کائنات کے درمیان کامل توافق وہم آہنگی کی شان نمایاں ہوسکے۔

لیکن وہ جاہلیت جو زمین پر انسان کی حاکیت اور اس طرح کائنات کے ساتھ عدم توافق اور انسانی زندگی کے ارادی وغیر ارادی شعبوں میں تصادم کی بنیاد

Marfat.com

پر قائم ہوتی ہے ـــــ وہ جاہلیت جس سے ہر رسول کو واسطہ پڑا۔ ہر رسول نے دعوت اسلامی کے اسلحے سے جس کا مقابلہ کیا۔ اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی گرانے سے جس کا سر توڑا ـــــ وہ جاہلیت محض "نظریہ" کی شکل میں کبھی نہ رہی، بلکہ بااوقات اس کے پیچھے کوئی "نظریہ" ہی نہ رہا۔ وہ ہمیشہ ایک تحریکی تنظیم کی شکل میں رہی۔ ایک ایسے معاشرے کی شکل میں رہی جس کی اپنی قیادت ہوتی۔ اپنے تصورات واقدار، اپنی روایات وعادات، اور اپنے جذبات و احساسات ہوتے۔ وہ ایک منظم معاشرہ ہوتا۔ اس کے افراد میں اتحاد، یکجہتی، اتفاق وہم آہنگی اور نہایت منظم تعاون ہوتا۔ اس میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے وجود کے تحفظ، اپنے مرکز کے دفاع اور مخالف عناصر کی سرکوبی کے لیے ایک حرکت اور سرگرمی ہوتی۔

چونکہ جاہلیت مطلق "نظریہ" کی شکل میں نہیں ہوتی، بلکہ اس انداز کی ایک تحریکی تنظیم کی شکل میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اس جاہلیت کو کائنات سے بے دخل کرنے اور خُدا کے در سے پڑے ہوئے انسانوں کو پھر خُدا کے در پر اکٹھا کرنے کی کوشش محض ایک "نظریہ کی شکل میں ہو، نہ یہ درست ہے نہ کسی بھی درجہ میں سُود مند ہے۔ کیونکہ اس شکل میں وہ عملاً قائم اور ایک منظم تحریک کی شکل میں پائی جانے والی جاہلیت کی ہمسر بھی نہ ہو سکے گی، چہ جائے کہ اس سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ حالانکہ ایک بالفعل قائم وجود کو بے دخل کرنے اور ایک دوسرے وجود کو اس کی جگہ پر لانے کی جدوجہد کرتے وقت ہونا یہی چاہیے خصوصاً جبکہ وہ اپنے مزاج، اصول اور کلی وجزئی اُمور میں اس سے بنیادی طور پر اختلاف بھی رکھتا ہو، ناگزیر ہے کہ وہ نئی جدوجہد ایک منظم تحریک کی شکل میں ہو جو اپنی نظری وتنظیمی بنیادوں اور اپنے تعلقات و روابط میں اس عملاً قائم جاہلی معاشرے سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہو۔

(وہ نظری بنیاد جس پر اسلام تاریخ انسانی کے ہر دور میں قائم رہا، وہ "لا اِلٰہ اِلّا اللہ" کی گواہی ہے۔ جس کا مطلب ہے خُدا کی اُلوہیت و ربوبیت اور اقتدار

Marfat.com

وحاکمیت کے آگے اس طرح سرنگوں ہو جائے کہ ساری عقیدتوں کا مرکز اور عبادتوں کا قبلہ وہی ہو۔ اور زندگی کی عملی سرگرمیاں اسی کی طاعت میں ڈھلی ہوئی اور اسی کے پائے حاکمیت پر سجدہ ریز ہوں۔ گویا " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " کی گواہی اس وقت تک نہیں پائی جائے گی، اور شریعت کی نگاہ میں اس وقت تک اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ جب تک وہ اس مکمل شکل میں نہ ہو۔ کیونکہ اسی طرح اس کو ایک سنجیدہ اور حقیقی وجود حاصل ہو سکے گا۔ جس پر ایک کلمہ گو کے مسلم یا غیر مسلم ہونے کا فیصلہ ہوگا۔)

نظری پہلو سے اس بنیاد کو استوار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی پوری زندگی رضائے الٰہی کے تابع ہو، وہ زندگی کے کسی بھی معاملہ میں اپنے دل سے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ وہ ہر معاملے میں فیصلۂ الٰہی کی طرف رجوع کرے اور اسی کی پیروی کرے ـــــ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ فیصلۂ الٰہی وہ صرف ایک ہی سرچشمہ سے معلوم کرے اور وہ ہے خدا کا رسول۔ کلمۂ شہادت کے دوسرے جُزو " مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کی گواہی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

یہی وہ نظری بنیاد ہے جس کے اندر سے اسلام کا چہرہ نمودار ہوتا اور جس پر نظامِ اسلامی کا قیام عمل میں آتا ہے ـــــ جب زندگی کے سارے معاملات پر اس کو منطبق کیا جاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں ایک کامل دستورِ حیات وجود میں آتا ہے۔ جس سے ایک مسلم اجتماعی و انفرادی زندگی کی ساری فروعات میں روشنی حاصل کر سکتا ہے، کہ دارالاسلام کے اندر وہ کیسے رہے اور باہر اس کا کیا انداز ہو؟ مسلم معاشرے سے اس کے کیا تعلقات ہوں، اور دوسرے معاشروں سے ربط و تعلق کی کیا بنیادیں ہوں؟

لیکن اسلام ـــــ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ـــــ محض ایک "نظریہ" کی شکل میں نہیں رہ سکتا کہ جو چاہے عقیدے کے طور پر اسے اپنائے، عبادات کی شکل میں اس کا عملی مظاہرہ کرے اور پھر اس کے یہ نام لیوا عملاً جاہلی تنظیم کے کل پرزہ بنے رہیں۔ کیونکہ اس طرح اسلام عملاً برپا نہیں ہو سکتا۔ چاہے ان کی تعداد

Marfat.com

تنی ہی زیادہ ہو۔ اس لیے کہ محض نظری مسلمان جو جاہلی معاشرے کی میکانکی تنظیم کا جزو ہوں، لازمی طور پر اس معاشرے کے مقاصد و مطالبات پورے کرنے پر مجبور ہوں گے اور ضرور بالضرور ان بنیادی ضرورتوں کے لیے حرکت میں آئیں گے جو اس معاشرے کی زندگی و پایندگی کے لیے ناگزیر ہوں گی ——— خواہ ان کا یہ حرکت میں آنا برضا و رغبت ہو یا بادلِ ناخواستہ، شعوری طور پر ہو یا غیر شعوری طور پر۔ چار و ناچار انھیں اس کا دفاع کرنا ہوگا اور ان اسباب و عوامل کے قلع و قمع میں حصّہ لینا ہوگا جو اس کے وجود و بقا کے لیے خطرے کی حیثیت رکھتے ہوں گے۔ کیونکہ جاہلی مشنیری ان مقاصد کے لیے اپنے سارے ہی پرزوں کو استعمال کرے گی، خواہ انھیں یہ گوارہ ہو یا ناگوار ——— گویا یہ " نظری مسلمان " عملاً اس جاہلی معاشرے کی تقویت و استحکام میں ممِد و معاون ثابت ہوں گے، جسے نظری طور پر وہ مٹا دینے کا عزم رکھتے ہوں گے۔ جاہلیت کے جسم میں وہ گویا ایسے زندہ خلیے ہوں گے جو اس میں حیات و بقا کی لہریں دوڑا رہے ہوں گے! اور اپنی صلاحیتوں، توانائیوں اور تجربات سے اسے پوری طرح کمک پہنچا رہے ہوں گے کہ وہ خوب قوت سے بھرپور ہو جائے، ہمیشہ زندہ و پایندہ رہے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان کی ساری قوتیں اور تمام تر سرگرمیاں جاہلی معاشرے کو منہدم کرنے اور اسلامی معاشرے کو قائم و مستحکم کرنے کے لیے وقف ہوتیں!

اس طرح یہ بات ناگزیر ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نظری بنیاد (یعنی عقیدہ) پہلی ہی فرصت میں ایک منظم تحریک کی شکل میں نمودار ہو ناگزیر ہے کہ تحریکِ جاہلیت سے الگ ایک منظم تحریک وجود میں آئے، جو اس تحریک جاہلیت سے یکسر مختلف اور بالکل ممتاز ہو جسے اسلام کلی طور پر ناپید کر دینے کا عزم رکھتا ہے اور اس جدید تنظیم کا محور وہ نئی قیادت ہو جس کی سب سے زیادہ حسین و جمیل اور کامل تجلّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلآویز پیکر میں ظاہر ہوئی، اور پھر آپؐ کے بعد کی ہر وہ اسلامی قیادت اس کا محور ہوگی جو

Marfat.com

انسانوں کو صرف خدا کی الوہیت و ربوبیت، اس کے اقتدار و حاکمیت اور اس کی شریعت کی طرف لوٹانے کا عزم رکھتی ہو۔ نیز ضروری ہے کہ ہر وہ فرد جو خدا کی الوہیت اور محمدؐ کی رسالت کی شہادت دیتا ہو، وہ منظم تحریک جاہلیت سے، جس سے نکل کر وہ آیا ہے، اپنا رشتۂ اخوت منقطع کر لے اور اس تحریک کی قیادت سے بالکل بے تعلق ہو، خواہ یہ قیادت مذہبی انداز کی ہو جیسے کاہنوں، جادوگروں، جوتشیوں اور پروہتوں کی قیادت، یا سیاسی، اجتماعی اور معاشی قیادت ہو۔ جو قریش کو حاصل تھی، مختصر یہ کہ اس کے اخلاص و محبّت اور تعاون کا دائرہ صرف جدید تحریکِ اسلامی اور اس کی مسلم قیادت تک ہی محدود ہو۔

ضروری ہے کہ مسلمان حلقہ بگوشِ اسلام ہونے اور " لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ " کی شہادت دینے کے بعد پہلی فرصت میں ایسا کر ڈالے۔ کیونکہ مسلم معاشرے کا صحیح معنوں میں وجود اس کے بغیر ممکن نہیں۔ محض قلب و ذہن کے طاقوں میں عقیدے کو سجا لینے سے مسلم معاشرہ نہیں قائم ہو سکتا، خواہ تعداد و شمار کے لحاظ سے وہ افراد ایک ایسی میکانکی تنظیم کی شکل میں نہ ہوں، جو باہمی اخلاص و تعاون کا نمونہ ہو، جس کا ایک مستقل اور جداگانہ تشخص ہو، جس کے اراکین ایک زندہ متحرک اور منظم ٹیم کی مانند اس کے پیر جمانے اور گہرائیوں میں اس کی جڑیں استوار کرنے کے لیے کوشاں ہوں، اس کے دائرے کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے آرزومند اور ان اسباب و عوامل کے سدّباب کے لیے سرگرم ہوں، جو مستقل اس کے وجود سے برسرِ پیکار ہوں۔ اور یہ سب جاہلی معاشرے سے الگ ایک ایسی مستقل قیادت کے زیرِ سرپرستی کریں، جو اُن کی تحریک کو پوری طرح منظم رکھے، انھیں اپنے اسلامی وجود کو زیادہ سے زیادہ مستحکم اور استوار کرنے میں مدد دے، نیز جاہلیت کے خلاف جوابی کارروائی کرنے اور بالآخر مکمل طور سے اُسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں دلیری و مستعدی کا ثبوت دے۔

Marfat.com

اسلام اسی طرح قائم ہوا ہے ــــــ اسی طرح قائم ہوا، ایک عقیدے کی صورت میں ایک مجمل مگر جامع اور ہمہ گیر نظریہ کی صورت میں۔ جس نے ٹھیک اسی لمحے ایک ایسی ٹھوس، جاندار اور منظم تحریک کی شکل اختیار کر لی، جو جاہلی معاشرے سے بالکل ممتاز تھی۔ اپنا ایک مستقل اور جداگانہ تشخص رکھتی تھی۔ اور اس جاہلی معاشرے سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی تھی۔ البتہ وہ ایک ایسے "نظریے" کی شکل میں کبھی نہیں قائم ہوا جو عملی وجود سے محروم رہا ہو ــــ اور دوبارہ بھی اسلام اسی طرح قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن جاہلی معاشرہ کے زیر سایہ رہتے ہوئے اس کو دوبارہ قائم کرنا کسی بھی زمانہ میں اور کسی بھی جگہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی منظم تحریکی اٹھان کے سلسلے میں چند ضروری باتیں نہ سمجھ لی جائیں۔

ہاں، تو اسلام جس وقت اس انداز سے اُمتِ مسلمہ کی تشکیل کر رہا تھا، ایک ٹھوس، جاندار اور منظم تحریک کی صورت میں اس کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ عقیدے کے سنہری تاروں سے اس کی شیرازہ بندی کر رہا تھا، اس وقت اس کا نصب العین تھا "انسان کی انسانیت" کو ابھارنا اور اسے راسخ اور مستحکم کرنا، انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں میں اسے نمایاں اور ممتاز کرنا، اور یہاں بھی اس کا وہی اصول اور وہی طرز تھا جو اس کی ساری بنیادوں، ساری تعلیمات اور سارے شرائع واحکام میں نظر آتا ہے۔

چند صفات ہیں جو انسان وحیوان بلکہ تمام مادّی وجودوں میں مشترک ہیں، جن کی وجہ سے "جہل علمی!" کے متوالوں کو کبھی تو یہ گمان ہوتا ہے کہ انسان بقیہ سارے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے۔ اور کبھی یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ بقیہ سارے مادّوں کی طرح ایک مادّہ ہے! حالانکہ انسان میں، گرچہ وہ ان "صفات" میں مادّے اور حیوان کا شریک ہے، کچھ ایسی خصوصیات" بھی ہیں جو اسے بالکل منفرد اور ممتاز کر دیتی ہیں، ایک بالکل بے مثل وجود قرار دیتی ہیں جیسا کہ "جہل علمی!" کے متوالوں کو بالآخر ماننا پڑا۔ ناقابلِ تردید حقائق انھیں مجبور

Marfat.com

کر دیتے ہیں۔ چار و ناچار انھیں اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اگرچہ اخلاص اور صراحت کے ساتھ نہیں کرتے۔[2]

اس سلسلے میں اسلامی اصولوں کا لحاظ رکھنے، تنظیم اسلامی کو زبان و وطن، رنگ و نسل، نظر قریب ملکی مصالح اور نامعقول جغرافیائی حد بندیوں سے اونچا اٹھ کر محض عقیدے کی بنیاد پر قائم کرنے اور اس میں انسان و حیوان کی مشترک صفات کے بجائے "انسانی خصوصیات" کو ابھارنے، پروان چڑھانے اور غالب کرنے کی وجہ سے انتہائی روشن اور واضح نتائج یہ سامنے آئے کہ مسلم معاشرے کا دروازہ ساری نسلوں، ساری قوموں، سارے رنگوں اور ساری زبانوں کے لیے یکساں کھل گیا۔ بیچ میں ان ذلیل حیوانی دیواروں میں سے کوئی بھی دیوار حائل نہ رہی! دوسرا عظیم فائدہ یہ ہوا کہ معاشرۂ اسلامی کی کٹھالی میں مختلف انسانی نسلوں کی خصوصیات اور صلاحیتیں آکر جمع ہو گئیں۔ اور نسبتہً انتہائی قلیل مدت میں ایک نہایت اعلیٰ اور نفیس قسم کا آمیزہ تیار ہو گیا۔ اس عجیب و غریب، منتظم اور متحدہ بلاک نے اتنی حسین و جمیل اور عظیم الشان تہذیب کو جنم دیا کہ اس نے دوری مسافت اور وسائل آمد و رفت کی دشواری کے باوجود اپنے دور کے پورے انسانی سرمایہ کا عطر جمع کر لیا۔

اس اعلیٰ معاشرۂ اسلامی میں عربی، ایرانی، شامی، مصری، چینی، ہندی، ترکی، مغربی، رومی، یونانی، انڈونیشیائی، افریقی، غرض تمام ہی قوموں اور نسلوں کے نمائندے شامل تھے۔ ان کی ساری خصوصیات جمع ہو گئی تھیں تاکہ باہمی اختلاط و تعاون سے معاشرۂ اسلامی اور تہذیب اسلامی کی تعمیر کریں۔ یہ عظیم الشان تہذیب

---

[1] وہ جہل جو علم و ثقافت کے حسین لباس میں ہو

[2] ان میں سر فہرست جولیان ہکسلے (   ) ہے جو جدید ڈارون ازم (   ) کا علمبردار تھا۔

Marfat.com

کبھی "عربی" نہ رہی ہمیشہ "اسلامی" رہی۔ کبھی "قومی" نہ رہی ہمیشہ "عقائدی" (مبنی بر عقیدہ) رہی۔

ان سب کو یکجا کر دینے والی چیز باہمی جذبۂ مساوات، آپس کا رشتۂ اخوت اور ایک ہی مقصد کی لگن تھی۔ چنانچہ ان تمام نے اپنی ساری صلاحتیں وقف کر دیں۔ تمام نسلی اور جنسی خصوصیات پیش کر دیں۔ اور اس ایک معاشرے کی تعمیر میں اپنے شخصی، قومی، اور تاریخی تجربات کا عطر لا کر انڈیل دیا جو مادی طور پر ان سب کا اپنا معاشرہ تھا، ایک ہی خدائی رشتہ تھا جو ان سب کو اس گلدستے سے وابستہ کیے ہوئے تھا۔ اور اس گلدستے میں بس ان کی "انسانیت" کی کلیاں کھلتی اور اسی کی نکہتیں پھیلتی تھیں۔ اسی کے جلوے عام ہوتے اور اسی کے غنچے مسکراتے تھے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو پوری تاریخ انسانی میں کسی بھی دوسری تنظیم کو نہ حاصل ہو سکی ——— !

تاریخِ قدیم میں سب سے مشہور انسانی تنظیم رومن شہنشاہیت (تھی، بلاشبہ اس میں عملاً مختلف نسلیں، متعدد زبانیں، متعدد رنگ اور متعدد مزاج یکجا ہو گئے تھے۔ لیکن یہ یکجائی "رشتۂ انسانیت کی بنیاد پر نہ تھی، وہاں عقیدے جیسی کوئی اعلیٰ قدر جلوہ گر نہ تھی۔ بلکہ ایک حیثیت سے پوری شہنشائیت میں غلام طبقے اور طبقۂ اشراف کی بنیاد پر طبقاتی تنظیم قائم تھی، وہ ایک نسلی تنظیم تھی، جس میں حق حکمرانی صرف رومن نسل کے لیے تھا، اور بقیہ دوسری نسلوں کی قسمت میں غلامی اور محکومی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی تنظیم اسلامی کے اَوجِ کمال کو نہ چھو سکی۔ انسانیت نے اس شجر سے ویسے شیریں پھل کبھی نہ توڑے، جیسے اُسے تنظیم اسلامی کے شجر طیب سے حاصل ہوئے۔

اسی طرح تاریخِ جدید میں دوسری تنظیمیں نمودار ہوئیں ——— مثلاً برطانوی شہنشاہیت ——— لیکن وہ صحیح معنوں میں اپنے مورث اعلیٰ رومن تنظیم کا ہی

عکس اور اسی کا چربہ تھی ! ایک قومی اور استحصالی تنظیم، جس کی بنیاد تھی انگریز قوم کی حکمرانی اور انگریزی شہنشاہیت کے دائرے میں داخل نوآبادیات سے استحصال بالکل یہی کیفیت ساری یورپین شہنشاہیتوں کی ہے ——— اسپینی اور پرتگالی شہنشاہیتوں کی بھی، اور فرانسیسی شہنشاہیت کی بھی ——— یہ سب کی سب اسی پست اور لائق نفریں سطح پر کھڑی ہیں! اشتراکیت نے چاہا تھا کہ ایک دوسرے طرز کی تنظیم قائم کرے۔ جو نسل و قوم، زمین و زبان اور رنگ کی سرحدیں عبور کر جائے۔ لیکن اس کے لیے بنیاد اس نے عام "انسانیت" کو نہ بنایا۔ بلکہ اسے "طبقاتی" بنیاد پر قائم کیا۔ اس طرح یہ تنظیم، قدیم رومن تنظیم کی ہی بدلی ہوئی صورت یا اسی کا دوسرا رخ ہے۔ وہ طبقہ "اشراف" کی بنیاد پر قائم تھی اور یہ طبقہ "صعالیک (پرولتاری طبقہ)" کی بنیاد پر قائم ہوئی وہ طبقہ "اشراف" کی خیرخواہ تھی اور یہ طبقہ صعالیک کی بہی خواہ ہے۔ وہ طبقہ اشراف کو سر پر چڑھاتی تھی، اور یہ طبقہ عمال کو نظروں میں بٹھاتی ہے۔ اور جو جذبہ اس پر حکمرانی کر رہا ہے، وہ دوسرے سارے طبقات کے خلاف شاید کینہ و حسد کا جذبہ ہے! ظاہر ہے اس طرح کی گھٹیا اور نامحمود تنظیم سے اسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ انسانی وجود کے بدترین رجحانات کو پروان چڑھائے ——— کیونکہ وہ شروع سے ہی محض حیوانی صفات کو ابھارنے، پروان چڑھانے، اور زیادہ سے زیادہ راسخ کرنے کا عزم لے کر اٹھی ہے۔ اس کے ہاں انسان کی "بنیادی ضرورتیں" وہی ہیں جو حیوان کی ہیں۔ "کھانا، گھر اور جنسی تسکین" نیز اس کے نزدیک انسانیت کی تاریخ سرتاسر تلاش آب و دانہ کی تاریخ ہے!!!

اسلام انسان کی مخصوص ترین خصوصیات کو ابھارنے، پروان چڑھانے اور معاشرۂ انسانی کی تعمیر میں انھیں غالب کرنے میں منفرد ہے، کیونکہ اس کے پاس خدائی نظام اور خدائی طریق کار ہے ——— اور اس کی یہ انفرادی شان ہمیشہ باقی رہے گی۔ جو لوگ اسے چھوڑ کر دوسرے پست اور گھٹیا نظاموں کی طرف بے تابانہ لپکتے ہیں۔ خواہ وہ نظام ہوں جو قوم پرستی کی بنیاد پر قائم ہوں یا وہ نظام ہوں جو

Marfat.com

نسل پرستی کے علمبردار ہوں، وہ نظام ہوں جو وطنیت کا راگ الاپتے ہوں یا وہ نظام ہوں جو طبقاتی کشمکش کی آگ بھڑکاتے ہوں، جو لوگ بھی اس طرح کے نظاموں پر فریفتہ اور ان کے ثنا خواں ہیں، وہ حقیقت میں انسانیت کے دشمن ہیں، ان کو یہ پسند نہیں کہ اس دنیا میں انسان جن بلند اور اعلیٰ خصوصیات سے نوازا گیا ہے، انھیں جلا دے کر وہ انفرادی شان کا مالک بنے۔ انھیں یہ گوارہ نہیں کہ انسانی معاشرہ اپنی نسلوں کی زیادہ سے زیادہ صلاحیتوں، تجربوں اور خصوصیات سے باہمی اتحاد و تعاون کی فضا میں فائدہ اٹھائے۔ اسی قسم کے لوگ ہیں جن کے سلسلہ میں خدائے تعالیٰ کی یہ تنبیہ موجود ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۔

(الکہف)

کہو: کیا ہم تمھیں ایسے لوگوں کی خبر دیں جو اپنے کیے دھرے میں سب سے بڑھ کر گھاٹا اٹھانے والے ہیں؟ وہ لوگ کہ جن کی جد و جہد دنیوی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا اور اس سے ملنے کا انکار کیا، تو ان کا کیا دھرا اکارت گیا۔ ہم قیامت کے دن ان کو کوئی وزن نہ دیں گے۔ یہ ہے ان کا بدلہ دوزخ، کیونکہ انھوں نے کفر کیا۔ اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی اڑائی۔

سچ فرمایا خدائے برتر نے سچ فرمایا۔

جہادِ فی سبیل اللہ

امام ابن قیم نے "زاد المعاد" میں "بعثت سے رحلت تک کفار و منافقین کے ساتھ آپؐ کے طرزِ عمل کی ترتیب" کے عنوان سے جو فصل قائم کی ہے اس میں وہ جہادِ اسلامی کے پس منظر کی تلخیص کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

رسولِ خدا پر سب سے پہلی وحی یہ ہوئی کہ آپؐ اپنے رب کے نام سے پڑھیں جس نے پیدا کیا۔ یہ نبوت کا آغاز تھا۔ اس لیے حکم ہوا کہ خود پڑھیں۔ اور تبلیغ کا حکم نہیں ہوا۔ پھر وحی ہوئی:

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ "اے چادر لپٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو آگاہ کرو۔"

پھر حکم ہوا کہ آپؐ قریبی اعزہ و اقربا کو آگاہ کریں۔ پھر آپؐ نے قوم کو خطاب کیا۔ پھر قریب کے دوسرے عرب قبیلوں کو خطاب کیا۔ پھر سارے عرب کو، اور پھر سارے انسانوں کو خطاب کیا۔ اس طرح نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد کم و بیش دس برس تک آپؐ یوں ہی دعوت دیتے رہے۔ اس عرصہ میں نہ جنگ تھی نہ جزیہ۔ بلکہ خدا کی طرف سے مکمل صبر و استقامت اور درگزر کی تلقین ہوتی رہی۔ پھر ہجرت کا اذن ملا۔ ساتھ ہی جنگ کی بھی اجازت ملی۔ پھر حکم ہوا کہ جو جنگ کریں اُن سے آپؐ جنگ کریں۔ اور جو الگ رہیں اُن سے کوئی تعرض نہ کریں۔ پھر حکم ہوا کہ مشرکین سے آپؐ جہاد کریں، یہاں تک کہ ہر جگہ طاعت و حکمرانی صرف اللہ کی ہونے لگے ــــ حکمِ جہاد آنے پر کفار کی تین قسمیں ہوگئیں۔ صلح جو، جنگ جو اور ذمی ـــــ اس وقت حکم ہوا کہ جن لوگوں سے معاہدۂ صلح ہو اُن کے

Marfat.com

معاہدے کا پورا خیال رکھا جائے۔ جب تک وہ عہد پر برقرار رہیں، ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ اور اگر خیانت اور بدعہدی کا اندیشہ ہو تو معاہدۂ صلح ان کے منہ پر پھینک دیا جائے، لیکن جنگ اس وقت تک نہ کی جائے جب تک شکستِ عہد سے انھیں آگاہ نہ کر دیا جائے۔ اور جو لوگ عہد شکنی کریں ان سے جنگ کی جائے۔

پھر سورۂ توبہ نازل ہوئی تو ان سارے لوگوں کے سلسلے میں واضح احکام آگئے، حکم ہوا کہ دشمن اہلِ کتاب سے جنگ کی جائے، یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں یا اسلام میں آجائیں۔ اور کفار ومنافقین سے بھی جہاد کیا جائے، اور ان کے سلسلے میں پوری سختی کی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے کفار سے تیر وتفنگ کے ذریعہ جہاد کیا، اور منافقین سے دلیل وبرہان کے ذریعہ اسی سورہ میں یہ حکم بھی آیا کہ آپؐ کفار کے معاہدوں سے دست بردار ہو جائیں اور ان سے اظہارِ براءت کریں ـــــ اس موقع پر اربابِ صلح ومعاہدہ کی تین قسمیں قرار دیں: ایک قسم ان لوگوں کی جن سے جنگ کا حکم دیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے عہد شکنی کی، اور پیمانِ صلح پر قائم نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ نے جنگ کی اور ان پر غالب آگئے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی، جن سے متعینہ مدت تک کے لیے معاہدہ ہوا، اور انھوں نے عہد شکنی نہ کی نہ آپؐ کے خلاف کسی کی حمایت کی۔ ان کے سلسلہ میں حکم ہوا کہ مدت معاہدہ تک ان کے معاہدہ کو نباہا جائے۔ تیسری قسم ان لوگوں کی، جن سے نہ کوئی معاہدہ ہوا، نہ انھوں نے جنگ کی۔ یا جن سے غیر متعینہ مدت تک کے لیے معاہدہ تھا۔ حکم ہوا کہ انھیں چار ماہ کی مہلت دی جائے۔ چار ماہ گزر جائیں تو ان سے جنگ کی جائے ـــــ چنانچہ عہد شکنی کرنے والوں سے آپؐ نے جنگ کی۔ جن سے کوئی معاہدہ نہ تھا، یا تھا تو غیر متعینہ مدت تک کے لیے، ان کو چار ماہ کی مہلت دی۔ اور جن سے متعینہ مدت تک کے لیے معاہدہ تھا اور انھوں نے اس معاہدہ کا احترام کیا، آپؐ نے بھی اتنی مدت تک ان کے معاہدے کو برقرار رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب کے سب اسلام لے آئے۔ اور مدت معاہدہ ختم ہونے سے

پہلے کفر سے تائب ہو گئے۔ اور ذمیوں پر آپؐ نے جزیہ مقرر فرمایا ـــ گویا سورہ توبہ نازل ہونے کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں: اہلِ حرب، اہلِ عہد، اور اہلِ ذمہ ـــ پھر اربابِ صلح و عہد تو اسلام میں آ گئے اور اب دو قسمیں بچیں، اہلِ حرب اور اہلِ ذمہ اہلِ حرب ہمیشہ اسلام سے خائف رہتے۔ اس طرح اہلِ زمین تین قسموں میں بٹ گئے: مومنین مخلصین۔ پُر امن اہلِ صلح۔ خائف اہلِ حرب ـــ رہا منافقین کے سلسلہ میں آپؐ کا طرزِ عمل، تو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ ان کے ظاہر کو مان لیں اور باطن کو خُدا کے حوالہ کریں۔ نیز انھیں دلیل و حجت سے قائل کرنے کی کوشش کریں پھر حکم ہوا کہ ان سے اعراض فرمائیں اور ان کے سلسلہ میں سختی کریں، نہ اُن کی نمازِ جنازہ پڑھیں نہ ان کی قبروں پر کھڑے ہوں۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرنے والا نہیں، چاہے آپؐ کتنا ہی استغفار کریں۔ یہ تھا دشمن کفار و منافقین کے سلسلہ میں آپؐ کا طرزِ عمل"۔

یہ ایک عمدہ تلخیص ہے، جہادِ اسلامی کے مختلف مراحل کی۔ اس تلخیص سے دین کے تحریکی نقشۂ کار کی چند نہایت گہری اور بنیادی خصوصیات سامنے آتی ہیں جو اس قابل ہیں کہ ان پر ٹھہر کر غور کیا جائے۔ یہاں تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، اس لیے ہم چند اشارات پر ہی اکتفا کریں گے۔

۱۔ پہلی خصوصیت: پہلی خصوصیت اس کی حقیقت پسندی ہے ـــ یہ دین ایک ایسی تحریک ہے جس کے سامنے ایک انسانی معاشرہ ہے ـــ وہ اس معاشرے کا مقابلہ ایسے وسائل سے کرتا ہے جو اسی کی سطح کے ہوں ـــ اس کا واسطہ ایک ایسی اعتقادی اور نظری جاہلیت سے ہے، جس کی بنیاد پر عملاً کتنے ہی نظام قائم ہیں، اور ان کی پشت پناہی مادّی طاقتوں سے مسلّح حکومتیں کر رہی ہیں ـــ چنانچہ تحریکِ اسلامی ان کے مقابلے میں اسی درجہ کے ہتھیار لے کر آتی ہے ـــ وہ عقائد و تصورات کی اصلاح کے لیے دعوت و تبلیغ سے کام لیتی ہے۔ اور باطل نظاموں اور ان نظاموں کی بنیاد پر قائم سلطنتوں

کی سرکوبی کے لیے زور وقوت استعمال کرتی ہے۔ وہ عوامل جو انسانی عقائد وتصورات کی اصلاح میں روک ثابت ہوتے ہیں جو افراد کو جبر واستبداد کی سنگینوں سے دباتے اور رب کے بجائے غیر اللہ کی پرستش پر مجبور کرتے ہیں، ان کے قلع قمع کے لیے وہ تیغ بکف، میدان میں نکلتی ہے۔ وہ ایک ایسی تحریک ہے جو مادی اقتدار کے مقابلہ میں افہام وتفہیم پر اکتفا نہیں کرتی، نہ افراد کے دلوں کے لیے مادی دباؤ سے کام لیتی ہے۔ یہ دین انسانوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کرنے کی مہم چلاتے ہوئے یہ دونوں طریقے استعمال کرتا ہے، جس کی مزید تشریح آگے آئے گی۔

۲۔ دوسری خصوصیت: اس کی دوسری خصوصیت اس کا خاص تحریکی انداز ہے۔ وہ ایک بتدریج آگے بڑھنے والی تحریک ہے جو اپنے طویل سفر میں پیش آنے والے تمام مراحل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتی اور ان کی واقعی ضرورتوں کے لحاظ سے وسائل اختیار کرتی ہے، اس کا ہر مرحلہ اپنے بعد والے مرحلے میں لے جا کر کھڑا کر دیتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ دین زندہ ومتحرک انسانی معاشرے کے مقابلے میں خالی خولی نظریات لے کر نہیں آتا اور نہ پیش آنے والے مراحل کے لیے ایسے وسائل کا سہارا لیتا، جو اس کے مناسب حال نہ ہوں۔ جو لوگ اس دین کے طرز جہاد یا نظام جہاد پر استدلال کے لیے قرآنی نصوص پیش کرتے ہیں اور اس کی یہ خصوصیت ملحوظ نہیں رکھتے، وہ جن جن مدارج سے گزرا ہے ان کے مزاج کا ادراک نہیں کرتے، نیز ہر مرحلے سے مختلف قرآنی نصوص کا جو تعلق ہے، اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، ایسے لوگ اس دین کے طریق کار کو گمراہ کن حد تک گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ اور آیات الٰہی کو وہ معنی پہنانے اور ان سے ایسے اصول ومبادی اخذ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں جن کی ان کے اندر کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ہر وحی قرآنی کو آخری وحی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ گویا ہر آیت ان کے نزدیک اس

Marfat.com

دین کے آخری احکام کی آئینہ دار ہے۔ وہ کہتے ہیں! اسلام صرف دفاع کے لیے جہاد کرتا ہے اور حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ذہنی اور عقلی طور پر بُری طرح مرعوب اور ان تجدد پسندوں کے دباؤ سے حد درجہ متاثر ہوتے ہیں، جن کا نام کے علاوہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پھر ستم یہ کہ وہ اس خام خیالی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس طرح وہ دین کی کوئی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، حالانکہ اس کی ضرب براہ راست دین پر پڑ رہی ہوتی ہے، ہاں اس دین پر پڑ رہی ہوتی ہے جس کا نصب العین ہے زمین سے ہر طرح کے طاغوتوں کو بے دخل کرنا، انسانوں کو خدا کا پرستار بنانا، بندوں کی غلامی سے نکال کر انھیں صرف رب کی بندگی میں داخل کرنا! مگر اسلام عقیدے کو انسانوں پر بالجبر مسلط نہیں کرتا، بلکہ عقیدے اور ان کے درمیان حائل دیواروں کو منہدم کرتا ہے ——— وہ حکمران سیاسی نظاموں کو پارہ پارہ کر دیتا ہے یا ان کو اس طرح زیر نگیں کر لیتا ہے کہ وہ جزیہ دیں اور طاعت و تابعداری کا اعلان کریں۔ اور رعایا کو اس عقیدے کے سلسلہ میں پوری آزادی دینے کا وعدہ کریں، کہ بغیر کسی دباؤ کے وہ چاہے تو اسے قبول کرے اور چاہے تو اس سے دستکش رہے۔

۳۔ تیسری خصوصیت: تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ مسلسل تگ و تاز اور یہ نئے نئے وسائل و ذرائع کا استعمال اس دین کو اس کی اصولی بنیادوں اور متعینہ مقاصد سے باہر نہیں ہونے دیتا۔ وہ پہلے ہی دن سے، خواہ نبیؐ کے قریبی اعزہ کو خطاب کر رہا ہو یا قریش کو، پورے عرب کو خطاب کر رہا ہو یا ساری دُنیا کو، سب کے سامنے ایک ہی بنیاد رکھتا ہے اور سب سے ایک ہی مقصد کے حصول کی اپیل کرتا ہے۔ وہ مقصد ہے خالص خدا کی بندگی، بندوں کی غلامی سے کامل آزادی۔ اس میں نہ کسی سودے بازی کی گنجائش ہے نہ کسی نرمی و رو داری کی ——— پھر وہ اسی ایک مقصد کے حصول کے لیے متعینہ خطوط پر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آگے بڑھتا ہے، جن میں سے ہر مرحلے کے

لیے اسی کے حسب حال وسائل ہوتے ہیں، جیسا کہ ہم گزشتہ پیراگراف میں بیان کر آئے ہیں۔

۴۔ چوتھی خصوصیت: چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ باقاعدہ اس بات کی تعین کر دیتا ہے کہ مسلم معاشرہ کن لوگوں سے کس قسم کے تعلقات رکھے، ان تعلقات کی کیا نوعیت اور اس کے کیا حدود ہوں۔ جیسا کہ "زادالمعاد" کی مذکورہ فصل میں تم نے دیکھا۔ اور اس کی اساس وہ خُدا کی کامل اطاعت کو قرار دیتا ہے کہ یہی وہ عالمی بنیاد یا وہ عالمگیر حقیقت ہے جس کا احترام سب پر فرض ہے۔ سارے انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اسے تسلیم کریں، یا کم از کم مکمل طور سے اس سے صلح کریں اور دعوت حق کی راہ میں کسی قسم کی دیوار نہ کھڑی کریں، نہ سیاسی نظام کی دیوار، نہ مادی قوت کی۔ وہ ہر فرد کو مکمل آزادی دیں کہ اپنی مرضی سے چاہے تو اسے اپنائے اور چاہے تو اس سے الگ رہے وہ اس سے کسی قسم کی مزاحمت یا جنگ نہ کریں۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو اسلام کا فرض ہوگا کہ اس سے جنگ کرے، یہاں تک کہ اس کی قوت کو پارہ پارہ کر دے، یا وہ اپنی طاعت و تابعداری کا اعلان کر دے۔

وہ ذہنی اور عقلی طور پر شکست خوردہ افراد جو جہاد اسلامی کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تاکہ دامن اسلام سے اس "تہمت" کو دھو دیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو اس دین نے عقیدے کے سلسلہ میں جبر و اکراہ کو ناپسند کیا ہے اور دوسری طرف وہ ان مادی اور سیاسی قوتوں کی سرکوبی سے بھی کوئی دریغ نہیں کرتا جو اس کے اور انسانوں کے درمیان حجاب بنی ہوتی ہیں اور جو انسان کو انسان کا غلام بناتی اور اس کو بندگی رب سے روکتی ہیں، تو وہ ان دونوں باتوں کو ایک دوسرے سے گڈمڈ کر دیتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں، ان میں اشتباہ و التباس کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان دونوں باتوں میں فرق نہ کرنے اور بالخصوص اس طرح مرعوبیت

Marfat.com

کا شکار ہونے کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ اسلامی جہاد کو آج کل کی "دفاعی جنگوں" میں محصور کر دینا چاہتے ہیں ——— حالانکہ جہادِ اسلامی ایک دوسری ہی چیز ہے جس کو آج کل کی جنگوں اور ان کے محرکات و کیفیات سے کیا واسطہ؟ جہادِ اسلامی کے اصل اسباب کا سراغ لگانا ہو، تو خود "اسلام" کے مزاج کو سامنے رکھنا چاہیئے۔ دُنیا میں اس نے جو کردار پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو بلند مقاصد متعین کیے ہیں اور جن کے لیے اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت سے سرفراز فرمایا، پھر آپؐ کو خاتم الانبیاء اور آپؐ کی رسالت کو سلسلۂ رسالت کی آخری کڑی قرار دیا، اسبابِ جہاد کا سراغ لگاتے وقت ان ساری باتوں کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

یہ دین دراصل مخلوق کی بندگی سے "انسان" کی آزادی کا اعلان ہے۔ یہ بندگیٔ نفس کے خلاف بھی ایک کھلا ہوا احتجاج ہے کیونکہ بندگیٔ نفس بھی بندگیٔ خلق کی ہی ایک شاخ ہے اور یہ بس اسی طرح ممکن ہے کہ خالص اللہ کی الوہیت و حاکمیت کا اعلان ہو۔ پھر یہ بات ذہن میں رہے کہ تنہا اللہ کی ربوبیت و حاکمیت کے اعلان کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب ہے انسان کی حاکمیت پر ہمہ جہتی یورش اور ہر اس نظام سے مکمل بغاوت جس میں کسی بھی پہلو سے انسان کی حاکمیت یا دوسرے لفظوں میں اس کی الوہیت کی بو ہو ——— کیونکہ ایسی حکومت جس میں سارے اختیارات کے مالک بندے ہوں اور قوت و اقتدار کا سرچشمہ بھی بندے ہوں، ایسی حکومت دراصل بندوں کو منصب الوہیت پر فائز کرنے کے مترادف اور اللہ کے بجائے کچھ انسانوں کو رب بنانے کے ہم معنی ہے۔ اس اعلان کا مطلب ہے: اللہ کے اقتدار کو پھر اللہ کی طرف لوٹانا، اور ان ستم پیشہ غاصبوں کو ملک بدر کرنا جو ناجائز طور پر اقتدار الٰہی پر قابض ہیں۔ اور اپنے خود ساختہ آئین و قوانین کے ذریعے انسانوں پر اس طرح فرماں روائی کر رہے ہیں، گویا وہ رب ہوں، اور لوگ ان کے بندے ——— اس اعلان کا مطلب ہے: انسانی حاکمیت کے بت کو

Marfat.com

چور چور کر کے زمین پر حاکمیت الٰہ کا پرچم لہرانا، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ" — اور وہی آسمان میں الٰہ ہے، اور وہی زمین میں بھی الٰہ ہے۔

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ... ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ" — اقتدار تو بس اللہ کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی صحیح اور سیدھا دین ہے۔

"قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" — کہو، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی سیدھی بات پر، جو ہمارے اور تمہارے درمیان کی ہے: یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں نہ کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔ پھر اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم ہیں۔

زمین پر خدا کی حکومت اس طرح نہیں قائم ہوسکتی کہ حاکمیت کے مالک خود کچھ افراد ہو جائیں ـــــ خواہ وہ مذہبی افراد ہوں ـــــ جیسا کہ چرچ کی مذہبی حکومت میں تھا یا ایسے افراد جو دیوتاؤں کے نمائندے اور خداؤں کے ترجمان ہوں، جیسا کہ اس نظام میں تھا جسے لوگ "تھیاکریسی" یا مقدس حکومتِ الٰہیہ!! کے نام سے جانتے ہیں۔ اس کا قیام تو بس اسی طرح ممکن ہے کہ حاکم صرف شریعتِ الٰہی ہو۔ قوانین کے سلسلہ میں مرجع کل بس خدا ہو۔ اور اس نے جو ایک واضح شریعت بھیجی ہے اسی پر عملدر آمد ہو۔

زمین پر حاکمیت الٰہ کی نوبت بجے، حاکمیت انسان کا بت پاش پاش ہو جائے، ہر طرف شریعت الٰہی کا پرچم لہرائے، اور انسانی قوانین کا کوئی اعتبار نہ رہ جائے، یہ ساری باتیں محض دعوت و تبلیغ سے حاصل ہونے والی نہیں۔ بندوں کی گردنوں

Marfat.com

پر تختِ شاہی بچھانے والے اور مسندِ اقتدار پر قبضہ کر لینے والے محض تبلیغ و گفتگو سے رام ہونے والے نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو رسولوں کے لیے زمین پر دین قائم کرنا کتنا آسان ہوتا! جب کہ نہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بلکہ تحریکِ اسلامی کے ہر دور کی تاریخ کا تجربہ کچھ اور ہی رہا ہے۔!

صرف اللہ کی الوہیت و ربوبیت کا اعلان اقتدارِ الٰہی کے علاوہ ہر اقتدار سے "انسان" کی آزادی کا یہ اعلان کوئی نظریاتی، فلسفیانہ اور سلبی اعلان نہ تھا۔ وہ ایک تحریکی، واقعاتی اور ایجابی اعلان تھا —— ایسا اعلان جس سے مقصود تھا ایک ایسے نظام کا قیام جو انسان پر شریعتِ الٰہی کی روشنی میں حکمرانی کرے۔ اور عملاً انھیں بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کرے —— یہیں سے یہ بات لازمی ٹھہری کہ "تبلیغ" کے پہلو بہ پہلو "تحریک" کی بھی تشکیل ہو —— تاکہ وہ عملی صورتِ حال کے سارے ہی پہلوؤں کا انھی جیسے وسائل سے مقابلہ کر سکے۔

معاشرۂ انسانی پہلے بھی اس دین کی راہ روکتا رہا ہے۔ آج بھی روک رہا ہے اور آئندہ بھی روکے گا۔ کیونکہ یہ دین "زمین" پر اقتدارِ الٰہی کے علاوہ ہر اقتدار سے "انسان" کی آزادی کا اعلان ہے۔ چنانچہ معاشرۂ انسانی اس کی راہ میں تصور و اعتقاد کی چٹانیں بھی حائل کرے گا اور محسوس مادی دیواریں بھی، سیاسی اور اجتماعی رکاوٹیں بھی حائل کرے گا اور نسلی، اقتصادی اور طبقاتی خندقیں بھی۔ اور ان کے جلو میں باطل تصورات اور گمراہ عقائد کا بھی لشکر ہوگا۔ یہ ساری قوتیں پوری مضبوطی سے باہم پیوست ہوں گی اور ایک ساتھ مل کر اس کا مقابلہ کریں گی۔

اگر "تبلیغ" عقائد و تصورات کے مقابلے میں ہوگی تو "تحریک" مادی قوتوں سے برسرِ پیکار ہوگی۔ مادی قوتوں میں پیش پیش وہ سیاسی اقتدار ہوگا جو تصوری و اعتقادی، قومی اور طبقاتی، اجتماعی اور اقتصادی بنیادوں —— باہم

مربوط و پیوست بنیادوں پر قائم ہوگا اس طرح تبلیغ و تحریک دونوں بیک وقت پورے انسانی ماحول سے پنجہ آزما ہوں ہوگی اور یہ جنگ اسی درجہ کے وسائل کے ساتھ ہوگی ـــــ "زمین" پر بسنے والے تمام "انسانوں" کو سامنے رکھنے والی تحریک آزادی کے لیے ان دونوں کا ایک ساتھ ہونا ناگزیر ہے ـــــ یہ نہایت اہم نکتہ ہے جسے ایک بار پھر ذہن نشین کرانا ضروری ہے!

یہ دین صرف عربی انسانوں کی آزادی کا اعلان نہیں! یہ عرب کے ساتھ خصوصیت رکھنے والا کوئی پیام نہیں! ـــــ اس کا موضوع ہے "انسان" "نوع انسان" ـــــ اس کی جولانگاہ ہے "زمین" ـــــ پوری "زمین" اللہ تعالیٰ صرف عرب کا رب نہیں۔ تنہا عقیدۂ اسلامی کے فرزندوں کا بھی رب نہیں ـــــ وہ تو "رب العالمین" ہے ـــــ اور یہ دین چاہتا ہے کہ سارے "اہل عالم" کو پھر اُن کے رب کے آستانے پر لا جھکائے۔ اور اس طرح انھیں غیروں کے دام عبودیت سے رہائی دے اور سب سے بڑی عبودیت اسلام کی نگاہ میں یہ ہے کہ انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کے خود ساختہ قوانین کے آگے گردنِ تسلیم خم کر دے ـــــ یہ وہ "عبادت" ہے جس کے سلسلہ میں دین کا مطالبہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے لیے خاص ہو۔ اور جو اس عبادت کو غیر اللہ کے آستانے پر انجام دیتا ہے، یا اس کے لیے غیر اللہ کو قبلہ قرار دیتا ہے اس کا اسی لمحہ دین سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، چاہے وہ زبان سے اس دین میں ہونے کے کتنے ہی بلند بانگ دعوے کرتا ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کی ہے کہ قوانین و احکام کے سلسلہ میں "پیروی" ہی وہ "عبادت" ہے، جس کی وجہ سے یہود و نصاریٰ "مشرک" قرار پائے۔ اور جس عبادتِ الٰہی کا انھیں حکم دیا گیا تھا اس کی خلاف ورزی کے مجرم گردانے گئے۔

ترمذی شریف کی روایت ہے کہ عدیؓ بن حاتم رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ

صلّی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو وہ شام بھاگ گئے۔ دورِ جاہلیت میں یہ نصرانی ہو گئے تھے۔ پھر ان کی بہن اور قوم کے کچھ افراد گرفتار ہو گئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے بہن پر کرم فرمایا اور رہا کر دیا۔ وہ اپنے بھائی کے پاس لوٹ کر آئیں اور اسلام لانے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق دلایا۔ ادھر لوگوں میں ان کی آمد کا چرچا ہو گیا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت ان کی گردن میں چاندی کی صلیب تھی اور زبانِ مبارک پر یہ آیت تھی:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ — انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لیا۔

حضرت عدیؓ نے یہ آیت سنی تو عرض کیا: انھوں نے ان کی عبادت تو کی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "کیوں نہیں! انھوں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا۔ اور لوگوں نے دیدہ و دانستہ ان کی پیروی کی۔ بس یہی ان کی عبادت ہوئی"۔

زبانِ مبارک سے آیت کی یہ تفسیر اس بات کے لیے نصِ قطعی ہے کہ شرائع و احکام کے سلسلہ میں غیر اللہ کی پیروی وہ عبادت ہے جو آدمی کو دین سے خارج کر دیتی ہے۔ اور اسی کا دوسرا نام ہے کچھ انسانوں کو رب بنا لینا ــــ یہ دین آیا تھا تاکہ اسی چیز کو ختم کرے اور "زمین" پر غیر اللہ کی بندگی سے "انسان" کی آزادی کا اعلان کرے۔

اس طرح اسلام کے لیے یہ بات ناگزیر ہو گئی کہ اس اعلانِ عام کی راہ میں مزاحم ہونے والے "معاشرے" کو مٹا دینے کے لیے وہ تبلیغ و تحریک دونوں کو ساتھ ساتھ لے کر چلے۔ اور ان سیاسی طاقتوں پر بہم ضربیں لگائے جو انسانوں سے غیر اللہ کی بندگی کراتی یا شریعتِ الٰہی سے بے گانہ ہو کر ان پر حکمرانی کرتی ہیں۔ اور پوری آزادی کے ساتھ دعوت سننے اور

Marfat.com

"عقیدے" کو اپنانے کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہو جاتی ہیں تاکہ اس کے بعد وہ ایک ایسا اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی نظام قائم کر سکے جو اس تحریک آزادی کے لیے راہیں کشادہ کر دے۔ اور ایسا ممکن نہیں جب تک اقتدار وقت کو خواہ وہ اقتدار خالص سیاسی ہو، یا قومیت کے رنگ میں ہو یا طبقاتی بنیاد پر ہو۔ بیخ و بن سے نہ اکھاڑ پھینکا جائے۔

اسلام کے پیش نظر یہ بات کبھی نہ رہی کہ وہ لوگوں کو اپنا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور کرے —— البتہ اسلام صرف "عقیدہ" ہی نہیں ہے۔ اسلام جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، بندوں کی بندگی سے انسان کی آزادی کا اعلان ہے۔ وہ اوّل روز سے ہی ایسے نظاموں اور ایسی حکومتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے جن کی بنیاد ہے، انسان پر انسان کی حاکمیت اور انسان کے لیے انسان کی عبودیت —— پھر وہ افراد پر سے سیاسی دباؤ اٹھا لینے اور تفہیم و تبلیغ سے عقل و روح میں روشنی پہنچا دینے کے بعد انھیں عملاً آزاد چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی مرضی سے جو عقیدہ چاہیں اختیار کریں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ خواہشات نفس کو اپنا الٰہ بنا لیں یا خود اپنی پسند سے بندوں کی بندگی اختیار کر لیں! یا اللہ کے بجائے اپنے ہی اندر کے کچھ افراد کو اپنا رب بنا لیں! —— ایسا نظام جو دنیا میں انسانوں پر حکمرانی کرے، ایسے نظام کے لیے صرف اللہ کی عبودیت پر قائم ہونا شرط ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب شرائع و احکام صرف بارگاہ ایزدی سے حاصل کیے جائیں۔ اور اس عالمگیر نظام کے سایہ میں رہتے ہوئے ہی ہر فرد جو عقیدہ چاہے اپنائے! اسی طرح "دین" یعنی کامل تسلیم و رضا اور مکمل پیروی و بندگی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو سکے گی "دین" کا مفہوم "عقیدے" کے مفہوم سے زیادہ وسیع ہے۔ دین وہ طریق کار اور وہ نظام ہے جو زندگی پر حکمرانی کرے۔ اور اسلام میں عقیدہ ہی اس کی بنیاد

Marfat.com

اور اس کا ستون ہوگا۔ لیکن وہ اپنے عموم میں عقیدے سے زیادہ وسیع اور جامع ہے ـــــ پھر اسلام کے اندر اس کا پورا امکان ہے کہ مختلف جماعتیں اس کے عام نظام کی پابند ہوں، جو صرف بندگیٔ رب کی بنیاد پہ قائم ہوگا، اگرچہ وہ سب عقیدۂ اسلام سے وابستہ نہ ہوں۔

جو شخص دین کے مزاج کو اس انداز سے سمجھ لیتا ہے اس کو جہاد باللسان کے دوش بدوش جہاد بالسیف کی صورت میں اسلام کی تحریکی سرگرمیوں کی ناگزیری کا احساس ہو جاتا ہے۔ نیز اسے پوری طرح اس حقیقت کا ادراک ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی دفاعی تحریک نہ تھی ـــــ دفاعی تحریک اس تنگ مفہوم میں جس سے آج کا ذہن مانوس ہے۔ جیسا کہ موجودہ معاشرے سے مرعوب اور مستشرقین کے پُر فریب حملوں سے متاثر حضرات کا دعویٰ ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ اسلام کی تحریکِ جہاد کو بھی اسی لباس اور اسی رنگ میں پیش کریں، حالانکہ وہ تو "زمین" پہ آزادیٔ "انسان" کی منادی تھی۔ وہ آزادیٔ انسان کے لیے جدوجہد کرنے والی ایک تحریک تھی جو مخالف ماحول کے سارے پہلوؤں کے لحاظ سے جو وسائل درکار ہوتے، ان کو استعمال کرتی اور تدریجی طور پہ ہر مرحلے کے لیے نئے نئے وسائل سے کام لیتی۔

اور اگر یہی ضروری ہے کہ اسلام کی تحریکِ جہاد کو ہم دفاعی تحریک کا نام دیں، تو ضروری ہوگا کہ لفظ "دفاع" کے مفہوم میں تھوڑی سی ترمیم کرلیں۔ اور اسے خود "انسانیت کا دفاع" سمجھیں۔ ان تمام عوامل کے خلاف جدوجہد سمجھیں جو انسان کی حُریت کو پامال کرتے اور اس کی آزادی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں ـــــ یہ عوامل کبھی عقائد و تصورات کے روپ میں ہو سکتے ہیں، اور کبھی ان سیاسی نظاموں کی صورت میں جو اقتصادی یا طبقاتی اور نسلی بنیادوں پہ قائم ہوتے ہیں۔ یہی عوامل ہیں جن کی اس روز پورے عالم پہ حکمرانی تھی جس روز اسلام کی صبح سعادت طلوع ہوئی تھی۔ اور جو مختلف شکلوں

Marfat.com

میں اس دور کی موجودہ جاہلیت میں بھی رائج و کارفرما ہیں!

لفظ "دفاع" کے مفہوم میں یہ وسعت پیدا کر لینے کے بعد ہم اسلام کی جہادی سرگرمیوں کی حقیقت تک بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ اور صحیح طور پر اسلام کی اس حیثیت کا ادراک کر سکتے ہیں، کہ وہ بندوں کی بندگی سے انسان کی آزادی کا کھلا ہوا اعلان ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس زمین پر صرف اللہ کی الوہیت و ربوبیت کا پرچم لہرائے۔ دُنیا کے کسی کونے میں لادینی حکومت کا وجود نہ رہ جائے۔ ہر طرف بس شریعتِ الٰہیہ کی مقدس حکومت کا سکہ چلے۔

رہی یہ ذہنیت کہ جہادِ اسلامی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے دفاعی اسباب کا سُراغ لگایا جائے۔ اسلامی جنگیں خالص دفاعی جنگیں قرار دی جائیں۔ دفاعی جنگیں اس تنگ مفہوم میں، جس سے آج کا ذہن مانوس ہے۔ اور اس دعوے کے دلائل مہیا کرنے کی کوشش کی جائے کہ جہادِ اسلامی کے معرکے محض ہمسایہ ظالم قوتوں کی طرف سے "وطن اسلامی" یا بعض لوگوں کی زبان میں جزیرۂ عرب کی طرف بڑھتے ہوئے سیلِ عدوان کو روکنے کے لیے ظہور میں آئے، تو جہاں یہ بات اس دین کے مزاج سے ناواقفیت اور دُنیا میں جو کردار وہ ادا کرنے آیا تھا اس سے بے خبری کی غماز ہے، وہیں یہ موجودہ معاشرے سے شکست اور جہادِ اسلامی پر مستشرقین کے عیارانہ حملوں سے مرعوبیت کی دلیل ہے!

تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم جزیرۂ عرب پر روم و ایران کی دست درازیوں سے مطمئن ہو گئے ہوتے تو کیا وہ اکنافِ عالم کو سیلِ اسلام کی نقرئی موجوں سے سیراب نہ کرتے۔ کیا اس اوقیانوس تجلّی کی جاں نواز لہریں وہ زمین کے گوشے گوشے میں نہ پہنچاتے؟ پھر بتاؤ، وہ یہ لہریں اکنافِ عالم میں کیونکر پہنچاتے جب کہ دعوت کی راہ میں نسلی، طبقاتی اور اقتصادی نظاموں کی مضبوط چٹانیں اور سیاسی نظامہائے حکومت کی آہنی دیواریں حائل تھیں، اور حکومت کی مادّی قوتیں بھی اُن کی حمایت میں تھیں؟!

Marfat.com

کتنی سادہ لوحی ہوگی اگر کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ ایک ایسی دعوت جو زمین پر بسنے والی ساری نوع انسانی کی آزادی کا اعلان کرتی ہو، وہ ان سنگین چٹانوں کے مقابلے میں محض زبانی جہاد دعوت و تبلیغ پر ہی اکتفا کر لے گی ـــــ! وہ زبانی جہاد اسی وقت تک کرے گی جب تک اس کے اور افراد کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔ وہ انھیں پوری آزادی سے خطاب کر سکے۔ اور وہ افراد بھی ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہوں ـــــ اس موقع پر " دین میں کوئی جبر و اکراہ نہ ہوگا" ـــــ لیکن اگر وہ مادی چٹانیں راہ میں حائل ہوں گی تو سب سے پہلے انھیں راستے سے ہٹانا اور پاش پاش کرنا ہوگا تاکہ انسانی عقل و روح ان عوائق سے آزاد ہو جائے اور وہ دعوت براہ راست انھیں اپنی آواز سنا سکے!

دعوت کے لیے جہاد ناگزیر ہے، جبکہ اس دعوت کا نصب العین ہو انسان کی آزادی کا اعلان: ـــــ سنجیدہ اعلان جو موجودہ معاشرے کا مقابلہ اسی درجے کے وسائل سے کرنے کے لیے تیار ہو۔ اور محض فلسفیانہ اور نظری باتوں پر اکتفا نہ کر لے! خواہ وطن اسلامی ـــــ اور صحیح تر اسلامی تعبیر کے مطابق دارالاسلام ـــــ مامون ہو یا ہمسایوں کی طرف سے خطرات کی زد میں ہو۔ کیونکہ اسلام جس سلم کے لیے کوشاں ہے، وہ اتنی سستی سلم نہیں۔ وہ محض یہی نہیں چاہتا کہ اسلامی قلمرو یا عقیدۂ اسلامی کا مسکن پُر امن ہو جائے وہ تو چاہتا ہے کہ سارا عالم دارالسلم ہو جائے اطاعت صرف خدا کی ہو، عبودیت و بندگی کا قبلہ صرف اللہ تعالیٰ ہو اور انسان ہی انسان کے رب نہ بن بیٹھیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اعتبار اس آخری مرحلے کا ہوگا جہاں تک مشیت الٰہی سے اسلام کی تحریکِ جہاد پہنچ سکی، نہ کہ دعوت کے ابتدائی یا درمیانی ایام کا ـــــ اور ان مراحل کی انتہا اسی طرح ہوئی جس طرح کہ امام ابن قیمؒ کا خیال ہے۔ یعنی سورہ توبہ نازل ہونے کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں: اہلِ حرب، اہلِ عہد اور اہلِ ذمہ ـــــ پھر اربابِ صلح و عہد تو دائرۂ اسلام میں آ گئے اور اب دو قسمیں بچیں: اہلِ حرب اور اہل ذمہ۔ اہل حرب

Marfat.com

اسلام سے خائف رہتے۔ اس طرح اہل زمین تین قسموں میں بٹ گئے: مومنین مخلصین، پُرامن اہل صلح (اور یہی اہل ذمہ ہیں جیساکہ سابق جملے سے پتہ چلتا ہے) اور خائف اہل حرب۔

یہ وہ مراحل ہیں جن کا منطقی طور پر پیش آنا ناگزیر ہے۔ دین کے مزاج اور اس کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ رہی وہ بات جو موجودہ معاشرے سے مرعوب اور مستشرقین کے شاطرانہ حملوں سے شکست خوردہ حضرات سمجھتے ہیں، تو اسے دین کے مزاج اور اس کے مقاصد سے کوئی واسطہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ میں مسلمانوں کو جنگ سے باز رکھا۔ اور مدینہ کی ابتدائی زندگی میں بھی جنگ کی اجازت نہ دی۔ ان سے کہا گیا:

كُفُّوٓا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اپنے ہاتھ (لڑائی سے) روکے رکھو، اور نماز قائم رکھو، اور زکوٰۃ دیتے رہو۔

پھر اجازت مل گئی۔ ارشاد ہوا:

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ ۙ ۔ الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۔ اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰ

اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے وہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے، محض اس قصور میں کہ وہ کہتے ہیں، "ہمارا رب اللہ ہے" اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ ہٹاتا نہ رہتا تو درویشوں کے خلوت خانے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت نام لیا جاتا ہے سب ڈھا دی جاتیں، اور یقیناً اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا بلاشبہ اللہ

هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

قوت ور اور بے پناہ طاقت کا مالک ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم زمین پر انھیں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم رکھیں، اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سارے معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

پھر جو لوگ خود جنگ میں پہل کریں، ان سے جنگ فرض کی گئی۔ ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ۔

اور خدا کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں۔

پھر سارے ہی مشرکین سے جنگ فرض کر دی گئی، حکم ہوا:

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ۔

اور تم سب مل کر مشرکوں سے جنگ کرو جس طرح وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔ جنگ کرو ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر۔ اور نہ اسے حرام کرتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ہر طرح کے اقتدار سے دست کش ہو کر اور چھوٹے بن کر جزیہ دینے لگیں۔

گویا جنگ ــــ جیسا کہ امام ابن قیمؒ کا کہنا ہے ــــ پہلے حرام تھی پھر اس کی اجازت دی گئی۔ پھر جو لوگ پہل کریں ان سے فرض کر دی گئی پھر سارے ہی مشرکین سے جنگ کا حکم دیا گیا۔

جہاد کے سلسلہ میں آئے ہوئے قرآنی نصوص، ان پر ابھارنے والی احادیث رسولؐ اور آغازِ اسلام، پھر پوری تاریخ اسلام میں پیش آنے والے جہادی معرکے:

Marfat.com

ان واضح ترین حقائق کو سامنے رکھو، پھر بتاؤ، کیا اب بھی اس تاویل و تفسیر کے لیے کوئی گنجائش رہ گئی جو دین کے ان نادان دوستوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہے، جو ماحول کے دباؤ سے بری طرح مرعوب اور جہادِ اسلامی پر مستشرقین کے عیارانہ حملوں سے حد درجہ حیران و سراسیمہ ہیں!

کون ہوگا جو اس سلسلہ میں خدا کی طرف سے آئے ہوئے احکام اور اس کے رسولؐ سے ملی ہوئی ہدایات سنے اور جہادِ اسلامی کے برپا ہونے والے معرکوں کا تتبع کرے، پھر اسے وہ ایک عارضی چیز سمجھے جو انہی بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ خاص تھی۔ اور اس طرح وہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے محض دفاع پر ہی اکتفا کر لے؟!

جن ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو قتال کی اجازت دی ہے۔ ان میں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ زمین سے فساد و بدامنی مٹانے کے لیے ہمیشہ کچھ عناصر کو کچھ حق پرست ہاتھوں سے بے دخل کیا جاتا رہے گا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ. الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا۔	اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بلاشبہ اللہ ان کی مدد پر پوری طرح قادر ہے وہ لوگ کہ ناحق اپنے گھروں سے نکال دیے گئے محض اس لیے کہ وہ کہتے ہیں ”ہمارا رب اللہ ہے“ اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے ہٹاتا نہ رہتا تو درویشوں کے خلوت خانے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بہت نام لیا جاتا ہے، سب ڈھا دی جائیں۔

گویا یہ ایک دائمی حقیقت ہے، عارضی حالت نہیں۔ یہ ایک دائمی حقیقت ہے کہ اس زمین پر حق اور باطل ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اسلام جب بھی ربوبیت

Marfat.com

الٰہی اور بندوں کی بندگی سے انسان کی آزادی کا اعلان کرے گا، وقت کی باطل طاقتیں پورے طنطنہ کے ساتھ آگے بڑھیں گی۔ اور صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح اسے مٹا دینا چاہیں گی۔ ادھر اسلام بھی انھیں نیست و نابود کر دینے کے لیے پورا زور صرف کرے گا، تاکہ انسانوں کو ان کے پنجۂ استبداد سے رہائی دے۔ اور مظلوم انسانیت کو اس کا حق آزادی واپس دلائے ـــــ اس طرح یہ ایک دائمی حالت ہے جس کے ہوتے ہوئے تحریکِ جہاد کی سرگرمیاں کبھی ختم نہیں ہو سکتیں۔ یہاں تک کہ ہر جگہ صرف طاعتِ الٰہی کا جاں نواز جلوہ نظر آنے لگے۔

مکہ میں قتال سے باز رہنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اس طویل نقشہ کار کی ایک جزیا اس لمبے سفر کی ایک منزل تھی۔ یہی بات مدینہ کی ابتدائی زندگی کے سلسلہ میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ پھر مدینہ میں تحریکی زندگی کا پہلا مرحلہ گزر جانے کے بعد جس چیز نے مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کیا وہ صرف مدینہ کے دفاع اور اس کو پر امن بنانے کا مسئلہ نہ تھا ـــــ بلا شبہ یہ بھی ایک اہم مقصد تھا جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن یہی اصل مقصد نہ تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ تحریک کے آگے بڑھنے کے لیے جو وسائل و ذرائع درکار ہیں، ان کی فراہمی نیز مرکزِ تحریک کا تحفظ ہو، تاکہ وہ تحریک انسان کو اس کی کھوئی ہوئی آزادی واپس دلا سکے۔ اور جو چٹانیں راہ میں حائل ہو کر اس کو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں، ان کو پاش پاش کر سکے۔

مکہ میں اسلام کے بزن نہ بولنے یا قتال سے باز رکھنے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ وہاں دعوت و تبلیغ کی مکمل آزادی تھی ـــــ رسالت مآب ـــــ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ کے ساتھ بنی ہاشم کی تلواریں تھیں، آپؐ پوری آزادی کے ساتھ دعوت کا اعلان کر سکتے تھے۔ افراد سے براہِ راست خطاب کر سکتے تھے۔ کانوں، اور کانوں سے بڑھ کر دلوں کو اپنی آواز سنا سکتے تھے ـــــ وہاں کوئی منظم سیاسی قوت بھی نہ تھی۔ جو دعوت کی راہ میں مانع ہوتی، یا اس کی آواز کانوں

Marfat.com

تک نہ پہنچنے دیتی ! لہٰذا اس مرحلہ میں قوت سے کام لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کے علاوہ اور بھی متعدد اسباب تھے، جو ہم نے "فی ظلال القرآن" میں سورۂ نساء کی آیت " اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ـــــ کی تفسیر کرتے ہوئے مختصراً بیان کیے ہیں۔ ان کا کچھ حصہ یہاں نقل کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا؛

اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مکی دور دراصل ایک تربیتی دور تھا۔ ایک خاص ماحول میں ایک خاص قسم کی تربیت کا مرحلہ تھا۔ اس جیسے ماحول میں تربیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ آدمی ایسی باتوں پر صبر کر لینے کا عادی ہو جائے جن پر صبر کرنے کا اس ماحول میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مثلاً اپنے ساتھ یا عزیزوں کے ساتھ ظلم ہوتا دیکھ کر خاموش رہ جانا ایک عربی شخص کے لیے ناقابلِ تصور بات تھی۔ اس انداز کی تربیت سے مقصود یہ تھا کہ آدمی اپنی شخصیت سے بلند اور اپنی ذات سے یکسر آزاد ہو جائے۔ خود اپنی ذات اور اپنے افراد اس کی نگاہ میں زندگی کا محور اور دلچسپیوں کا محرک نہ رہ جائیں۔ وہ اعصاب پر پوری طرح قابو رکھ سکے طبیعت کے خلاف کوئی بات دیکھتے ہی طیش میں نہ آجائے۔ کسی اشتعال انگیز حرکت پر فوراً آستینیں نہ چڑھالے۔ اس کے مزاج میں اعتدال اور عام سرگرمیوں میں توازن پیدا ہو سکے۔ وہ ایک منظم معاشرے کے آداب و اصول کا پاس و لحاظ رکھ سکے۔ زندگی کے سارے امور میں وہاں کی قیادت کی طرف رجوع کرے۔ اور اپنے تصرفات میں اس کی منشاء و مصلحت کو کبھی نظر انداز نہ کرے، گرچہ وہ اس کی طبیعت اور عادت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مہذب اور ترقی یافتہ اسلامی معاشرہ جو ایک منظم قیادت کا تابع ہو، وحشی اور قبائلی نہ ہو! ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کے لیے اس انداز کی تربیت انتہائی ناگزیر تھی۔"

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ صلح پسند دعوت قریش جیسے معاشرے

Marfat.com

میں زیادہ مؤثر اور کارگر ہوسکتی تھی۔ کیونکہ وہ معاشرہ غرور و نخوت کا اسیر اور جاہ و شرف کا دلدادہ تھا۔ اس وقت اگر جنگ کی جاتی تو اس کی نخوت کی آگ اور بھڑک اٹھتی پھر خونیں انتقامات کا ایک نیا سلسلہ چل پڑتا، جب کہ عرب کا وہ مشہور خونیں سلسلہ ختم ہوئے ابھی زیادہ دن نہ ہوئے تھے جس کی کوکھ سے داحس وغبراء اور بسوس کے قیامت خیز معرکوں نے جنم لیا۔ جو سالہا سال تک جاری رہے اور قبائل کے قبائل ان میں فنا کی نظر ہو گئے۔ بتاؤ، اگر خونیں معرکوں کا وہی لامحدود سلسلہ پھر چل پڑتا تو یہ دعوت اسلامی کے حق میں کتنا برا ہوتا۔ یہ خونیں معرکے ان کے ذہنوں پر انتہائی گہرے نقوش چھوڑ جاتے جو کبھی مٹنے کا نام نہ لیتے۔ اسلام کا نام آتا، اور گزری ہوئی ساری تلخیاں ذہنوں میں تازہ ہو جاتیں۔ اس وقت اسلام ایک دعوت اور ایک مذہب ہونے کے بجائے انہی خونیں انتقامات کا دلدوز مرقع بن کر رہ جاتا۔ اس کا بنیادی رُخ ابتدا میں ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا اور پھر کبھی بھول کر بھی نہ یاد آتا!"

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جنگ سے وہاں کا ہر گھر قتل و خون کی بھیانک رزم گاہ میں تبدیل ہو جاتا۔ کیونکہ وہاں کوئی منظم اور ہمہ گیر نظامِ حکومت نہ تھا، جو مومنین کو ستاتا اور آزمائشوں میں ڈالتا۔ یہ بس فرد کے اولیاء کے ذمہ تھا، کہ اس کو ستائیں، آزمائشوں کی بھٹی میں تپائیں، اور اسے "راہ راست" پر لانے کی کوشش کریں! ایک ایسے معاشرے میں قتال کی اجازت دینے کا مطلب یہ تھا کہ گھر گھر جنگ کے خونیں شعلے بھڑک اٹھتے ــــــ اس وقت کہا جاتا، یہ ہے اسلام! چنانچہ کہنے والوں نے کہا بھی۔ جب کہ اسلام کی طرف سے جنگ کی شدید ممانعت تھی! حج کے موقعوں پر آنے والے قافلوں میں قریش کی طرف سے یہی پروپیگنڈہ ہوتا کہ: محمدؐ کنبہ و خاندان ہی میں نہیں، باپ بیٹوں میں پھوٹ ڈال رہے

Marfat.com

ہیں! پھر گھر گھر اور محلے محلے کا کیا حال ہوتا اگر وہ بیٹے کو باپ کے قتل کرنے اور غلام کو آقا کا خون بہانے کی اجازت دے دیتا۔؟"

"ایک وجہ اور بھی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہی دشمنانِ اسلام جو آج مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں انھیں بے پناہ مظالم اور شرمناک ایذا رسانیوں کا تختۂ مشق بنا رہے ہیں کل یہی اسلام کے مخلص سپاہی اور تحریک اسلامی اسلامی کے قائد ہوں گے ——— کیا عمرؓ بن خطاب انہی لوگوں میں نہ تھے؟!"

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ قبائلی ماحول عربی نخوت کے نشے میں چور تھا ایسے مظلوم کو دیکھ کر اس کی آتش حمیت بھڑک اٹھتی، جو اذیتیں تو سہتا، پر کوئی جوابی کارروائی نہ کرتا! خصوصاً جب کہ اُن کے شرفاء کے ساتھ یہ صورتِ حال پیش آجائے ——— چنانچہ اس قسم کے بہت سے واقعات ہوئے جو اس ماحول کے سلسلہ میں ہمارے اس خیال کی تائید کرتے۔ ابن دغنہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کہ ابوبکرؓ جیسا شریف انسان مکہ سے ہجرت کر جائے کہ اس کے نزدیک یہ عرب کے لیے ڈوب مرنے کی بات تھی! چنانچہ اس نے خود ہی امان دینے کی پیش کش کی ——— شعب ابی طالب میں بنی ہاشم محصور کر دیے گئے۔ مدتِ حصار کافی دراز ہوگئی۔ فقر و فاقہ اور بے کسی عروج کو پہنچ گئی۔ یہ کرب ناک اور رقت انگیز منظر دیکھ کر کچھ افراد کا بے قابو ہو جانا اور صحیفۂ حصار کو پارہ پارہ کر ڈالنے کا عزم کر لینا اس دعوے کی روشن دلیل ہے ——— جب کہ "تہذیب" قدیم کی آغوش میں پلنے والے ایک معاشرے میں، جو پستیٔ فطرت کا شکار ہوتا ہے، اذیتوں پر اُف نہ کرنا، معاشرے کو استہزاء و تمسخر کی دعوت دینا اور بے رحم ظالم کی تعظیم و تکریم پر اکسانا ہوتا ہے!"

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس وقت مسلمان بہت تھوڑے تھے، انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ اور جو کچھ تھے، وہ مکہ ہی کے اندر محصور تھے۔ کیونکہ دعوتِ اسلام ابھی مکہ سے باہر نہ پہنچ سکی تھی۔ یا پہنچی تھی تو اڑتی پڑتی خبروں کی شکل

Marfat.com

میں نیز ابنائے قریش کے درمیان ہونے والی اس داخلی کشمکش کے سلسلہ میں دوسرے قبائل کا رویہ بالکل غیر جانبدارانہ تھا وہ انتظار میں تھے کہ دیکھیں، فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں یہ محدود جنگ اس چھوٹی سی مسلم جماعت کو مٹا کر رکھ دیتی ـــــ اگرچہ وہ اپنے سے کئی گنا افراد کو مٹا کر مٹتی ـــــ اس طرح شرک تو باقی رہتا اور مسلم جماعت ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ جاتی۔ پھر زمین پر نہ اسلامی نظام کا قیام ہوتا نہ کہیں اس کا عملی وجود ہوتا۔ جب کہ یہ دین آیا اس لیے ہے تاکہ وہ زندگی کا دستور العمل بنے۔ اور ایک واقعی اور عملی نظامِ زندگی کی شکل میں نظر آئے۔"

رہا مدینہ کا ابتدائی دور، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے یہودیوں نیز مدینہ اور قربِ مدینہ کے مشرکوں سے جو معاہدہ کیا تھا، وہ بھی حالات کے عین مطابق تھا۔

اوّلاً: اس لیے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کا ایک وسیع میدان تھا۔ کوئی ایسی سیاسی قوت نہ تھی جو آپ کے لیے سدِ راہ ہوتی، اور لوگوں میں کام کرنے سے روکتی۔ تمام لوگوں نے نئی مسلم ریاست کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور خوشی خوشی وہاں کے سیاسی معاملات کی تکمیل آپ کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ معاہدہ میں باقاعدہ صراحت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر نہ کوئی کسی سے صلح کرے گا، نہ جنگ۔ نہ کہیں باہر سے کوئی ربط قائم کرے گا۔ اور یہ بات پوری طرح عیاں تھی، کہ مدینہ کی حقیقی قوت مسلم قیادت کے ہاتھ میں ہے۔ اس طرح دعوت کے لیے راستہ کھلا ہوا تھا۔ اور لوگوں کو نظریہ و اعتقاد کی پوری آزادی بھی حاصل تھی۔

ثانیاً: اس وقت آپ اپنی تمام تر توجہات قریش کی طرف یکسو کر دینا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی طرف سے دین کی مخالفت ان قبائل کے لیے سدِ راہ بنی ہوئی

Marfat.com

تھی جو ابنائے قریش کے درمیان ہونے والی اس کشمکش کے سلسلہ میں یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، اور زمانے کا فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جلد ہی "سریئے" (فوجی دستے) بھیجنے شروع کر دیے۔ چنانچہ ہجرت کے ساتویں ہی ماہ رمضان کے مہینے میں حضرت حمزہؓ کی سرکردگی میں آپؐ نے پہلا سریہ روانہ کیا۔

پھر یہ سریئے مسلسل جاتے رہے۔ نویں ماہ، پھر تیرھویں ماہ، پھر سولھویں ماہ، پھر سترھویں مہینے ماہ رجب میں سریۂ عبد اللہ بن جحش روانہ ہوا۔ یہ پہلا غزوہ تھا جس میں جنگ کی نوبت آئی اور چونکہ یہ غزوہ ماہ حرام میں پیش آیا، اس لیے اس سے متعلق سورۂ بقرہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۔	اور لوگ تم سے ماہ حرام میں جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو، اس میں جنگ کرنا بہت سنگین ہے۔ مگر اللہ کی راہ سے روکنا اس کے ساتھ کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا، اور اس کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ سنگین ہے اور یہ فتنہ خوں ریزی سے زیادہ سنگین ہے۔ یہ لوگ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر بس چلے تو وہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں۔

پھر اسی سال ماہ رمضان میں بدر کا معرکہ پیش آیا ——— جس کے سلسلہ میں سورۂ انفال نازل ہوئی۔

اگر اصل واقعات کے دریچوں سے صحیح صورت حال کا مشاہدہ کیا جائے، تو یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ "دفاع" ——— اپنے تنگ مفہوم میں ——— تحریکِ اسلامی کی بنیاد تھا۔ جیسا کہ موجودہ ماحول سے متاثر اور مستشرقین کے

Marfat.com

عیارانہ حملوں سے مرعوب دوستوں کا دعویٰ ہے!

جو لوگ اسلامی قلمرو کی توسیع کے لیے جدوجہد کرنے والی تحریک کے واسطے خالص اسباب تلاش کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں، وہ دراصل مستشرقین کی منظم تحریکِ یلغار سے بڑی طرح مرعوب ہیں، کیونکہ آج مسلمانوں کی کوئی شوکت نہ رہی، بلکہ سچ پوچھو، تو اسلام سے ہی انھیں کوئی واسطہ نہ رہا! بس تھوڑے سے نفوس قدسیہ ہیں جو اس آفت سے محفوظ ہیں۔ اور وہ "زمین" پر اقتدارِ الٰہی کے علاوہ ہر اقتدار سے "انسان" کی آزادی کا اسلامی اعلان کرنے پر مصر ہیں، تاکہ ہر جگہ صرف طاعتِ الٰہی کا جان نواز منظر دیکھ سکیں، ورنہ اکثر لوگ تو بُری طرح مرعوب اور احساس کمتری کا شکار ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ جہادِ اسلامی کے لیے کوئی اخلاقی جواز تلاش کرنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں!

حالانکہ جہادِ اسلامی کو اس طرح کی خوشنما توجیہات کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے تو وہی توجیہات کافی ہیں جو قرآنی نصوص میں موجود ہیں:

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا - وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ	سو جو لوگ دُنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کا سودا کریں۔ ان کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اور جو اللہ کی راہ میں لڑے گا۔ تو چاہے وہ مارا جائے یا غالب ہو، اسے جلد ہم بڑا بدلہ دیں گے۔ اور تم اللہ کی راہ میں ان کمزور اور بے بس) مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے کیوں نہ لڑو، جو دعائیں کر رہے ہیں کہ ہمارے رب! تو ہمیں اس بستی سے نکال جہاں کے لوگ ظالم ہیں، اور تو ہمارا حمایتی دوست ہو جا! اور تو ہمارا مددگار بن جا۔ جو لوگ ایمان لائے وہ

Marfat.com

نَصِيرًا ؟ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ ۚ
اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔ تو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو بلاشبہ شیطان کی چال بہت کمزور ہے۔

(سورۃ النساء)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا
يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ
يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ
الْاَوَّلِيْنَ ۔ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا
تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ
كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ وَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان سے کہہ دو کہ اگر وہ شرک سے باز آجائیں تو جو پچھلے گناہ ہو چکے ہیں وہ معاف کر دیے جائیں گے اور اگر وہ شرک پر مُصر ہوں تو جان لیں کہ اگلوں کے سلسلہ میں سنتِ الٰہی نافذ ہو چکی ہے اور تم ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ فتنہ (شرک) باقی نہ رہے اور اطاعت پوری کی پوری اللہ کے لیے ہو جائے۔ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا ولی ہے۔ کیا ہی اچھا ولی ہے۔ اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴ ∴

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا
يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ

جنگ کرو ان اہلِ کتاب سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر، اور نہ اُسے حرام کرتے ہیں جسے اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ہر طرح کے اقتدار سے دست کش ہو کر اور چھوٹے بن کر جزیہ دینے لگیں یہودیوں

Marfat.com

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۔

(التوبہ ۲۹-۳۲)

نے کہا: عزیز اللہ کا بیٹا ہے۔ اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ اُن کی خود ساختہ اور من گھڑت باتیں ہیں۔ یہ بالکل ویسی ہی باتیں کہتے ہیں جیسی ان لوگوں نے کہیں جو ان سے پہلے، کفر میں پڑ چکے ہیں۔ اللہ انھیں ہلاک کرے یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں؟ اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رُہبان کو رب بنا لیا۔ اور مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ انھیں بس یہی حکم دیا گیا تھا کہ اکیلے اِلٰہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں اس کی شان اور عظمت کے منافی ہے وہ شرک جو یہ لوگ کر رہے ہیں یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نورِ الٰہی کو اپنی افترا پردازیوں سے بجھا دیں۔ مگر اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چاہے یہ کافر کتنے ہی جز بز ہوں

زمین پر خدا کی اُلوہیت و حاکمیت قائم کرنا، نظامِ الٰہی کو انسانی زندگیوں میں نافذ کرنا، شیاطین اور شیطانی نظاموں کو ملک بدر کرنا، اور اس انسانی اقتدار کو پاش پاش کر دینا جو انسانوں سے اپنی بندگی کراتا ہے، یہ وہ مقاصد و اسباب ہیں جو "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اسلام کے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ لوگ صرف اللہ کے بندے ہیں، اور یہ بات کسی طرح صحیح نہیں کہ اس کے بندوں میں سے کوئی ان پر حکمرانی کرے۔ اور خود اپنی رائے اور خواہشات کا انھیں پابند کرے!

Marfat.com

ہاں بندوں کے پنجۂ اقتدار سے نکل جانے، اور یہ حقیقت تسلیم کر لینے کے بعد کہ سارا اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے اور ساری بندگی اور طاعت کا مستحق صرف اللہ ہے، عقیدہ اپنانے کے سلسلہ میں کوئی زبردستی نہیں۔

زمین پر انسان کو مکمل آزادی دلانا، دوسرے لفظوں میں بندوں کی بندگی سے نکال کر اسے صرف ایک خدا کی بندگی میں داخل کرنا یہ وہ بلند مقصد ہے جو تنہا جہادِ اسلامی کو صحیح اور حق بجانب ثابت کرنے کے لیے کافی ہے ——— یہ باتیں غازیانِ اسلام کے ذہن و دماغ میں پوری وضاحت سے موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی کے ذہن میں کبھی یہ سوال نہیں اُبھرا کہ وہ جہاد کے لیے کیوں نکلا ہے، نہ کسی کی زبان پر اس انداز کی باتیں آئیں: ہم اپنے وطن کی مدافعت میں نکلے ہیں، کیونکہ وہ بیہم خطرے کی زد میں ہے یا ہماری طرف رومی یا ایرانی سیلاب بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ ہم آگے بڑھ کر اس پر بند لگائیں گے۔ یا ہم اپنی قلم رو کی توسیع کریں گے، اور زیادہ سے زیادہ مالِ غنیمت حاصل کریں گے یا

ان لوگوں کی زبانوں پر وہی باتیں ہوتیں جو ربیعی بن عامرؓ، حذیفہؓ بن محصن اور مغیرہؓ بن شعبہ کی زبانوں سے ادا ہوئیں۔ قادسیہ کے میدان میں ایرانی کمانڈر رستم جنگ سے پہلے مسلسل تین دن تک ان میں سے ایک ایک کو بلا کر پوچھتا رہا: تم کس لیے آئے ہو؟ اور ان سب کی طرف سے ایک ہی جواب ملتا رہا:

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده. ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام فارسل رسوله بدينه الى خلقه فمن قبله منا قبلنا منه ورجعنا عنه

اللہ نے ہمیں بھیجا ہے، تاکہ جسے وہ توفیق دے اُسے بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں، دُنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعتوں میں پہنچائیں۔ اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے نکال کر عدل اسلام سے ہمکنار کریں۔ اسی لیے اس نے مخلوق کے پاس اپنا دین دے کر ایک رسول بھیجا اگر کوئی اس دین

وتركناه ومنه ومن ابى قاتلناه حتى نفضى الى الجنة أو الظفر۔

کو قبول کرے تو یہ ہمارے لیے خوشی کی بات ہو گی، اور ہم لوٹ جائیں گے۔ اس کی سرزمین سے، کوئی تعرض نہیں کریں گے، اگر جو انکار کرے گا اس سے جنگ کریں گے، یہاں تک کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں یا نصرت سے ہمکنار ہو جائیں۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

وقتی اور محدود دفاعی حالات کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں جہاد کے لیے وجہ جواز تو خود اس دین کی طبیعت میں موجود ہے، اس کے پروگرام اور اس کے نصب العین میں موجود ہے۔ یہ دین خالص حاکمیت الہ کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ تمام جھوٹی حاکمیتوں کے خلاف ایک کھلا ہوا اعلان جنگ ہے۔ پھر شروع سے ہی یہ انتہائی حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔ یہ نہایت باریک بینی سے جاہلیت کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے۔ پھر اس کے حسب حال وسائل اختیار کرتا، اور اس جاہلیت سے مقابلے کا عملی پروگرام بناتا ہے۔ جس مرحلے میں جن وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لحاظ سے وہ نئے نئے وسائل کا استعمال کرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں جہاد اسلامی کے صحیح اور حق بجانب ہونے کے لیے بالکل کافی ہیں۔ اور یہ چیزیں روز ازل سے موجود ہیں، اگرچہ مقبوضہ اسلامی اور وہاں کے مسلمانوں پر دست درازی کا کوئی اندیشہ نہ ہو، یہ الٰہی نظام، اس نظام کی واقعیت پسندی اور معاشرہ انسانی کی عملی رکاوٹیں یہ نہایت واضح دلیلیں ہیں جہاد اسلامی کے صحیح اور حق بجانب ہونے کے لیے۔

یہ اس بات کے لیے قطعاً کافی ہیں کہ مسلمان "خدا کی راہ" میں جان و مال سے جہاد کے لیے نکل کھڑا ہو، اور ان قدروں کے لیے مر مٹنے سے دریغ نہ کرے جن کے پیچھے اسے کسی ذاتی منفعت کی توقع نہیں۔ اور نہ ذاتی منفعت کی امید لے کر وہ نکلتا ہے۔

Marfat.com

مسلمان جہاد کے لیے میدان جنگ میں اترنے سے پہلے اپنے اندرون میں جہادِ اکبر کا عظیم معرکہ سر کر چکا ہے۔ یہ جہادِ اکبر شیطان سے ہوتا ہے —— نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات سے ہوتا ہے —— بُرے تصورات اور غلط افکار سے ہوتا ہے۔ ذاتی اغراض اور قومی مصالح سے ہوتا ہے —— خدا کی عبادت کرنا، زمین پر اقتدارِ الٰہی کا پرچم لہرانا، اور جن طاغوتوں نے اقتدارِ الٰہی پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے، ان کے ہاتھوں سے اقتدار کو چھیننا، صرف یہی جذبات اور یہی محرکات ہیں جن کو مومن دل میں پالتا اور پروان چڑھاتا ہے، ورنہ وہ سارے جذبات اور سارے محرکات سے لڑتا ہے۔

جہادِ اسلامی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے جو لوگ "وطن اسلامی" کے تحفظ کی آڑ لیتے ہیں، وہ نظامِ الٰہی کی شان و عظمت گھٹا دیتے ہیں، وہ اسے وطن سے بھی فروتر چیز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زمین و وطن کے سلسلہ میں اسلام کا یہ نقطۂ نظر کبھی نہیں رہا۔ یہ نقطۂ نظر بالکل ہی نیا، اور مزاجِ اسلامی کے لیے یکسر اجنبی ہے۔ کیونکہ عقیدہ، اسلامی نظام اور مسلم معاشرہ ہی وہ چیزیں ہیں جو اسلام کے نزدیک حیثیت کی مالک اور قدر و منزلت کی حامل ہیں۔ رہی زمین تو خود اس کا کوئی وزن اور کوئی اعتبار نہیں! اسلام کی نگاہ میں اس کو باوزن اور قابلِ اعتبار بنانے والی چیز صرف یہ ہے کہ اس پر نظامِ الٰہی کی حکمرانی اور شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہو کہ اسی طرح وہ عقیدے کا گہوارہ نظامِ الٰہی کا منارہ، تحریکِ آزادیِ "انسان" کا مرکز اور "دارالاسلام" ہو سکتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ "دار الاسلام" کا تحفظ دراصل عقیدے اور اسلامی نظام کا تحفظ ہے اس نظام کی بنیاد پر قائم ہونے والے معاشرے کا تحفظ ہے۔ لیکن پھر بھی وہی اصل مقصد نہیں اور اس کا تحفظ اسلام کی تحریکِ جہاد کی آخری غایت نہیں۔ وہ تو دراصل ایک وسیلہ ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اس میں حکومتِ الٰہی کا قیام ہو، پھر وہ ساری زمین میں پھیلنے اور تمام نوعِ انسانی کو دعوتِ اسلامی

Marfat.com

سے روشناس کرانے کا نقطۂ آغاز ہو، نوعِ انسانی اس دین کا موضوع اور ساری زمین اس کا میدانِ کار ہے!

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، دینِ الٰہی کو لے کر جب ہم آگے بڑھنا چاہیں گے تو راہ میں بہت سی مادی چٹانیں حائل ہوں گی، حکومت کا اقتدار، معاشرے کا نظام اور ماحول کے تقاضے مضبوط چٹانوں کی شکل میں ہماری راہ روک کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اسلام انہی چٹانوں کو پاش پاش کر دینے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ تاکہ اس کے اور انسانوں کے درمیان کوئی چیز روک نہ بن سکے۔ وہ چاہتا ہے کہ مادی شکنجوں سے انھیں مکمل طور پر آزاد کرا لینے کے بعد ان کے فکر و ضمیر کو اپنی بات سنائے، پھر انھیں انتخاب کے لیے آزاد چھوڑ دے۔

ہمارا فرض ہے کہ "جہاد" پر مستشرقین کے حملوں سے دھوکہ نہ کھائیں اور نہ سراسیمہ ہوں۔ ماحول کا دباؤ جہادِ اسلامی کے خلاف عالمی پروپیگنڈہ ہمارے ذہن و دماغ پر اس طرح اثر انداز نہ ہو جائے کہ ہم جہادِ اسلامی کے لیے ایسی توجیہات کے سراغ میں لگ جائیں جنھیں اس دین کے مزاج سے کوئی مناسبت نہ ہو، اور جو سر تا سر وقتی اور دفاعی حالات سے تعلق رکھتی ہوں کہ جہاد کا سلسلہ تو جاری رہے گا، خواہ یہ حالات پائے جائیں یا نہ پائے جائیں!

ہمارا فرض ہے کہ تاریخی حقائق کا جائزہ لیتے وقت اس دین کے مزاج سے غافل نہ ہو جائیں، اس کے اعلانِ عام اور عملی پروگرام میں جو چیزیں ذاتی طور پر اپنا اعتبار رکھتی ہیں، ان سے آنکھیں نہ موند لیں کہ اس طرح انھیں وقتی اور دفاعی تقاضوں سے گڈمڈ کرنے کی غلطی کر بیٹھیں۔

اس حقیقت سے ہمیں انکار نہیں کہ حملہ آوروں کے حملوں کا جواب دینا اس دین کے لیے ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ دین صرف بندگیٔ رب کی دعوت دیتا، اور غیر اللہ کی طرف بڑھنے سے انسان کو روکتا ہے۔ یہ جاہلی قیادتوں سے بغاوت کا اعلان کرتا اور اپنی ایک الگ تنظیم بناتا ہے۔ یہ ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کرتا

Marfat.com

ہے جو انسان کی حاکمیت کو چیلنج کرتا اور اس کے اقتدار کی بنیادوں پر تیشے چلاتا ہے۔ ظاہر ہے دین کی یہ سرگرمیاں گردو پیش کے جاہلی معاشروں کو حرکت میں لانے، اور ان کے جذبات کو برانگیختہ کر دینے کے لیے کافی ہیں یہ اس بات کے لیے کافی ہیں کہ وہ اس کے خلاف حرکت میں آئیں، اور اسے مٹا دینے کی راہ میں اپنی ساری قوتیں جھونک دیں۔ اس وقت نئے اسلامی معاشرے کے لیے بھی ناگزیر یہ ہوگا کہ اپنے بقا و تحفظ اور اپنی سالمیت کے لیے کھل کر مقابلے میں آ جائے۔

یہ وہ صورتِ حال ہے جس کا پیش آنا ناگزیر ہے۔ اسلام کے وجود کے ساتھ ہی اس کا بھی ظہور ہوگا۔ یہ وہ معرکہ ہے جس میں حصہ لینے پر اسلام کو مجبور کیا جائے گا۔ اس میں اترے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ دو ایسے وجود جن کا ایک ساتھ رہنا ناممکن ہو، ان میں باہم تصادم نہ ہونا کیونکر ممکن ہے؟

یہ سب صحیح ہے ـــــ اور یہیں سے اسلام کے لیے اپنا دفاع ناگزیر ہوگا۔ ایسی جنگ جو بالجبر اس کے سر تھوپی جائے اس میں حصہ لیے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوگا ـــــ مگر ایک بات اور ہے جو اس سے بھی زیادہ اہم اور بنیادی ہے خود اسلام کے مزاج کا یہ تقاضا ہے کہ آگے بڑھنے میں وہ پہل کرے تاکہ "انسان"، کو غیر اللہ کے چنگل سے رہائی دے۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ جغرافیائی سرحدوں پہ آ کر رک جائے، یا نسلی حدود کے اندر محصور ہو کر رہے۔ اور زمین پر رہنے والی ساری نوعِ انسانی کو شر و فساد کی طرف بڑھتے اور غیر اللہ کی بندگی کرتے ہوئے چھوڑ دے۔

اسلام دشمن طاقتوں پر کبھی وہ دور بھی آ سکتا ہے کہ اگر اسلام انھیں ملکی حدود کے اندر اپنی خدائی کا سکہ چلانے کی اجازت دے دے، ان کے معاملات میں کوئی مداخلت نہ کرے اور اپنی دعوت اور نعرۂ حریت کا رُخ ان کی طرف سے پھیر لے، تو وہ اسلام سے جنگ نہ مول لینے ہی میں عافیت

سمجھیں۔

لیکن اسلام ان سے مصالحت پر آمادہ نہ ہوگا، وہ اس وقت تک ان سے صلح نہیں کرے گا، جب تک ادائے جزیہ کی صورت میں وہ اپنی طاعت وتابعداری کا اعلان نہ کردیں۔ یہ گویا اس بات کی ضمانت ہوگی کہ تحریکِ اسلامی پر ان کے یہاں کوئی قدغن نہ ہوگا، بلکہ وہاں کی فضا اس کے لیے سازگار، دعوت کے لیے بالکل ہموار ہوگی۔

یہ ہے اس دین کا مزاج، اور اس کا نصب العین۔ کیونکہ وہ ربوبیتِ الٰہی کی "اذان" اور بقیہ سارے خداؤں کی بندگی سے انسان کی مکمل آزادی کا اعلان ہے!

ایک طرف اسلام کا یہ تصور ہے جو خود اس کے مزاج سے مترشح ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ تصور کہ وہ نسلی اور اقلیمی سرحدوں کے اندر محصور ہو کر رہ جائے۔ اغیار کی طرف سے دست درازی محسوس کیے بغیر حرکت میں نہ آئے! ان دونوں تصورات کو سامنے رکھو۔ اور ان کے فرق پر غور کرو۔ آخری صورت میں خود اس کے اندر ان سرگرمیوں کے لیے جو بنیادیں موجود ہیں ان سے وہ ہاتھ دھو بیٹھے گا!

اسلام کی ان سرگرمیوں کو حق بجانب ثابت کرنے والے دلائل پوری وضاحت سے سامنے آجاتے ہیں، اگر یہ بات یاد رکھی جائے کہ یہ دین انسانی زندگی کے لیے خدائی دستور ہے، کوئی انسانی دستور نہیں، نہ کسی خاص گروہِ انسانیت کا مذہب یا کسی مخصوص نسل وقوم کا نظام ہے ——— ! خارجی دلائل کی جستجو اسی وقت ہوتی ہے جب ہمارے ذہنوں میں اس اہم اور روشن ترین حقیقت کا احساس دھندلا پڑ جاتا ہے ——— جب ہم یہ فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ معاملہ خدا کی الوہیت اور بندوں کی بندگی کا ہے ——— یہ کبھی ممکن نہیں کہ کسی انسان کے سامنے یہ روشن ترین حقیقت ہو، اور پھر وہ جہادِ اسلامی کے لیے دوسرے دلائل کا سہارا ڈھونڈے!

یہ تصور کہ اسلام میدان کارزار میں اترنے پر مجبور تھا اس کے لیے اس سے مفر نہ تھا، کیونکہ اس کے چاروں طرف جاہلی معاشروں کا ہجوم تھا، جن کی طرف سے اس

Marfat.com

پر چڑھائی ہونی ناگزیر تھی، اور یہ تصور کہ اس کے لیے خود پیش قدمی کرنے اور میدان میں پہلے اترنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا، ابتداءً ان دونوں تصورات کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہیں نظر آتا۔

ابتداءً زیادہ فاصلہ نظر نہیں آتا، کیونکہ وہ دونوں ہی حالتوں میں لازمی طور پر معرکۂ کارزار میں نظر آتا ہے۔ لیکن راستے کے آخری سرے تک پہنچتے پہنچتے یہ فرق بہت زیادہ گہرا اور نمایاں ہو جاتا ہے جو اسلامی تصورات و احساسات کو یکسر بدل کر رکھ دیتا ہے۔

اسلام ایک خدائی نظام ہے۔ وہ آیا ہے تاکہ زمین پہ خدا کی اُلوہیت کی اذان دے، وہ آیا ہے تاکہ سارے انسانوں کو اسی ایک خدا کے حلقۂ بندگی میں داخل کرے اور اس طرح ایک ایسا انسانی معاشرہ تیار کرے جو بندوں کی بندگی سے آزاد ہو، جو اپنی زمام کار شریعتِ الٰہی کے ہاتھوں میں دے چکا ہو کہ یہ شریعت ہی اس زمین پہ اقتدارِ الٰہی کا مظہر اور خدا کی الوہیت و حاکمیت کی آئینہ دار ہے یہ ہے وہ عظیم مقصد جسے لے کر اسلام اس دُنیا میں آیا ہے۔ لہٰذا اسے بجا طور پر یہ حق ہے کہ راستے کے سارے عوائق کو دُور دھکیل دے۔ تاکہ انسانوں کے اجتماعی افکار اور حکومت کے سیاسی نظام راہ میں حائل نہ ہو سکیں، اور وہ براہ راست افراد کے ضمیر اور قوموں کے وجدان کو خطاب کر سکے ـــــ ایک طرف اسلام کا یہ تصور ہے، اور دوسری طرف یہ تصور کہ وہ کسی خاص وطن سے تعلق رکھنے والا ایک نظام ہے، جس کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی اقلیمی حدود کے اندر ہی رہتے ہوئے باہری حملوں کو روکے، غور کرو تو ان دونوں تصورات میں زمین و آسمان کا فرق ہے!

یہ تصور اور ہے ـــــ وہ تصور اور ہے ـــــ اگرچہ اسلام دونوں ہی صورتوں میں جہاد کرے گا ـــــ لیکن اس جہاد کے اسباب و مقاصد اور نتائج کا مجموعی تصور بالکل ہی مختلف ہوگا، جس کا اثر نظریہ و اعتقاد پر ہی نہیں۔ طریق کار اور عملی سرگرمیوں

Marfat.com

پر بھی پڑے گا۔

اسلام کو بجا طور پر اس کا حق ہے کہ وہ خود پہل کرے اور جہاد کے لیے خود حرکت میں آئے۔ اس لیے کہ وہ کسی خاص قوم کا دین یا کسی مخصوص وطن کا نظام نہیں، وہ تو خدا کا دستور اور سارے عالم کا نظام ہے —— اس کو پورا حق ہے کہ خود آگے بڑھ کر ان نظاموں اور انسانی طریقوں کی دیواریں منہدم کر دے جو "انسان" کو آزادئ انتخاب کا حق دینے کے لیے تیار نہیں، اس کے لیے بس اتنی بات کافی ہے کہ وہ افراد کے مقابلے میں محاذ نہیں قائم کرتا کہ انھیں اپنا عقیدہ اپنانے پر مجبور کرے۔ وہ نظام و قوانین سے برسر جنگ ہوتا ہے تاکہ ان شکنجوں سے افراد کو آزاد کرائے جو فطرت کے دشمن اور حریت کے رہزن ہیں۔

اسلام بجا طور پر یہ حق رکھتا ہے کہ "انسانوں" کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی میں داخل کرنے کے لیے جدوجہد کرے۔ تاکہ اس کی طرف سے خدا کی آقائی اور سارے انسانوں کی حریت و آزادی کا جو اعلان ہے، اس کو عملی شکل دے سکے —— اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ تنہا اللہ کی بندگی صحیح معنوں میں نظامِ الٰہی کے ہی سایہ میں ممکن ہے، خواہ اس بندگی کا تعلق تصور و اعتقاد سے ہو، یا حرکت و عمل سے۔ کیونکہ تنہا یہی ایسا نظام ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ ہی سارے بندوں کے لیے قانون بناتا ہے۔ حاکم کے لیے بھی، محکوم کے لیے بھی، کالے کے لیے بھی، گورے کے لیے بھی، دور کے لیے بھی، نزدیک کے لیے بھی، فقیر کے لیے بھی، غنی کے لیے بھی۔ ایک ہی قانون جس کے سامنے یکساں طور پر سب کی گردنیں جھکتی ہیں —— رہے بقیہ دوسرے نظام، تو ان میں بندگی انسان کی ہوتی ہے، کیونکہ وہاں قانون سازی کی کرسی پر انسان ہوتے ہیں۔ جب کہ یہ کرسی الوہیت کا نشان اور تنہا اللہ کا مقام ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُسے انسانوں کے لیے خود قانون بنانے کا حق ہے، تو وہ عملاً الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے۔ خواہ زبان سے اس کا اعلان کرے یا نہ کرے۔ اور اگر کوئی اس شخص

کے لیے یہ حق تسلیم کرتا ہے تو وہ گویا اس کے حقدارِ الوہیت ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ خواہ وہ اسے الوہیت کا نام دے یا نہ دے!

اسلام محض عقیدہ نہیں، کہ عقیدۂ اسلامی کی زبانی تبلیغ پر ہی اکتفا کرلے۔ وہ تو ایک دستور اور ایک نظام ہے، جو ایک تنظیم کی صورت میں سارے انسانوں کی آزادی کے لیے مارچ کرتا ہے۔ دوسری تنظیمیں یہ کبھی نہیں گوارہ کرسکتیں کہ اسلام ان کی رعایا کی زندگیوں کو اپنے دستور و نظام کے سانچوں میں ڈھالے۔ بس یہیں سے اسلام کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان سارے نظاموں کو ختم کرے جو آزادیٔ عام کی راہ کا روڑا ہیں۔ یہی مفہوم ہے مکمل طور پر اطاعت خدا کے لیے ہونے کا، جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں۔ چنانچہ یہاں اصلاً کسی بھی بندے کی اطاعت وحکمرانی نہ ہوگی، جیسا کہ ان نظاموں میں ہوتا ہے جن کی بنیاد بندگیٔ رب نہیں ہوتی۔

ہمعصر اسلامی محققین، جو موجودہ ماحول اور موجودہ معاشرے کے دباؤ سے متاثر، اور مستشرقین کے شاطرانہ حملوں سے مرعوبیت کا شکار ہیں، وہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ کیونکہ مستشرقین نے اسلام کی تصویر کچھ اس انداز سے پیش کی ہے گویا وہ تلوار کے زور سے عقیدہ قبول کرانے کی تحریک ہے۔ یہ بدباطن مستشرقین اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصل حقیقت کچھ اور ہے۔ لیکن وہ جہادِ اسلامی کے اسباب وعلل کو اس انداز سے گھناؤنی شکل دینا چاہتے ہیں اور یہیں سے نیک نامیٔ اسلام کے مرعوب وشکست خوردہ پاسباں اس تہمت کو دھونے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ ایسے ایسے دفاعی اسباب کا سُراغ لگانے پر مجبور ہوتے ہیں جن کا اسلام کے مزاج اور اس کے نصب العین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ حالانکہ اسلام کو اس قسم کی مدافعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو روزِ اول سے ہی "آزادیٔ انسان" کی منادی کرنے اور آزادی کی یہ تحریک چلانے کا فطری طور پر حق رکھتا ہے۔

ہمعصر ——— مرعوب ——— محققین کے افکار وضمیر پر "دین" کا مغربی تصور

Marfat.com

بری طرح چھا گیا ہے ——— یہ تخیّل ذہن کے ریشہ ریشہ میں سرایت کر چکا ہے کہ دین تو محض قلب سے تعلق رکھنے والا ایک "عقیدہ" ہے۔ زندگی کے عملی نظاموں سے اسے کیا سروکار ——— یہیں سے دین کے لیے جہاد کرنا دراصل ضمیر پر عقیدے کو بالجبر مسلط کرنے کے ہم معنی ہوگا!

لیکن اسلام میں صحیح صورتِ حال کچھ اور ہے۔ اسلام ایک خدائی نظام ہے ایسا نظام، جو صرف حاکمیتِ الٰہ کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور وہ پوری انسانی زندگی کی تنظیم کرتا اور تمام مسائل زندگی سے بحث کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی ایک گوشہ بھی اس کے دائرے سے خارج نہیں رہتا! لہٰذا اسلام کے لیے جہاد دراصل اس نظام کے قیام، اور اس دستور کے نفاذ کے لیے جہاد ہوگا۔ رہا عقیدہ، تو وہ سارے مادّی حجابات اٹھا دینے کے بعد انسان کے ارادہ وانتخاب اور اطمینانِ قلب پر موقوف ہوگا۔ یہیں سے بنیادی طور پر معاملے کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اور ایک بالکل ہی نئی دل پذیر شکل سامنے آجاتی ہے۔

جہاں کہیں بھی کوئی ایسی اسلامی تنظیم پائی جائے، جو خدائی نظام کا نمونہ اور اس کی عملی تصویر ہو، اسے خدا کی طرف سے اقتدار کو ہاتھ میں لینے اور اس نظام کے قیام کے لیے حرکت میں آنے کا پورا حق حاصل ہوگا۔ لیکن عقیدہ، جو ایک وجدانی چیز ہے آزادیٔ وجدان پر ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو اگر ایک مدت تک جہاد سے روکے رکھا تو اس کا تعلق اصول سے نہیں۔ طریقِ کار سے تھا۔ مسئلہ عقیدہ سے نہیں، تحریکی تقاضوں سے تھا۔

اگر یہ واضح اور روشن بنیاد سامنے رہے تو کچھ دشوار نہیں کہ ہم مختلف اوقات اور مختلف ادوار میں نازل ہونے والی قرآنی آیات کو سمجھ سکیں۔ اور تحریکِ اسلامی کی طویل اور مستقل سرگرمیوں سے متعلق ان کی جو ہنگامی ہدایات تھیں، انھیں اصولی ہدایات سے گڈمڈ نہ ہونے دیں۔

Marfat.com

لا الٰہ الا اللّٰہ

ایک نظامِ زندگی

عقیدۂ اسلام کا پہلا ستون ہے تنہا اللہ کی بندگی۔ اور اس بندگی کی کیفیات و تفصیلات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی جائیں یہ ہے اس کا دوسرا ستون ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت دراصل اسی عہد کا اعلان اور اسی عزم کا اظہار ہے۔

مسلم و مومن شخص وہی ہے، جس کے دل میں یہ عقیدہ اپنے ان دونوں اجزاء کے ساتھ راسخ ہو۔ کیونکہ جتنے بھی اسلامی ارکان اور ایمانی بنیادیں ہیں وہ حقیقت میں انہی کا لازمی تقاضا ہیں۔ فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، اچھی اور بری تقدیروں پہ ایمان اور روزِ آخرت پر ایمان، اسی طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، پھر حدود و تعزیرات، حلت و حرمت، احکام و معاملات اور بقیہ دوسری اسلامی ہدایات —— ان سب کی بنیاد ہے۔ تنہا اللہ کی بندگی اور ان تمام کا سرچشمہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی۔

اسلامی معاشرہ وہ معاشرہ ہے جو اس عقیدے کا عملی پیکر اور اس کے تمام تقاضوں کی سچی تصویر ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی اسلامی معاشرہ نہیں ہو سکتا۔

یہیں سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی اس دستورِ کامل کی اساس قرار پاتی ہے، جس پر امتِ مسلمہ کی زندگی کی عمارت کھڑی ہوتی۔ گویا اس زندگی کا وجود اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک یہ بنیاد نہ پائی جائے، نہ کوئی زندگی اسلامی زندگی ہو سکتی ہے جب تک وہ اس کے علاوہ کسی اور بنیاد پر قائم ہو یا

Marfat.com

اسی کے ساتھ ساتھ ایک یا متعدد ایسی بنیادیں بھی موجود ہوں جو اس کے لیے بالکل نامانوس اور اجنبی ہوں۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (یوسف: ۴۰)

اقتدار تو بس اللہ کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی صحیح اور سیدھا دین ہے۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔ (النساء: ۸۰)

جس نے رسولؐ کا حکم مانا حقیقت میں اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اس مختصر اور دو ٹوک فرمانِ الٰہی سے دین کی حقیقت اور اس کی عملی سرگرمیوں سے متعلق متعین طور پر کچھ بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) مسلم معاشرے کا مزاج
(۲) مسلم معاشرے کے نشوونما ارتقاء کا انداز
(۳) جاہلی معاشروں کے مقابلے میں اسلام کا موقف
(۴) زندگی کی موجودہ صورت حال کے سلسلے میں اسلام کا طرز عمل

یہ ساری باتیں بالکل قطعی انداز میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ اور یہ وہ بنیادی باتیں ہیں جو تحریکِ اسلامی کے طریقِ کار کے سلسلہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔ پہلے بھی رکھتی تھیں، اور آج بھی رکھتی ہیں۔

سب سے پہلی چیز جو "مسلم معاشرے" کے مزاج کو ممتاز کرتی ہے وہ ہے اس کی عبودیت۔ کہ اس کے سارے معاملات میں تنہا عبودیت الٰہی کی شان نمایاں ہو گی: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی ہم سے اسی عبودیت کا مطالبہ کرتی ہے۔

تصورات کی دنیا ہو، عبادات کی محفل ہو یا قوانین کی بارگاہ ہو، ہر جگہ اسی عبودیت کی نکہتیں اور اسی کی تجلیاں ہوں۔

چنانچہ وہ خدائے واحد کا بندہ نہیں، جس کا دل خدا کی وحدانیت پر مطمئن نہ ہو:

Marfat.com

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۔ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ؟ (النحل ۵۱ ـ ۵۲)

اور اللہ نے کہا ہے: دو دو الٰہ نہ بناؤ۔ وہ تو بس اکیلا الٰہ ہے۔ اس لیے مجھ سے ہی ڈرو۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اطاعت اسی کا حق ہے ہمیشہ۔ پھر کیا اللہ کے علاوہ کسی اور سے ڈروگے ؟!

وہ بھی خدائے واحد کا بندہ نہیں جو عبادت کے نذرانے غیر اللہ کے قدموں پر ڈالتا ہو ــــ خواہ اس میں اللہ تعالیٰ شریک ہو یا نہ ہو ــــ :

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (الانعام ۱۶۲ ـ ۱۶۳)

کہو: میری نماز، اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا (سب کچھ) اللہ کے لیے ہے، جو سارے جہان کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

اور وہ بھی خدائے واحد کا بندہ نہیں جو زندگی کے نظام اور زندگی کے قوانین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی خدائی ہدایات سے حاصل کرنے کے بجائے غیر اللہ کے دروں پر دستک دیتا ہو۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ؟ (الشوریٰ ۲۱)

کیا ان لوگوں کے پاس کچھ شرکا ہیں جنھوں نے ان کے لیے کوئی ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کا اذن اللہ نے نہیں دیا۔ ؟

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر ـ ۷)

اور رسول تمھیں جو کچھ دے اسے لے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔

یہ ہے مسلم معاشرہ۔ وہ معاشرہ جس کے تصورِ اعتقادی میں بھی تنہا بندگیٔ رب

کی شان نمایاں ہوگی۔ شعائر وعبادات میں بھی اسی شانِ عبودیت کی جھلک ہوگی اور اجتماعی نظام اور اجتماعی قوانین و احکام میں بھی اسی کی بوئے جاں نوازہ ہوگی، کیونکہ ان گوشوں میں سے کوئی ایک گوشہ بھی غائب ہوا تو خود اسلام کا بھی وجود باقی نہ رہے گا کہ اس کے رکن اول " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ " کی شہادت کا ہی وجود نہ رہا۔

ابھی اوپر ہم کہہ آئے ہیں کہ : عبودیت الٰہی کی جھلک "تصور اعتقادی" میں بھی ہوگی۔ اب یہاں یہ بتا دینا مناسب ہوگا کہ اسلام کا تصور اعتقادی ہے کیا ہے؟ یہ ایک تصور ہے جو انسان کے ذہن میں ابھرتا ہے جب وہ براہ راست سرچشمۂ ربانی یعنی کتاب الٰہی سے فیضیاب ہوتا اور عقیدے کی حقیقتیں رگ و پے میں جذب کر لیتا ہے پھر یہی تصور ہے جس کی رہنمائی میں وہ معرفت الٰہی کی منزلیں طے کرتا ہے۔ یہی تصور ہے جس کے آئینہ میں وہ کائنات کا مشاہدہ کرتا اور اس کے خفی و جلی حقائق کا سراغ لگاتا ہے۔ یہی تصور ہے جس کی روشنی میں وہ زندگی کے اسرار و رموز پر غور کرتا اور اس کی ظاہر و مخفی حقیقتیں دریافت کرتا ہے۔ اور یہی وہ چراغ ہے جسے لے کر وہ عرفان نفس و عرفان ذات کی وادی میں قدم رکھتا ہے پھر اسی تصور کی روشنی میں وہ تمام چیزوں کے ساتھ اپنے موقف کی تعیین کرتا ہے۔ خدا کی جناب میں وہ ایسا موقف اختیار کرتا ہے جس میں عبودیت و بندگی کی شان نمایاں ہو۔ انسان، حیوان، کائنات، اور طبعی قوانین کے سلسلے میں وہ ایسا طرز اختیار کرتا ہے جو دین الٰہی کے ان اصولوں کی روشنی میں ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں، تاکہ یہاں پر بھی خالص عبودیت الٰہی کی جلوہ طرازی ہو۔ اس طرح یہ تصور مسلم معاشرے کی پوری زندگی اور زندگی کی ساری سرگرمیوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔

جب یہ بات طے ہوگئی کہ یہی "مسلم معاشرہ" ہے، تو اس معاشرے کی تعمیر کیسے ہو؟ اس تعمیر کا انداز کیا ہو؟

اس قسم کا معاشرہ اُس وقت تک تعمیر نہیں ہو سکتا جب تک انسانوں کی ایک

Marfat.com

ایسی جماعت وجود میں آ جائے۔ جو یہ فیصلہ کرلے کہ اس کی مکمل بندگی صرف خدا کے لیے ہوگی غیر اللہ کی بندگی کے وہ قریب نہ پھٹکے گی ــــــ نہ اس کے اعتقاد و تصور میں غیر اللہ کی بندگی ہوگی، نہ عبادات و شعائر میں اس کی کوئی جھلک ہوگی ــــــ اور نہ دستور و نظام اور آئین و قوانین میں اس کی کوئی مہک ہوگی ــــــ پھر وہ اسی خالص بندگی کی اساس پر عملاً پوری زندگی کی تعمیر کرے ــــــ دل و دماغ کو غیر اللہ کے عقیدۂ الوہیت سے پاک کرے عبادات کو غیر اللہ کے آستانوں کی ہوا نہ لگنے دے۔ اور آئین و قوانین کے لیے اس کے ذہن میں غیر اللہ کا تصور نہ آئے۔ بھول کر بھی نہ آئے۔

اس وقت ــــــ ہاں صرف اس وقت یہ جماعت "مسلم جماعت" ہوگی، اور اس کے ہاتھوں تعمیر ہونے والا یہ معاشرہ "مسلم معاشرہ" ہوگا ــــــ لیکن اگر معاشرے کے یہ افراد عبادات میں یہ اخلاص پیدا کرنے کا فیصلہ نہ کریں، تو وہ مسلمان نہ ہوں گے ــــــ اس اساس پر اپنی زندگیوں کی تعمیر کرنے سے پہلے ان کا معاشرہ مسلم معاشرہ نہ ہوگا ــــــ کیونکہ وہ پہلی اینٹ جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، اور وہ پہلا پتھر جس پر مسلم معاشرے کا قلعہ تعمیر ہوتا ہے، یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت، اس کے دونوں ہی اجزا ناپید ہیں۔

اسلام کا اجتماعی نظام قائم کرنے اور ایک مسلم معاشرے کی داغ بیل ڈالنے کا خیال ذہن میں لانے سے پہلے ناگزیر ہے کہ تمام تر توجہ دلوں کو غیر اللہ کی عبودیت سے پاک کرنے پر صرف ہو پھر وہ افراد جن کے دل غیر اللہ کی عبودیت سے پاک ہو جائیں، وہ ایک مسلم جماعت کی شکل میں منظم ہوں ــــــ کیونکہ جو جماعت ہر پہلو سے غیر اللہ کی عبودیت سے پاک ہوگی، اسی جماعت سے مسلم معاشرے کا وجود ہوگا جن افراد کے دل بادۂ توحید سے سرشار، جن کی عبادتیں اخلاص و للہیت کی آئینہ دار اور جن کی زندگیاں شاہ شریعت کی تابعدار ہوں گی، وہی افراد مسلم معاشرے کے ستون ہوں گے پھر جو شخص اس معاشرے میں ضم ہونا

Marfat.com

چاہے گا اور اسلامی عقائد و عبادات کو ماننے اور اس شریعت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوگا جو فی الواقع عقیدۂ لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ کی عملی تعبیر ہے، وہ آکر اس میں شامل ہو جائے گا۔

وہ پہلی مسلم جماعت، جس نے پہلے معاشرے کی تعمیر کی تھی اس کا نشو و ارتقا اسی انداز پر ہوا تھا، اور اسی انداز پر ہر مسلم جماعت کا نشو و ارتقا ہو سکتا ہے نیز کسی مسلم معاشرے کے قیام کی بھی یہی شکل ہے۔

مسلم معاشرہ بس اسی طرح وجود میں آ سکتا ہے کہ کچھ افراد یا چند جماعتیں غیر اللہ کی عبودیت سے نکل کر خدائے واحد کی عبودیت میں آ جائیں اور وہ یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کے نظامِ زندگی کی بنیاد یہی عبودیت ہو گی ــــ یہی وہ ساعت ہو گی جب اس نئے معاشرے کی نئی زندگی کی تکمیل ہو گی ــــ یہ نیا معاشرہ اگرچہ جاہلی معاشرے کے ہی بطن سے نمودار ہوگا، مگر ایک نئے عقیدے اور ایک نئے نظام کے ساتھ اس سے آنکھیں ملائے گا ــــ وہ نظام عقیدے کی ہی بنیادوں پر قائم اور اسلام کے رکن اول، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ہی عملی شکل ہوگا۔

ممکن ہے اس وقت پورا جاہلی معاشرہ نئے اسلامی معاشرے میں آکر شامل ہو جائے۔ اور یہ بھی خدشہ ہے کہ صورت حال اس کے برعکس ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ وہ نئے مسلم معاشرے سے صلح کر لے، اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ آمادۂ پیکار و برسرِ جنگ ہو جائے، گرچہ دستور یہی رہا ہے کہ جاہلی معاشرہ پورے طنطنہ کے ساتھ میدان میں اترتا ہے، اور کسی رورعایت سے کام لیے بغیر پیہم دھاوے لگاتا ہے نشوونما کے زمانے میں اس معاشرے کے ہراول دستوں پر بھی لگاتا ہے، اور عملاً قائم ہو چکنے کے بعد خود اس معاشرے پر بھی۔ نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک بلا استثناء ہر زمانے میں تاریخ دعوتِ اسلامی کا یہی تجربہ رہا ہے۔

Marfat.com

قدرتی طور پر اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ نیا مسلم معاشرہ اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا، اور صحیح معنوں میں وقت تک اس کا چراغ نہیں جل سکتا، جب تک وہ اتنی قوت نہ فراہم کرلے جس سے قدیم جاہلی معاشرے کا مقابلہ کرسکے۔ تصوری اور اعتقادی قوت بھی، اخلاقی، اور روحانی قوت بھی، تنظیمی اور اجتماعی قوت بھی۔ غرض وہ ساری قوتیں جن سے وہ جاہلی معاشرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے۔ اس پر غالب آسکے، یا کم از کم مقابلے میں پوری پامردی اور ثابت قدمی سے ڈٹا رہ سکے۔

لیکن "جاہلی معاشرہ" ہے کیا؟ اور اس کے سلسلے میں اسلام کا موقف کیا ہوگا؟

ہر وہ معاشرہ جاہلی معاشرہ ہے، جو مسلم معاشرہ نہ ہو! اگر ہم اور زیادہ جامع و مانع تعریف کرنا چاہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں ——— ہر وہ معاشرہ جس کی بندگی کا قبلہ و کعبہ تنہا اللہ تعالیٰ نہ ہو، جس کے عقائد و تصورات میں اسی کا جلوہ نہ ہو، جس کی عبادتیں اور نیازمندیاں اسی کے لیے خاص نہ ہوں، اور جس کے قوانین و احکام اسی کی بارگاہ قدس سے ماخوذ نہ ہوں، وہ جاہلی معاشرہ ہے۔

اس جامع و مانع تعریف سے "جاہلی معاشرے" کی صف میں وہ سارے معاشرے آجائیں گے جو اس وقت روئے زمین پر موجود ہیں!!

اس میں اشتراکی معاشرے بھی آجائیں گے ——— کیونکہ خدا کے سلسلہ میں ان کا رویہ ملحدانہ ہے۔ وہ سرے سے اس کے وجود کے ہی منکر ہیں۔ وہ اس کائنات کی مؤثر طاقت یا اصل علت "مادے" یا "فطرت" کو قرار دیتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی اور انسانی تاریخ کا خالق و محرک "معاش" یا "ذرائع پیداوار" کو ٹھہراتے ہیں۔ ثانیاً وہ ایک ایسے نظام کے بانی ہیں جس میں بندگی پارٹی کی ہوتی ہے ——— کیونکہ اس نظام میں اجتماعی قیادت ہی اصل حقیقت ہے! ——— خدا کی قیادت کوئی چیز ہی نہیں! پھر

Marfat.com

اس نظام و تصور کے نتیجہ میں جو "انسانی خصوصیات کا جنازہ اُٹھ جاتا ہے وہ الگ ہے۔ ان کے نزدیک انسان کی "بنیادی ضرورتیں" وہی ہیں جو حیوان کی ہیں۔ کھانا، پانی، کپڑا، گھر اور جنسی تسکین! پھر وہ "انسانی" روح جو اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے اس کی ضروریات سے وہ یکسر محروم ہو جاتا ہے۔ خدا کا عقیدہ اسے اپنانے کا حق اور اس کے اعلان کی مکمل آزادی جو انسانی روح کی سب سے اوّلین اور بنیادی ضرورت ہے۔ اس سے سلب ہو جاتی ہے اسی طرح انسان کی نمایاں ترین خصوصیت اس کی "انفرادیت پسندی" ہے۔ یہی چیز ہے جو شخصی ملکیت کے پردے میں نظر آتی ہے۔ اور یہی وہ بجلی ہے جو کسی فن کا انتخاب کرنے، اس میں امتیاز حاصل کرنے اور اپنی شخصیت کو ابھارنے اور نکھارنے کے لیے بیتاب رکھتی ہے۔ انسان کی یہ نمایاں ترین خصوصیت بھی اس معاشرے میں گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ ساری خصوصیات جو "انسان" کو "حیوان" یا "مشین" سے ممتاز کرتی ہیں، وہ سب سسک سسک کر دم توڑ دیتی ہیں۔ کیونکہ اشتراکی تصور ہو یا اشتراکی نظام، دونوں ہی بسا اوقات انسان کو حیوان کے بھی مرتبے سے اتار کر مشین کے مرتبہ میں لا کھڑا کرتے ہیں!

اس جاہلیت کی صف میں صنم پرست معاشرے بھی شامل ہیں ——— جو اب تک ہندوستان، جاپان، فلپائن اور افریقہ میں موجود ہیں ——— کیونکہ وہ اپنے تصور و اعتقاد کی بنیاد غیر اللہ کی الوہیت کو قرار دیتے ہیں ——— خواہ اس الوہیت میں اللہ تعالیٰ شریک ہو یا نہ ہو ——— ثانیاً: وہ مذہبی عبادات و رسوم کے نذرانے بھی عملاً ان بہت سے دیوتاؤں اور معبودوں کے آستانوں پر لے جاتے ہیں، جن کی الوہیت کے وہ قائل ہوتے ——— نیز ایسے نظاموں اور اصول و نظریات کے وہ علمبردار ہیں، جن کا سرچشمہ غیر اللہ اور ان کی شریعت ہے۔ معاملہ کی نوعیت میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ نظام اور یہ اصول و نظریات مجاوروں، کاہنوں، پروہتوں جادوگروں اور پنڈتوں سے حاصل

Marfat.com

کیے جائیں یا ان متمدن "سیکولر" اداروں سے جو شریعت الٰہی کی طرف رُخ کیے بغیر حق قانون سازی کے مالک ہوں ـــــ دوسرے لفظوں میں "قوم" یا "پارٹی" یا کسی ہستی کے نام سے خود اقتدار اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوں ـــــ حالانکہ اقتدار اعلیٰ تو صرف اللہ کا حق ہے، اور اس کا نفاذ بس اسی طرح ممکن ہے جس طرح اس کے رسولوں نے بتایا ہے۔

اس جاہلیت کی صف میں دُنیا کے سارے یہودی اور عیسائی معاشرے بھی داخل ہیں ـــــ اولاً: اپنے ان بگڑے ہوئے عقائد کی وجہ سے جن کی رو سے الوہیت صرف اللہ کے لیے خاص نہیں رہ جاتی۔ اس کے بہت سے شرکاء پیدا ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ شرکت کسی بھی صورت میں ہو۔ تثلیث کی صورت میں ہو یا کسی کو اس کا بیٹا قرار دیکر ہو، غلط اور گمراہ تصورات کے نتیجہ میں ہو، یا مخلوق کا اس کے ساتھ اس قسم کا رشتہ جوڑ کر ہو، جس کا حقیقت اور واقعیت سے کوئی تعلق نہ ہو:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ۔۔

(التوبہ - ۳۰)

یہودیوں نے کہا، عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کی خود ساختہ اور من گھڑت باتیں ہیں یہ بالکل ویسی ہی باتیں کہتے ہیں جیسی ان لوگوں نے کہیں جو ان سے پہلے کفر میں پڑ چکے ہیں اللہ انھیں ہلاک کرے" یہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں؟

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ

بلاشبہ ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا: "اللہ تو تین کا تیسرا ہے" حالانکہ الٰہ واحد کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ جو کچھ یہ کہتے ہیں اگر اس سے باز نہ آئے تو ان کافروں کو دردناک عذاب چمٹ کر رہے گا۔

Marfat.com

اَلِیْمٌ۔ (المائدہ ۷۳)

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَاءُ ..

(المائدہ ۶۴)

اور یہود کہتے ہیں: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ انہی کے ہاتھ باندھے جائیں لعنت ہو ان پر، اس طرح کی بکواس کرنے پر۔ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصٰرٰی: نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ قُلْ: فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ بِذُنُوْبِکُمْ؟ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ:

(المائدہ ۱۸)

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں: "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں" کہو: تو پھر وہ تم کو تمھارے گناہوں پر سزا کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) تم بھی انسان ہی ہو جس طرح اور انسان ہیں۔

ایک چیز اور بھی ہے جو انھیں جاہلی معاشروں کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے وہ ایسے مذہبی مراسم کے پابند اور ایسے رسوم و رواج میں گرفتار ہیں۔ جو سرتاسر گمراہ تصورات اور باطل عقائد کا کرشمہ ہیں ——— ان کے وہ نظام اور اصول و نظریات بھی انھیں جاہلیت کی صف میں لا کھڑا کرتے ہیں جو جمالِ توحید و نورِ بندگی سے یکسر خالی ہیں۔ یہ حقِ حاکمیت خُدا کے لیے تسلیم نہیں کرتے، نہ اس کی شریعت کو آخری اتھارٹی سمجھتے ہیں، بلکہ اُنھوں نے انسانوں پر مشتمل ایسے ادارے قائم کر رکھے ہیں، جو ناجائز طور پر اس حاکمیت اعلیٰ کے منصب پر براجمان ہیں، ورنہ اس منصب کا تو تنہا حق دار اللہ ہے۔ زمانۂ قدیم میں جب کہ نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اللہ نے ان پر شرک و کفر کی فردِ جرم عائد کی تھی، کیونکہ اُنھوں نے احبار و رہبان کے لیے یہ حق تسلیم کر لیا تھا۔ وہ جیسے چاہتے قانون بناتے اور یہ ان کے خود ساختہ قوانین بے چون و چرا تسلیم کر لیتے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ

اُنھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار و رہبان

Marfat.com

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا، لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ (التوبہ ۳۱)

کو رب بنا لیا ــــ اور مسیح ابن مریم کو بھی، ــــ حالانکہ انھیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہ دیا گیا تھا کہ الٰہ واحد کے سوا وہ کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔ اس کی شان وعظمت کے منافی ہے، وہ شرک جو یہ کرتے ہیں۔

یاد رہے وہ لوگ احبار و رُہبان کے الٰہ یا معبود ہونے کا عقیدہ کبھی نہیں رکھتے تھے، نہ اُن کے آستانوں پر مذہبی عبادات کے نذرانے پیش کرتے تھے، وہ فقط ان کے لیے حق حاکمیت کے قائل تھے، وہ احبار و رُہبان خدا کی طرف سے قانون سازی کے منصب پر مامور نہ تھے، پھر بھی وہ اپنے دل سے قانون بناتے، اور یہ آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیتے اب اگر اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرک وکافر کے لفظ سے موسوم کیا تو پھر ان موجودہ یہود ونصاریٰ کے مشرک وکافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جبکہ آج انھوں نے یہی حق قانون سازی کا حق ان لوگوں کو دے رکھا ہے جو احبار و رہبان بھی نہیں، انہی جیسے حیوان ہیں۔

آخر میں جاہلی معاشروں کی صف میں وہ سارے معاشرے بھی آ جائیں گے، جو آج اپنے "مسلم" ہونے کے مدعی ہیں۔!

یہ معاشرے اس صف میں اس لیے نہیں کھڑے ہیں کہ وہ غیر اللہ کے الٰہ و معبود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں یا ان کی عبادات کا قبلہ غیر اللہ ہیں۔ وہ اس صف میں صرف اس لیے نظر آتے ہیں کہ اپنے نظام حیات میں وہ تنہا اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں، اس طرح وہ گرچہ غیر اللہ کی الوہیت کا عقیدہ نہیں رکھتے، مگر الوہیت کا مخصوص ترین حق غیر اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ غیر اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتے اور اپنے نظاموں، قدروں، پیمانوں، قوانین و احکام، عادات و اخلاق ــــ غرض کے سارے

Marfat.com

امور کے لیے اسی حاکمیت کے در پر دستک دیتے ہیں!۔

حالانکہ حکام کے سلسلہ میں خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ ۴۴)	اور جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں جو اللہ نے اتارا ہے، تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

اور عام لوگوں کے سلسلہ میں بھی یہ ارشاد الٰہی موجود ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جو تمھاری طرف اتارا گیا ہے اور جو تم سے پہلے اتارا گیا ہے چاہتے ہیں کہ فیصلے کرانے کے لیے طاغوت کے پاس جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کریں
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا	سو نہیں تمھارے رب کی قسم، یہ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک اپنے درمیان اٹھنے والے جھگڑے میں تم فیصلہ نہ کرائیں۔ پھر جو فیصلہ تم کر دو، اس پر اپنے دل میں کوئی کھٹک نہ پائیں اور پورے طور پر تیرے آپ کو حوالہ کر دیں۔
∴ ∴ ∴ ∴ (النساء ۶۰۔ ۶۵)	

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کو شرک و کفر، عبادت الٰہی سے گریز اور احبار پرستی و رہبان پرستی کا ملزم قرار دیا، جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے احبار و رہبان کو وہ حیثیت دے رکھی تھی، جو آج "مسلم" عوام اپنے کچھ افراد کو دے دیتے ہیں! اور اس کو اللہ تعالیٰ نے بالکل اسی درجہ کا شرک قرار دیا جس درجے کا شرک عیسیٰ بن مریم کو رب بنا کر ان کی الوہیت کے گن گانے اور ان کی عبادت کرنے کو۔ جس سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی کے لیے

Marfat.com

حاکمیت اور قانون سازی کا حق تسلیم کرنا بالکل اسی طرح خدا سے بغاوت حق سے عداوت اور بندگی الٰہی سے خروج ہے، جس طرح کسی کی الوہیت و ربوبیت کے گن گانا۔ ظاہر ہے اس کے بعد کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی دین الٰہی میں باقی نہیں رہ سکتا۔

ان نام نہاد مسلم معاشروں میں سے بعض معاشرے تو ڈنکے کی چوٹ پر اپنی "لادینیت" کا اعلان کرتے ہیں؛ اور بعض اعلان تو کرتے ہیں کہ ان کے دل میں دین کا احترام ہے، لیکن اجتماعی نظام سے اسے بے دخل کر دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم "غیب" کے قائل نہیں۔ ہمارے نظام کی بنیاد "علم" پر ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک علم، غیب کا نقیض ہے! حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا جاہلانہ استدلال ہے، جو جاہلوں ہی کی زبان سے ادا ہو سکتا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو عملاً حاکمیت کے منصب پر تو غیر اللہ کو لا بٹھاتے ہیں اور وہ خود جو چاہتے ہیں، قانون گھڑتے ہیں۔ پھر خود ساختہ قانون اور اپنی طبع زاد شریعت کے سلسلے میں دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا قانون اور اللہ کی شریعت ہے۔! واقعہ یہ ہے کہ یہ سبھی معاشرے اس حیثیت سے بالکل یکساں ہیں کہ ان کی بنیاد تنہا بندگی رب پر نہیں۔

جب یہ بات طے ہو گئی تو سارے جاہلی معاشروں کے سلسلہ میں اسلام کا موقف بالکل دو ٹوک انداز میں سامنے آجاتا ہے کہ وہ ان معاشروں کی اسلام پسندی اور شریعت نوازی کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

اسلام ان معاشروں کے بلّے نہیں دیکھتا۔ ان کی سرخیاں اور سائن بورڈ نہیں دیکھتا ان کے لیبل اور ان کے ٹائیٹل نہیں دیکھتا۔ وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ ایک ہی چیز ان سب میں مشترک ہے ——— یہ سب خدا سے دور ہیں۔ ان سب کی زندگیوں کی بنیاد خدائے واحد کی کامل بندگی پر نہیں۔ اور یہیں سے یہ نام نہاد مسلم معاشرے بقیہ دوسرے معاشروں سے "جاہلیت" کی صفت میں

Marfat.com

آکر مل جاتے ہیں۔

مسلم معاشرے کے مزاج اور اس کی بنیادی خصوصیت کے سلسلہ میں پیچھے ہم جو یہ عرض کر آئے ہیں کہ اس کے سارے معاملات کی بنیاد تنہا عبودیتِ الٰہی ہوگی، اس سے آخری حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔ اور اس سوال کا جواب خود بخود بے نقاب ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ موجودہ انسانی زندگی کے سلسلہ میں اسلام کا کیا موقف اور کیا طریقِ کار ہوگا؟ آج کیا موقف ہوگا؟ کل کیا موقف ہوگا؟ اور ہمیشہ کیا موقف رہے گا؟

اس مزاج کی تعیین فیصلہ کن انداز میں ہمیں بتاتی ہے کہ وہ کون سا نقطہ ہوگا، جس کے گرد انسانی زندگی گردش کرے گی؟ وہ کونسی بنیاد ہوگی جس پر اس کی عمارت کھڑی ہوگی؟ کیا وہ دینِ الٰہی اور خدائی نظامِ زندگی ہوگا؟ یا انسانی عرف اور سماجی نظام ہوگا خواہ کوئی بھی ہو اور کیسا بھی ہو؟

اسلام ایک لحہ بھی پس و پیش یا توقف کیے بغیر بالکل دوٹوک انداز میں کہتا ہے کہ وہ بنیاد جس کی طرف ساری انسانی زندگی کو پلٹنا ہوگا وہ دینِ الٰہی اور خدائی نظامِ زندگی ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت جو اسلام کا رکنِ اوّل ہے اس وقت تک معتبر نہ ہوگی جب تک یہ بنیاد نہ ہو۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق خدائے واحد کی کامل بندگی اس وقت تک نہ پائی جائے گی جب تک یہ بنیاد بغیر کسی توقف اور پس و پیش کے عملاً نہ تسلیم کر لی جائے۔

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ — رسول تمھیں جو کچھ دے اُسے لے لو جس چیز سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔

(الحشر، ۷)

اسلام پوچھتا ہے:

ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ؟ — تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟۔

پھر خود ہی جواب دیتا ہے:

"وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" "اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔"

"وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" "اور تمھیں تو بس برائے نام ہی علم دیا گیا ہے۔"

جو علم رکھتا ہے، جو پیدا کرتا اور روزی دیتا ہے وہی حکومت بھی کرے گا۔ دین اسلام جو اس کا تیار کیا ہوا نظام ہے، اسی کی طرف انسانی زندگی کو پلٹنا اور اسی کا اتباع کرنا ہوگا ——— رہے انسانی مذاہب و نظریات اور سماجی عرف، تو یہ تو بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ ان کی بنیاد ان انسانوں کا علم ہے۔ جنھیں علم سے کوئی واسطہ نہیں۔ جو جہل و ناواقفیت کی تاریکی میں ہاتھ پیر مارتے ہیں!

دین الٰہی میں ذرا بھی ابہام نہیں، خدائی نظام زندگی میں کسی تغیر کی گنجائش نہیں۔ کلمۂ شہادت کے دوسرے جزو: محمد رسول اللہ نے اس کے حدود متعین کر دیئے۔ وہ بس انہی اصولی اور بنیادی نصوص کے اندر محصور ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں ——— اگر کوئی نص موجود ہے تو نص ہی حکم ہوگا۔ اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہ ہوگا۔ اور اگر نص موجود نہیں تو اجتہاد کی باری آئے گی لیکن یہ اجتہاد انہی متعینہ اصولوں کی روشنی میں ہوگا جن کی خود دستور الٰہی میں نشاندہی کر دی گئی ہے، نہ کہ نفس امارہ اور عقل آوارہ کی رہنمائی میں:

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔۔ پھر اگر تمھارے درمیان کسی چیز میں جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ و رسول کی طرف لے جاؤ۔

اجتہاد و استنباط کے اصول بھی متعین اور جانے پہچانے ہیں۔ ان کے اندر نہ کوئی ابہام ہے نہ تغیر و تبدل کی گنجائش ——— لہٰذا کسی بھی فرد کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ خود قانون بنا کر کہے: یہ اللہ کا قانون ہے۔ اس کے برعکس ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ خدا کی حاکمیت اعلیٰ کو کھلے دل سے تسلیم کرے۔ اور اقتدار کا منبع و سرچشمہ صرف اسی کو سمجھے، نہ کہ (پبلک، یا (پارٹی)، یا کسی فرد بشر کو، نیز اس کی مرضی معلوم کرنے کے لیے کتاب و سنت کی طرف رجوع کرے۔ یاد رہے، خدا کی طرف سے ترجمانی کا حق ہر

Marfat.com

اس فرد کو ہرگز نہ ہوگا جو اللہ کے نام پر اقتدار کا دعویٰ کرنا چاہے، جیسا کہ "تھیا کریسی" یا "مقدس اسٹیٹ" کے نام سے یورپ میں کبھی ایسا ہوا، کہ اس کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ وہ اللہ کی مرضی کی ترجمانی کرے۔ انتہائی واضح طور پر ایسے نصوص موجود ہیں جو شریعت الٰہی کے حدود مقرر کر دیتے ہیں۔

"الدین للواقع" (دین زندگی کے حسب حال ہے) کا مفہوم سمجھنے میں لوگ بری طرح ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ اسی طرح اس کا استعمال بھی بے محل ہوتا ہے۔ بلاشبہ دین زندگی کے حسب حال ہے لیکن کس زندگی کے!

اس سے مراد وہ زندگی ہے جسے خود یہ دین اپنے ان اصولوں کے مطابق تشکیل دے جو فطرت انسانی پر پوری طرح منطبق ہوتے اور انسان کی تمام ہی حقیقی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں۔ البتہ ان ضروریات کی تعیین بھی خود وہ ذات کرے گی جو خالق ہے اور مخلوقات کا پورا علم رکھتی ہے:

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ، وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک ۱) — کیا وہ نہ جانے گا جس نے پیدا کیا، جبکہ وہ بہت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

دین کی یہ کوشش کبھی نہیں ہوتی کہ خواہ کسی بھی طرز کی زندگی ہو، اُسے وہ جوں کی توں برقرار رکھے، یا اس کے لیے سند جواز تلاش کرے، اور کسی حکم شرعی کا سُراغ لگا کر اس کے چہرے پر مستعار سائن بورڈ کی طرح آویزاں کر دے! وہ تو انسانی زندگی کی طرف اس ارادے سے بڑھتا ہے کہ اسے اپنی میزان میں تولے، جو چیزیں برقرار رکھنے کی ہیں، انھیں برقرار رکھے۔ جو چیزیں رد کرنے کی ہیں، انھیں رد کر دے۔ اور اگر وہ زندگی بالکل ہی پسند نہ آئے تو اسے منہدم کر کے ایک دوسری زندگی تعمیر کرے اور جو زندگی وہ تعمیر کرے گا، حقیقت میں وہی زندگی ہو گی اسلام "حقیقت پسند" دین ہے، یا "اسلام زندگی کے حسب حال ہے" اس کا مفہوم بس یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ تو کیا تمھارا یہ فرض نہیں کہ اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کی کوشش کرو!

Marfat.com

ہوسکتا ہے اس موقعے پر سوال کیا جائے:
"کیا یہ فرض نہیں کہ انسانی زندگی مصلحت انسانی کے سانچے میں ڈھالی جائے؟!"
ہم پھر اس سوال کی طرف پلٹتے ہیں، جسے اسلام خود اٹھاتا اور خود ہی اس کا جواب دیتا ہے:

ءَ اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؟	"تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟"
وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ	"اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے!"

مصلحتِ انسانی تو خود شریعتِ الٰہی میں مضمر ہے۔ اس شریعت میں جو خود اللہ نے بھیجی اور رسولِ خدا نے ہم تک پہنچائی ہے ــــــ لہٰذا اگر کسی روز انسان کو یہ احساس ہو کہ اس کی مصلحت شریعتِ الٰہی کی خلاف ورزی میں ہے تو اولاً تو وہ اپنے اس احساس میں "واہمہ کا شکار ہوگا":

اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهۡوَى الۡاَنۡفُسُ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمُ الۡهُدٰى ؕ اَمۡ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمَنّٰى ۚ فَلِلّٰهِ الۡاٰخِرَةُ وَ الۡاُوۡلٰى ...	یہ لوگ تو نری اٹکل پر، اور جو جی چاہتا ہے اس پر چل رہے ہیں، جبکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے کہیں آدمی کو ملتا ہے جو چاہے؟ تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے پچھلا بھی، اور پہلا بھی۔
(النجم ۲۳ - ۲۵)	

ثانیاً: "وہ کافر ہوگا" ــــــ ظاہر ہے جس شخص کا یہ گمان ہو کہ مصلحت اس میں ہے جو وہ سمجھتا ہے، خواہ وہ شریعتِ الٰہی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ــــــ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس دین میں باقی اور دین داروں کے زمرے میں شامل رہ سکے!

Marfat.com

کائناتی شریعت

تم جو یہ دیکھتے ہو کہ اسلام فکر و عمل کی دنیا میں اپنے عقائد کی عمارت خالص عبودیت و بندگیٔ رب کی اساس پر قائم کرتا ہے، اور یکساں طور پر عقیدہ، عبادت شریعت تمام ہی چیزوں سے اسی نور بندگی کی شعائیں پھوٹتی اور اسی نکہت عبودیت کی موجیں اٹھتی ہیں۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا، اگر زندگی کے تمام معاملات میں خدائے واحد کی خالص و کامل بندگی نہ ہو۔ اسی طرح محمد رسول اللہ کی عملی شہادت بھی اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس عبودیت و بندگی کی کیفیات آپ ہی کی بارگاہ قدس سے حاصل کی جائیں۔

بلاشبہ اسلام جس وقت اپنی پوری عمارت اس اساس پر چنتا ہے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت اسلامی نظام حیات کی نمائندگی کرتی، اور اس نظام کے خد و خال کو نمایاں اور اس کی خصوصیات کو اجاگر کرتی ہے ـــــ بلاشبہ اسلام جس وقت اپنا قصر اس بے مثال انداز سے تعمیر کرتا ہے، اس بے مثال طرز سے تعمیر کرتا ہے جو اسے ان تمام دوسرے نظاموں سے ممتاز کر دیتا ہے، جن سے انسانیت اب تک آشنا ہو سکی ہے، اس وقت وہ ایک ایسے ضابطہ سے وابستہ ہوتا ہے جو نہ صرف انسان بلکہ پورے عالم اور ساری کائنات کا ضابطہ ہے۔ وہ ایک ایسے نظام سے ہم آہنگ ہوتا ہے جو نہ صرف انسانی زندگی، بلکہ پورے بازغ ہستی کا نظام ہے:

تصورِ اسلامی کی بنیاد یہ ہے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس کی مشیئت ہوئی اور یہ وجود میں آگئی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے قوانین

Marfat.com

اور ایسے ضابطے مقرر کر دیے ہیں جن پر وہ سختی سے کاربند اور ہر آن ان کی پابند ہے۔ ان قوانین سے جہاں اس کی مجموعی حرکت اور مجموعی نظام میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے وہیں اس کے اجزاء کے درمیان بھی کامل ہم آہنگی کی شان نمایاں ہوتی ہے:

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ: كُنْ فَيَكُونُ۔ (النحل ۴۰)

کسی چیز کا جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس سے بس ہمارا یہ کہنا ہوتا ہے، ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا۔ (الفرقان)

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ پھر اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ٹھہرایا۔

اس کائنات کے پردے میں ایک ذہن ہے جو اس کا انتظام کرتا ہے ایک غیبی ہاتھ ہے جو اسے حرکت میں لاتا ہے، ایک ضابطہ ہے جو اسے منظم رکھتا ہے یہ ضابطہ اس کائنات کے اجزاء میں ہم آہنگی پیدا کرتا، اور انہیں ایک نظم کا پابند رکھتا ہے۔ چنانچہ یہ ٹکراتے نہیں، درہم برہم نہیں ہوتے اور ایک منظم انداز میں مسلسل حرکت کرتے رہتے ہیں، اس طرح یہ پوری کائنات اس ذہن، اس غیبی قوت اور اس ضابطے کے آگے سرفگندہ اور پوری طرح اس کی پابند ہے۔ مجال نہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے سرتابی کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پورے سکون کے ساتھ رواں دواں ہے نہ اس میں کوئی بگاڑ پیدا ہوتا ہے نہ اختلال۔ بگاڑ اور اختلال بس اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب خدا کی مشیت ہو۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ، يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ، حَثِيثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ

حقیقت میں تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر تخت حکمرانی پر متمکن ہو گیا، وہ رات پر دن کو اوڑھاتا ہے، جو تیزی سے اس کا تعاقب کر رہا ہے، اور سورج اور چاند اور تاروں کو اس طرح پیدا

مُسَخَّرَاتٍ م بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ، تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ . . . .

(الاعراف ۵۴)

کیا کہ وہ اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ جان لو! اسی نے پیدا کیا ہے، اور اسی کا حکم چل رہا ہے۔ اللہ ساری دنیا کا رب بڑی برکت والا ہے۔

انسان اسی کائنات کا جزء ہے اور اس کی فطرت پر انہی قوانین کی حکمرانی ہے جن کی اس پوری کائنات پر ہے —— اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی طرح پیدا کیا جس طرح اس کائنات کو پیدا کیا۔ اور اس کی مادّی صورت گری اسی زمین کی مٹی سے ہوئی۔ پھر خدا نے اسے جو نمایاں خصوصیات مرحمت کیں، وہ بھی ایک خاص انداز میں دیں۔ نیز وہ جسمانی اعتبار سے بھی اس خاص قانون فطرت کا پابند ہے، جو خدا نے اس کے لیے طے کر دیا ہے، خواہ وہ اسے پسند ہو یا ناپسند۔ اس کو شروع میں جو زندگی ملتی ہے وہ مشیتِ الٰہی سے ملتی ہے، جس میں اس کے یا اس کے والدین کے ارادہ، خواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا، کیونکہ وہ دونوں باہم ملتے ہیں لیکن اس کا جنین حاصل کر لینے یا دوسرے لفظوں میں ایک قطرۂ ناچیز تو ایک عظیم انسانی وجود میں تبدیل کر دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ وہ اسی اصول کے تحت پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حمل و ولادت کے سلسلہ میں مقرر کر دیا ہے۔ اسی ہوا میں سانس لیتا ہے جو خدا نے اسی کے لحاظ سے بنائی ہے۔ اور اسی طرح اور اتنی ہی لیتا ہے، جتنی وہ چاہتا ہے۔ وہ قانون الٰہی کے تحت ہی آرام و تکلیف کا احساس کرتا اور بھوکا اور پیاسا ہوتا، اور کھاتا اور پیتا ہے۔ مختصر یہ کہ پوری زندگی گزارتا ہے اس کا نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے، نہ اختیار۔ مشیتِ الٰہی، فیصلۂ الٰہی اور قانونِ الٰہی کے تابع ہونے میں اس کا بالکل وہی حال ہے، جو کائنات اور اشیاء کائنات کا ہے۔

جس ہستی نے یہ کائنات بنائی، اس میں انسان کو بسایا پھر اسے انہی قوانین کا پابند بنایا، جن کا پابند اس کائنات کو —— اسی ہستی نے ایک "شریعت،"

Marfat.com

بھی بنائی ہے، تاکہ وہ انسان کی ارادی زندگی کو اس طرح منظم رکھے کہ طبیعی زندگی یا غیرارادی زندگی سے اس کا تصادم نہ ہو گویا شریعت الٰہی اس عالمگیر ضابطۂ الٰہی کا ایک جزو ہے جو انسان کی فطرت اور ساری کائنات پر حکمرانی کر رہا ہے۔ اور ان تمام کو باہم منظم اور ہم آہنگ کیے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہر فرمان خواہ وہ امر ہو یا نہی، وعدہ ہو یا وعید، قانون ہو یا موعظت، اسی عالمگیر ضابطۂ الٰہی کا ایک جزو ہے۔ اور اس کے اندر وہی صداقت ہے جو ان قوانین میں ہے جنھیں ہم قوانین فطرت — یا الٰہی اور تکوینی قوانین — کہتے ہیں۔ جو ازل سے ہی اپنے اندر ٹھوس صداقت رکھتے ہیں، اور فیصلۂ الٰہی کے مطابق ہر لحہ ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو منضبط اور منظم کرنے کے لیے جو "شریعت" بنائی ہے، یہیں سے وہ ایک کائناتی شریعت ہے۔ کیونکہ وہ عالمگیر نظام فطرت سے مربوط اور کائنات کے مرکزی قانون سے پوری طرح ہم آہنگ ہے —— اور اس طرح اس کی پابندی بھی ضروری قرار پاتی ہے، تاکہ انسان کی زندگی اور جس کائنات میں وہ رہتا ہے اس کے نظام میں کامل توافق و ہم آہنگی پیدا ہو سکے نیز اس کی پوشیدہ فطرت اور خارجی شخصیت پر حکمرانی کرنے والے قوانین کے اندر بھی مکمل ہم آہنگی کی شان نمایاں ہو سکے اور کہیں سے بھی ان دونوں کے درمیان کسی قسم کے تصادم یا بے ربطی و نااتفاقی کا ظہور نہ ہو۔

انسان کے بس میں یہ نہیں کہ وہ تمام قوانین فطرت کو دریافت کر سکے۔ یا عالمگیر ضابطۂ الٰہی یا قانونِ الٰہی کے سارے گوشوں اور پہلوؤں کو جان سکے۔ حتیٰ کہ وہ قانونِ الٰہی بھی اس کے دائرہ علم و فہم سے باہر ہے جو خود اس کی فطرت پر حکمرانی کر رہا ہے اور اس کی پسند ناپسند کا لحاظ کیے بغیر اس کو اپنا تابع و محکوم بنائے ہوئے ہے۔ اس طرح اس کے بس میں یہ بھی نہیں کہ وہ کوئی ایسا نظام تیار کر سکے جس سے انسانی زندگی اور کائناتی نظام میں ہم آہنگی پیدا ہو سکے، یا اس کی پوشیدہ فطرت اور ظاہری

شخصیت میں ہی یک جہتی قائم ہو سکے ۔ یہ کام تو بس وہی ہستی کر سکتی ہے جو ساری کائنات کی بھی خالق ہے اور سارے انسانوں کی بھی، اور جو اپنے ایک ہی مقررہ ضابطے یا پسندیدہ نظام کے تحت ساری کائنات کا بھی انتظام کرتی ہے اور نوعِ انسانی کے تمام معاملات کا بھی۔

اس طرح شریعتِ الٰہی کی پابندی ناگزیر ہو جاتی ہے ، تاکہ اس کائنات میں کامل ہم آہنگی اور ہمہ گیر یک جہتی پیدا ہو سکے ــــــ جبکہ اعتقادی طور پر اسلام کا وجود بھی اسی پر منحصر ہے ۔ کیونکہ اسلام کا صحیح معنوں میں وجود اس وقت تک ممکن ہی نہیں ، نہ افراد کی زندگیوں میں ممکن ہے نہ جماعت کی زندگی میں ، جب تک خدا کی بندگی میں کامل اخلاص نہ ہو ، پھر یہ عبودیت و بندگی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کی روشنی میں نہ ہو ، کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے رکن اوّل : " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه " کی شہادت کا مفہوم ہی ناقص رہ جاتا ہے ۔

انسانی زندگی اور کائناتی نظام کے درمیان کامل ہم آہنگی ہی فلاح انسانیت کی کلید ہے ، زندگی کو تباہی و بربادی سے محفوظ رکھنے کی یہی واحد تدبیر ہے ــــــ انسان بس اسی حالت میں اپنی فطرت کے ساتھ صلح و آشتی کی زندگی گزار سکتا ہے ــــــ کائنات کے ساتھ صلح اس وقت رہ سکتی ہے جب انسان کائنات کے نظام سے ہم آہنگ ہو ۔ اور دونوں کی منزل اور سمتِ سفر ایک ہو ۔ اور فطرت کے ساتھ صلح اس وقت رہ سکتی ہے جب انسانی سرگرمیاں فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوں ان دونوں میں آویزش اور کشمکش نہ ہو ۔ شریعتِ الٰہی عملی زندگی اور پوشیدہ فطرت میں بسہولت ہم آہنگی پیدا کر دیتی ہے ــــــ اور اس ہم آہنگی سے ایک دوسری ہم آہنگی جنم لیتی ہے جسے ہم عام انسانی تعلقات کی ہم آہنگی سے تعبیر کر سکتے ہیں ، یعنی تمام انسانی تعلقات میں ہم آہنگی پیدا ہو جاتی اور عام انسانی سرگرمیوں میں ایک ہی روح کارفرما ہوتی ہے ۔ کیونکہ اس وقت سارے انسان اسی ایک نہج پر گامزن ہوتے ہیں جس پر یہ پوری کائنات گامزن ہے ۔ وہ اسی ایک نظام

Marfat.com

سے وابستہ ہوتے ہیں، جو اس کائنات کے عمومی نظام یا مرکزی قانون کا ہی ایک جزو ہے۔

اس طرح انسانیت کے لیے فلاح کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ وہ صحیح راہ پر لگ جاتی ہے۔ اور بسہولت اس کائنات کے بھیدوں، اس کی مخفی قوتوں، اور اس کی تہ میں مدفون خزانوں سے باخبر ہو جاتی ہے۔ پھر ان تمام کو شریعتِ الٰہی کے مطابق بغیر کسی کشمکش اور باہمی نزاع کے، عالمگیر فلاحِ انسانی کی راہ میں استعمال کرتی ہے۔

ایک طرف شریعتِ الٰہی ہے جس کی یہ رحمتیں اور سعادتیں ہیں دوسری طرف نفسانیت اور ہوا و ہوس ہے جس کی تباہیوں اور ہلاکت سامانیوں کی طرف قرآن یوں اشارہ کرتا ہے:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ	اور اگر کہیں حق ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا
السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ	تو آسمانوں اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے
(المومنون ۷۱)	سب کی حالت دگرگوں ہوتی۔

اس طرح دینِ اسلام حق کو ایک اکائی قرار دیتا ہے۔ ایک ہی حق ہے جو اس دین کی روح ہے۔ اور وہی اس کائنات کی بھی روح ہے۔ اسی پر زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔ دنیا و آخرت کی صلاح و بہتری اسی سے وابستہ ہے اسی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ بازپرس کرے گا اور جو اس کے حدود توڑے گا اسے سزا دے گا۔ گویا حق ایک وحدت ہے، جس میں تعدد نہیں، یا حق ایک اکائی ہے جس میں دوئی نہیں۔ اور یہ وہی عالمگیر خدائی نظام ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس وجود کو ہر آن دیکھنا چاہتا ہے اور جس کے آگے اس عالم ہستی کے سارے جاندار و غیر جاندار سرنگوں ہیں:

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ	ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب اتاری ہے
ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ! وَكَمْ	جس میں تمھارے لیے ذکر ہے تو کیا تم سمجھتے نہیں
قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً	کتنی بستیوں کو جو ظالم تھیں، ہم نے پیس کر
وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ،	رکھ دیا۔ اور ان کے بعد دوسری کسی قوم کو

Marfat.com

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ، لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْآ اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ۔ قَالُوْا: يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ! فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ، وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ

(الانبیاء ۱۰ - ۲۰)

اٹھایا، پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو لگے وہاں سے بھاگنے! بھاگو نہیں، لوٹ چلو، جہاں تمھیں عیش و آرام ملا تھا، اور اپنے گھروں کو، تاکہ تم سے پوچھا جائے، کہنے لگے: افسوس ہم پر، بلاشبہ ہم ظالم تھے۔ پھر مستقل ان کی یہی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انھیں ایسا کر دیا جیسے کٹی کھیتی اور بجھا ہوا انگارہ، ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کھیل کرنے کو نہیں بنایا ہے۔ اگر ہم کوئی بازیچہ بنانا چاہتے تو اسے اپنے پاس سے بنا لیتے۔ اگر ہمیں ایسا کرنا ہوتا بلکہ ہم تو باطل پر حق کی چوٹ لگاتے ہیں۔ تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے پھر دیکھتے دیکھتے وہ مٹ جاتا ہے۔ اور جو کچھ تم کہتے ہو اس کی تباہی ہے تمھارے لیے آسمانوں اور زمین میں جو کوئی ہے اسی کا ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ نہ تو غرور میں آکر اس کی عبادت سے روگردانی کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ رات و دن تسبیح کرتے ہیں رکتے نہیں۔

فطرت انسانی اس حق کو اپنی گہرائیوں میں محسوس کرتی ہے۔ انسان کے گردو پیش پھیلی ہوئی دنیا اور خود انسان کا ضمیر اس کا ہاتھ پکڑ کر بتا رہا ہے کہ اس وجود کی بنیاد حق پر ہے۔ حق ہی اس کی روح اور حق ہی اس کی اساس ہے۔ خدا

Marfat.com

کا بنایا ہوا ایک ہی قانون اور ایک ہی نظام ہے جس پر وہ پوری مضبوطی سے قائم ہے نہ اس میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے، نہ انتشار، نہ سیاروں کی گردش میں کوئی فرق آتا ہے۔ نہ ان سیاروں میں کبھی تصادم ہوتا ہے۔ یہ زبردست کارخانۂ حکمت کسی اتفاقی حادثے یا بے سوچے سمجھے ارادے کے تحت نہیں چل رہا ہے نہ کسی ہوا و ہوس یا نفسانیت کی یہاں کارفرمائی ہے۔ بلکہ یہ پورا عالم انتہائی دقیق اور منظم و محکم نظام کا پابند ہو کر رواں دواں ہے —— یہیں سے انسان اور اس کی فطرت کے درمیان سب سے پہلے اس وقت ناچاقی و نااتفاقی کا بیج پڑتا ہے، جب وہ نفسانی خواہشات کے چکر میں آ کر فطرت کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے حق سے انحراف کرتا اور شریعتِ الٰہی کو چھوڑ کر ہوا و نفسانیت کی رہنمائی میں زندگی کے لیے خود کوئی نظام بناتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور پورے طور پر سرفگندہ نہیں ہوتا، جب کہ یہ سارا عالمِ وجود اپنے پورے وجود کے ساتھ اس کے آگے سرفگندہ ہے!

پھر جہاں یہ کشمکش اور یہ ناسازگاری آدمی اور اس کی فطرت اور نظامِ کائنات کے درمیان رونما ہوتی ہے، وہیں یہ انسانی افراد، انسانی جماعتوں اور تمام قوموں اور نسلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس طرح کائنات کی قوتیں، اس کے مادی ذخیرے اور بیش بہا خزانے انسانیت کے لیے رحمت نہیں، وبال بن جاتے ہیں۔ یہ اس کے لیے ترقی و سعادت کی راہیں نہیں کھولتے، بلکہ اسے ہلاکت و بربادی کی جہنم میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ پوری زمین جو امن و شانتی کا ایک پرسکون گہوارہ بن سکتی تھی، ایک نہایت بھیانک رزم گاہ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوا زمین پر شریعتِ الٰہی کے قیام کی آخری غایت بس آخرت کی تیاری نہیں کہ آخرت تو دنیا کا ہی طبعی نتیجہ یا اسی کا ایک حصہ ہے۔ یہ دونوں زندگی کے دو ایسے مرحلے ہیں جو ایک دوسرے سے مل کر ہی ایک کامل وجود بنتے ہیں اور نہ جب تک شریعت الٰہی کی پیروی نہ ہو، ان دونوں میں سازگاری ممکن نہیں — یہ

شریعت ہی ہے انسانی زندگی میں ان دونوں مرحلوں کے درمیان سازگاری پیدا کرتی اور پھر پوری زندگی کو عالم گیر خدائی نظام یا دوسرے لفظوں میں ——— کائنات کے مرکزی قانون سے ہم آہنگ کر دیتی ہے۔

عالم گیر خدائی نظام کے ساتھ ہم آہنگی کے نتیجہ میں ملنے والی سعادت ہے انسان آخرت کا انتظار نہیں کراتی۔ وہ تو دنیوی زندگی میں ہی ظاہر ہونی شروع ہو جاتی ہے! گرچہ تکمیل اس کی آخرت میں ہوگی۔

یہ ہے کائنات اور انسان کے سلسلہ میں اسلام کا بنیادی تصور۔ یہ وہ تصور ہے جو اپنے مزاج کے اعتبار سے ان تمام تصورات و نظریات سے جوہری اختلاف رکھتا ہے جو آج کی دنیا میں رائج ہیں یا کبھی رائج رہ چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بنیاد پر وہ پابندیاں اور وہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جو کسی بھی دوسرے نظریہ و نظام کی بنیاد پر نہیں عائد ہوتیں۔

اسلام کی نگاہ میں انسانی زندگی اور کائناتی نظام میں نہایت گہرا ربط ہے جو تکوینی اور الٰہی قوانین اس کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں۔ ہماری فطرت بھی انہی قوانین کی تابع ہے۔ اس طرح خود ہماری فطرت ہم سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ہماری عام زندگی بھی انہی قوانین کی پابند ہو۔ اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے، جب کہ شریعت الٰہی کی پابندی کی جائے، کہ اسی سے وہ حقیقی اور کامل عبودیت ظہور پذیر ہو سکتی ہے، جس کا مظاہرہ اس پوری کائنات کی طرف سے ہو رہا ہے اور اس شان سے ہو رہا ہے کہ کوئی انسان آج تک یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ یہ کائنات اس کی بندگی کر رہی ہے۔

"نظام کائنات کے ساتھ یہ سازگاری اور یہ ہم آہنگی انسانی زندگی کے لیے کس قدر ناگزیر ہے، اس کی طرف اس گفتگو سے بھی اشارہ ہوتا ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام اور نمرود جابر کے درمیان ہوئی تھی وہ زمین میں بندوں پر تو حاکمیت کا مدعی تھا۔ مگر چاند، سورج اور دوسرے ستاروں سیاروں پر حاکمیت کا دعویٰ نہ کر سکا۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اس کائنات میں جو اقتدار کا مالک ہے

Marfat.com

انسانی زندگی پر بھی اسی کا اقتدار چلنا چاہیے تو وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس دلیل کے بعد اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ـــ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ۔ قَالَ: اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ؛ قَالَ اِبْرٰهٖمُ: فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ: فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔

(البقرہ ۲۵۸)

کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں حجت کی۔ کیونکہ اللہ نے اسے سلطنت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا: میرا رب وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے اس نے کہا: میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا: اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو، تو اسے مغرب سے نکال دے۔۔ اس پر وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔ اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھایا کرتا۔

سچ فرمایا خدا ئے برتر نے؛

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ، وَ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ۔

(آل عمران ۸۳)

کیا یہ دینِ الٰہی کے علاوہ کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے بخوشی یا بالجبر اسی کے آگے سرنگوں ہے۔ اور انھیں اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اسلام ہی تہذیب ہے

اسلام بس دو ہی معاشروں سے واقف ہے ——— اسلامی معاشرہ، یا جاہلی معاشرہ۔

"اسلامی معاشرہ" ہر وہ معاشرہ ہے جس پر اسلام کی کلی اور ہمہ جہتی حکمرانی ہو ——— عقائد اسلامی ہوں، عبادات اسلامی ہوں، قانون اسلامی ہوں، نظام اسلامی ہوں، اخلاق اسلامی ہوں، معاشرت اسلامی ہو غرض ہر جگہ اسی کا جلوہ اور اسی کا غلبہ ہو۔ اس کے برعکس ہر وہ معاشرہ، جہاں اسلام کی حکمرانی نہ ہو، عقائد و تصورات غیر اسلامی ہوں، نظام و قوانین غیر اسلامی ہوں، اخلاق و معاشرت غیر اسلامی ہو۔ قدریں اور ترک و اختیار کے پیمانے غیر اسلامی ہوں، ایسا معاشرہ بلاشبہ ایک "جاہلی معاشرہ" ہے۔

اسلامی معاشرہ ہر وہ معاشرہ نہیں، جو اپنے کو "مسلمان" کہنے والے کچھ افراد کی بھیڑ جمع کر لے۔ جس طرح شریعت اسلامی ہر وہ قانون نہیں، جو اس معاشرے میں نافذ ہو، اگرچہ معاشرہ نمازیں بھی پڑھتا ہو، روزے بھی رکھتا ہو، اور بیت اللہ کا حج بھی کرتا ہو! معاشرۂ اسلامی وہ معاشرہ بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے اسلام کے علاوہ خود کوئی اسلام تراش لے، اور اس کا نام رکھے "ترقی پسند" اسلام یا اسی جیسا کوئی اور نام۔

"جاہلی معاشرہ" کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں، جو سب کی سب جاہلی ہیں۔ کبھی وہ ایک ایسے معاشرے کی شکل میں ہوتا ہے جو وجودِ الٰہی کا منکر ہوتا ہے

Marfat.com

اور تاریخ کی بالکل مادی اور جدلیاتی انداز کی تشریح کرتا ہے، اور " سائنٹیفک سوشلزم" نامی چیز کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے قائم و نافذ کرنا چاہتا ہے۔

اور کبھی وہ ایک ایسے معاشرے کی شکل میں سامنے آتا ہے، جو وجودِ الٰہی کا تو منکر نہیں ہوتا، البتہ اس کے لیے وہ صرف آسمانی بادشاہت کا قائل ہوتا ہے، اس زمین پر وہ اس کی عملداری اور حاکمیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ شریعت الٰہی کو بہ حیثیت ایک نظام زندگی نہیں اپناتا۔ اور اس کی ان قدروں کو حکم نہیں بناتا جن کو خدا نے انسانی زندگی کے لیے دائمی اور اٹل قدریں قرار دی ہیں۔ وہ لوگوں کو اس کی اجازت تو دیتا ہے کہ مسجدوں اور کلیساؤں میں خدا کو پوجیں، لیکن اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ وہ اس سے اپنی زندگیوں میں شریعتِ الٰہی کو حکم بنالے یا اپنے معاملات میں اس کے فیصلوں کو نافذ کرنے کا مطالبہ کریں۔ اس طرح وہ زمین پر الوہیت الٰہی کا منکر ہوتا ہے یا عملاً اُسے معطل کیے رہتا ہے۔ جبکہ صراحت کے ساتھ یہ فرمانِ الٰہی موجود ہے:

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ (الزخرف ۸۴)

وہی آسمان میں الٰہ ہے، اور وہی زمین میں بھی الٰہ ہے۔

اس طرح ایسے معاشرہ کا اس دینِ الٰہی سے کوئی تعلق نہیں رہتا جس کی جامع و مانع تعریف اس فرمانِ الٰہی سے ہوتی ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (یوسف ۴۰)

اقتدار تو بس اللہ کا ہے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی صحیح اور سیدھا دین ہے۔

اور اس طرح وہ جاہلی معاشرہ قرار پائے گا، اگرچہ خدا کے وجود کو وہ تسلیم کرتا ہو اور مسجدوں، کلیساؤں میں اس کی عبادت و بندگی کے مراسم ادا کرنے کی کھلی آزادی دیتا ہو۔

— پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ " اسلامی معاشرہ " جو اپنے اندر مذکورہ وصف

رکھتا ہو، تنہا وہی "متمدن" اور "تہذیب یافتہ" معاشرہ ہے، اور جاہلی معاشرے خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، پس ماندہ اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا معاشرے ہیں! یہ ایک نہایت اہم حقیقت ہے، جس کی وضاحت ضروری ہے۔

ہم نے ایک بار اپنی ایک زیرِ طبع کتاب کا اشتہار دیا تھا، جس کا نام تھا: "متمدن اسلامی معاشرے کی طرف" .. پھر دوبارہ اشتہار دیا تو لفظ "متمدن" حذف کر دیا، اور کتاب کا نام رکھا "اسلامی معاشرے کی طرف" کیونکہ کتاب کا موضوعِ بحث بھی یہی تھا۔

یہ ترمیم ایک جزائری اہلِ قلم کی نگاہ میں کھٹک گئی۔ انھوں نے اس کی توجیہ یہ کی کہ یہ اسلام کی طرف سے "داخلی جذبۂ دفاع" کا نتیجہ ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے اظہارِ افسوس بھی کیا کہ "یہ نامعقول" ذہنیت ہمیں مسئلہ کی اصل حقیقت تک نہ پہنچنے دے گی۔[1]!

میں اس صاحبِ قلم کو معذور سمجھتا ہوں کہ پہلے میری بھی یہی حالت تھی پہلی بار جب میں نے اس موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا تھا۔ تو میں بھی بالکل اسی انداز پر سوچتا تھا، جس انداز پر آج وہ سوچ رہا ہے اور میرے لیے بھی وہی مسئلہ پریشان کن بنا ہوا تھا جو آج اس کے لیے بنا ہوا ہے یعنی "تہذیب و تمدن" کی تعریف کا مسئلہ!

ابھی میری عقل و روح مغربی تہذیب اور مغربی ثقافت کے اثرات سے آزاد نہ ہو سکی تھی۔ یہ اثرات جو مغربی لٹریچر اور مغربی افکار کی پیداوار ہوتے، اگرچہ میرے مزاجِ اسلامی کے لیے بالکل ہی نئے اور نامانوس ہوتے۔ کیونکہ اس وقت بھی اسلام کے سلسلہ میں میرا ذہن صاف تھا۔

---

[1] سطورِ بالا سے جزائری اہلِ قلم کی خلش شاید واضح نہیں ہو سکی۔ ہمارے خیال میں اس جزائری کا تعلق اس طبقۂ فکر سے رہا ہو گا جس کا خیال ہے کہ اسلام محض ایک عقیدہ و مذہب ہے، جسے تہذیب و تمدن سے کوئی واسطہ نہیں اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اس کے رُخ پر دوسری تہذیبوں کا غازہ ملا جائے اور دیگر ترقی پسند اور متمدن نظریات کی روشنی میں اسے تہذیب تمدن کی بلندیوں پر پہنچایا جائے اس کے برعکس مصنفؒ کے نزدیک اسلام ہی دراصل اگلے

Marfat.com

لیکن اس کے باوجود یہ مغربی اثرات فکر و تصور کو تاریک کر دیتے اور اسلامی طرز فکر کی کوئی جھلک نہ نظر آتی! "تہذیب" "تمدن" کا یورپی تصور ذہن میں ابھتا اور فکر و تصور کو اس طرح دھندلا اور غبار آلود کر دیتا کہ تہذیب کی اصل حقیقت تک ذہن کا پہنچنا ممکن نہ رہ جاتا۔

پھر اصل حقیقت بے نقاب ہو گئی۔ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اسلام ہی اصل تہذیب اور "مسلم" "معاشرہ ہی" "متمدن" "معاشرہ ہے۔ لہٰذا "متمدن" کا لفظ بے معنی ہے، جس سے کسی نئے مفہوم کا اضافہ نہیں ہوتا —— البتہ اس لفظ سے قاری کے ذہن پر وہی اجنبی اور نامانوس پرچھائیاں آ جاتی ہیں جو خود میرے ذہن کو تاریک کر دیتی تھیں۔ اور اس طرح صحیح انداز سے سوچنے اور تہذیب و تمدن کی اصل حقیقت تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتی تھیں۔

تو اختلاف "تہذیب و تمدن" کی تعریف میں ہوا۔ لہٰذا اس حقیقت کی وضاحت ضروری ہے!

(بقیہ) اصل تہذیب ہے اور بقیہ دوسرے نظام و نظریات پسماندگی اور جاہلیت کا شکار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے اپنی زیر طبع کتاب کے نام سے لفظ متمدن حذف کر دیا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام کو متمدن کہنا ویسا ہی تھا جیسے آفتاب کو روشن کہنا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا یہ تصور جزائری اہل قلم کے تصور اسلام سے بالکل مختلف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ترمیم اس کی نگاہ میں کھٹک گئی اور اسے مصنفؒ کی طرف سے مایوسی ہوئی کیونکہ نام میں لفظ متمدن کو شامل کرنے کے بعد پھر اسے حذف کر دینے کا واضح مطلب یہ تھا کہ مصنفؒ کے نزدیک وہ زائد ہے۔ گویا ان کے نزدیک اسلام کا ہی اصل تہذیب ہونا ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس کے اثبات کی کوئی حاجت نہیں۔ جبکہ اس جزائری کے نزدیک ضرورت اس بات کی تھی کہ تہذیب کی دوڑ میں دین اسلام کی پسماندگی کا احساس کر کے اسے آگے بڑھانے کی کوشش کی جاتی اور بلا تامل اس کی جبین پر تہذیب نو کی افشاں چن کر "مہذب" اور "متمدن" انسانی نظاموں کی صف میں اسے کھڑا کیا جاتا۔ (مترجم)

جب کسی معاشرے میں حاکمیتِ اعلیٰ تنہا اللہ کے لیے ہو اور وہاں اسی کی شریعت کا چلن ہو، تبھی انسان صحیح معنوں میں انسان کی بندگی یا انسان کی غلامی سے آزاد ہوگا۔ اور اسی وقت "انسانی تہذیب" کا وجود ہوگا۔ کیونکہ تہذیب انسانی کی عمارت کو جو بنیاد درکار ہے، وہ انسان کی بے داغ عزت اور کامل حریت کی ہی اینٹوں سے تیار ہو سکتی ہے۔ اور سچ پوچھو تو، کسی ایسے معاشرے میں انسان کو نہ عزت حاصل ہو سکتی ہے نہ حریت، جس میں کچھ لوگ تو شارع ہوں، اور کچھ لوگ متبع۔ کچھ لوگ تو قانون ساز آقا ہوں اور کچھ لوگ اطاعت کیش غلام!

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ تشریح کا تعلق محض قانونی احکام سے نہیں۔ جیسا کہ آج کا عام رجحان ہے۔ ذہنی تصورات معاشرتی نظام، اخلاقی قدریں ترک و اختیار کے پیمانے، عادات اور روایات ——— یہ سب تشریح میں جن کے لوگ پابند ہوتے ہیں۔ اور جب معاشرے کے ہی کچھ افراد یہ چیزیں خود ڈھالنا شروع کر دیں۔ اور دوسرے اُن کے پابند ہوں تو یہ معاشرہ آزاد معاشرہ آزاد معاشرہ نہ ہوگا بلکہ یہاں کچھ تو آقا ہوں گے اور کچھ غلام۔ اور یہیں سے وہ پس ماندہ یا اسلامی اصطلاح میں "جاہلی" معاشرہ قرار پائے گا۔

اسلامی معاشرہ صرف وہ معاشرہ ہے جس میں سارا اقتدار خدائے واحد کا ہو۔ لوگ مخلوق کی بندگی سے آزاد اور بس ایک خدا کے بندے ہوں کیونکہ اسی شکل میں انسان کو وہ حقیقی اور کامل آزادی حاصل ہو سکے گی جس پر تہذیب انسانی کا دارومدار ہے۔ نیز ملاءِ اعلیٰ میں اس کے جس رتبۂ بلند کا چرچا ہوا تھا! اور معمورۂ ارضی میں قدم رکھتے وقت عزت و تکریم کے جن درخشاں ہیروں سے اس کا تاجِ خلافت مزین ہوا تھا، ان سے بھی سرفراز ہو سکے گا۔

اگر کسی معاشرے کی تنظیم ایک فکر ایک عقیدہ اور ایک نظامِ زندگی کی بنیاد پر ہو، سب کا سرچشمہ وہ خدائے واحد ہو جس کی بارگاہ میں پہنچ کر انسان کو عزت و سرفرازی حاصل ہوتی ہے، نہ کہ زمین کے وہ جھوٹے خدا جن کی نگاہ میں انسان کا

آخری کام بس انسان کی غلامی ہے، تو وہ تنظیم انسان کے اندر چھپی ہوئی بلند ترین فکری و روحانی خصوصیات کی نمائندہ ہوگی۔ لیکن اگر کسی معاشرے کی تنظیم نسل یا خون یا قوم یا وطن کی اساس پر ہوئی ہو یا انہی جیسے دوسرے علائق و روابط کا لحاظ کیا گیا ہو، تو ظاہر ہے کہ نسل و خون اور قوم و وطن انسان کی اعلیٰ ترین خصوصیات کی نمائندگی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انسان کسی خاص نسل یا خاص خون یا خاص قوم یا خاص وطن کا نہ ہو کر بھی انسان ہی رہتا ہے، مگر فکر و روح کے بغیر وہ انسان نہیں رہ سکتا! پھر وہ اپنے آزاد ارادے سے فکر و تصور اور عقیدہ و نظام کو تو بدل سکتا ہے مگر خون اور نسل کو نہیں بدل سکتا۔ اسی طرح کسی مخصوص قوم یا وطن میں پیدا ہونا بھی اس کے اپنے بس میں نہیں۔ لہٰذا وہ معاشرہ جس میں لوگ کسی ایسی بنیاد پر یکجا ہوں جو فرد کے آزاد ارادہ و اختیار سے تعلق رکھتی ہو، وہی متمدن اور تہذیب یافتہ معاشرہ ہے۔ رہا وہ معاشرہ جس میں لوگ کسی ایسی بنیاد پر یکجا ہوں جو آدمی کے ارادہ و اختیار کے دائرے سے باہر ہو، تو وہ پس ماندہ اور غیر متمدن یا اسلام کی زبان میں "جاہلی" معاشرہ ہے!

اسلامی معاشرہ ہی وہ معاشرہ ہے جس کی بس عقیدہ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اور عقیدہ ہی اس کی وہ قومیت ہے جو کالے، گورے، سرخ، پیلے، عربی، رومی، ایرانی، حبشی غرض زمین کی ساری قوموں اور نسلوں کو ایک ایسی اُمّت کی شکل میں یکجا کر دیتی ہے جس کا رب اور مسجود و معبود تنہا خُدا ہوتا ہے، جس کے اندر شرف و عزت کا معیار صرف تقویٰ ہوتا ہے۔ جس میں سب ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں، جس میں سب صرف ایک خُدا کے نام پر جمع ہوتے، اور ایک ہی خدائی رشتے سے منسلک ہوتے ہیں۔

اگر کسی معاشرے کی نگاہ میں سب سے زیادہ اعلیٰ و اشرف چیز انسان کی "انسانیت" ہو اور "انسانی" خصوصیات ہی قدر و منزلت اور تکریم و عزت کی بنیاد ہوں تو یہ معاشرہ متمدن معاشرہ ہوگا۔ لیکن اگر کسی بھی حیثیت سے یہی

مقام " مادہ " کو حاصل ہو جائے ، چاہے " نظریئے " کی حیثیت سے جیسا کہ تاریخ کی مارکسی توجیہ میں ہے یا " مادی پیداوار " کی صورت میں جیسا کہ امریکہ یورپ اور انہی جیسے دوسرے معاشروں میں ہے، جن کے نزدیک مادی ترقی ہی وہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی راہ میں ساری قدریں اور تمام انسانی خصوصیات قربان کی جاسکتی ہیں ـــــ تو یہ معاشرہ پسماندہ یا اسلام کی زبان میں جاہلی معاشرہ ہوگا!

متمدن ـــــ اسلامی ـــــ معاشرہ مادے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ۔ نہ نظریہ کی حیثیت سے، نہ " مادی پیداوار " کی صورت میں ۔ کیونکہ جس کائنات میں ہم رہتے ہیں، جس کے خیر و شر سے متاثر ہوتے ہیں جس کی تعمیر و تخریب میں حصہ لیتے ہیں، اور جس کے بناؤ بگاڑ سے ہم تعلق رکھتے ہیں، اس کی تخلیق مادے ہی سے ہوئی ہے ۔ رہی مادی پیداوار تو خدا کی زمین پر خلافت کے فرائض انجام دینے کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ معاشرۂ اسلامی کے نزدیک مادہ کی یہ حیثیت نہیں کہ اس کے لیے انسانی خصوصیات اور قدریں، فرد کی عزت اور حریت، خاندانی ضروریات اور تقاضے، معاشرتی اخلاق اور حرمتیں، غرض وہ ساری بلند قدریں، حرمتیں اور فضائل اخلاق قربان کیے جاسکیں جنہیں جاہلی معاشرے مادی پیداوار کی فراوانی کے لیے بے دریغ قربان کر دیتے ہیں۔

" انسانی قدریں " اور " انسانی اخلاق " ہی اگر معاشرے میں عزت و احترام کی بنیاد ہوں، تو بلاشبہ یہ معاشرہ متمدن معاشرہ ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ انسانی اخلاق اور انسانی قدریں کوئی دقیق، مبہم، غیر متعین اور تغیر پذیر چیزیں نہیں، کہ وہ کسی ایک چال پر رہنے کے بجائے ہر لحہ بدلتی اور نت نئے روپ دھارتی رہیں۔ جیسا کہ " سائنٹیفک سوشلزم " اور تاریخ کی مادی توجیہہ کا دعویٰ ہے!

Marfat.com

یہ تو وہ اخلاق اور قدریں ہیں جو انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کو ابھارتی ہیں جن میں وہ حیوان سے ممتاز اور ایک انفرادی شان کا مالک ہے، نہ کہ وہ اخلاق اور قدریں جو بہیمی صفات کو جلا دیں، اور اس طرح اسے حیوانوں کی صف میں لا کھڑا کریں۔

مسئلہ کو اس حیثیت سے دیکھا جائے اور تہذیب و تمدّن کا یہ پیمانہ سامنے رکھا جائے، تو اخلاق اور انسانی قدروں کے سلسلہ میں ایک ایسا اٹل، محکم اور قطعی خط امتیاز ابھر کر سامنے آتا ہے جو ترقی پسندوں اور سائنٹفک سوشلزم کے علمبرداروں کی ان کوششوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، جن کا ہدف یہ ہے کہ انسانی اخلاق اور قدریں ایک مادۂ سیال بن کر رہ جائیں۔ جو ماحول سماج اور افراد کے لحاظ سے نت نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں

تہذیب و تمدّن کا یہ پیمانہ سامنے رہے تو اس وقت اخلاقی قدروں کے حدود متعین کرنے والی چیز ماحول کی اصطلاح اور سماج کا عرف نہ ہوگا۔ ماحول اور سماج سے الگ ایک دوسری ہی اٹل میزان ہوگی ——— اس وقت ایسا نہ ہوگا۔ کہ کچھ "زراعتی" اخلاق اور قدریں ہوں اور کچھ "صنعتی"! کچھ "سرمایہ دارانہ" اخلاق اور قدریں ہوں اور کچھ اشتراکی کچھ بورژ وائی اخلاق اور قدریں ہوں اور کچھ "پرولتاری"! اس وقت اخلاق کی تعیین کرنے والی چیزیں ماحول، معیارِ زندگی، وقتی تقاضے اور اسی طرح کی دوسری سطحی اور ظاہری چیزیں نہ ہوں گی۔ اس وقت تو ان تمام سے ماورا کچھ "انسانی" اخلاق اور قدریں ہوں گی، اور کچھ "حیوانی ——— اگر یہ تعبیر صحیح ہے! ——— یا اسلام کی زبان میں کچھ "اسلامی" اخلاق اور قدریں ہوں گی اور کچھ "جاہلی"! ——— اسلام کو جن معاشروں پر غلبہ و اقتدار حاصل ہوتا ہے، ان میں وہ انہی اخلاق اور انہی قدروں کی تخم ریزی کرتا اور بھرپور تن دہی سے ان کی آب یاری کرتا، اور ان کی جڑیں مضبوط کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نیز اس سلسلہ میں اس کے یہاں کوئی تفریق و امتیاز نہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ معاشرے زراعت پیشہ ہیں یا صنعت پیشہ شہری ہیں یا دیہاتی، فقیر ہیں یا غنی، خوشحال ہیں یا بدحال۔ وہ ان تمام ہی حالات

Marfat.com

میں انسانی خصوصیات کو بلندیوں کی طرف لے کر بڑھتا اور حیوانیت کی پستیوں میں گرنے سے بچاتا ہے۔ کیونکہ ان قدروں کی طرف بڑھنے والی راہ حیوانی پستیوں سے انسانی رفعتوں کی طرف آتی ہے۔ اب اگر یہ راہ ——— مادی تہذیب کے ساتھ ——— پیچھے مڑ جائے، تو اس کو تہذیب و تمدن سے کوئی واسطہ نہ ہوگا! وہ بس "پسماندگی" ہوگی یا "جاہلیت"!

اگر "خاندان" ہی معاشرے کا ستون ہو، اور وہ خاندان زن و شوہر کے درمیان "تقسیم کار" کی اساس پر قائم ہو، نیز آنے والی نسل کی صحیح تربیت ہی خاندان کی اہم ترین ڈیوٹی ہو، تو وہ معاشرہ متمدن ہوگا، کیونکہ اس انداز کا کنبہ ہی ——— جس پر نظامِ اسلامی کا جاں نواز سایہ بھی ہو ——— وہ ماحول فراہم کرتا ہے جس کے درمیان وہ "انسانی" اخلاق اور قدریں پروان چڑھ سکتی اور نئی نسل کے پیکر میں ڈھل سکتی ہیں جن کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا، اور جن کا خاندانی اکائی کے علاوہ کسی اور اکائی میں پروان چڑھنا ناممکن ہے۔ لیکن اگر "آزاد" جنسی تعلقات اور ناجائز یا "غیر قانونی" نسل ہی معاشرے کا ستون ہو، اگر صنفین کے درمیان قائم ہونے والے تعلقات کی اساس، ہوا و ہوس، جنسی بھوک اور حیوانی اکساہٹ ہو، اگر عورت کا کام زینت و آرائش، ناز و عشوہ اور فتنہ گری و ناز ک زنی ہو، اور اگر عورت نئی نسل کی تربیت و نگہداشت کے سلسلہ میں اپنی اساسی ذمہ داریوں سے دست کش ہو، اور وہ اس بات کو ترجیح دے، یا معاشرہ اس کے لیے پسند کرے کہ انسانیت کروہ کسی ہوٹل یا جہاز یا طیارے میں ضیافت کے فرائض انجام دے اور اگر وہ اپنی ساری قوتیں، مادی پیداوار" اور "آلات سازی" میں صرف کرنے لگے" انسانیت سازی" میں صرف نہ کرے کہ مادی پیداوار کی اس وقت انسانیت سازی" سے زیادہ مانگ ہے۔ تو اس وقت انسانی نقطہ نظر سے یہ "تمدنی پسماندگی" یا اسلام کی زبان میں "جاہلیت" ہوگی!

Marfat.com

کنبہ اور صنفین کے درمیان قائم ہونے والے تعلقات کسی معاشرے کے متعلق یہ متعین کرنے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں، کہ وہ پسماندہ ہے یا متمدن، جاہلی ہے یا اسلامی! وہ معاشرے جن کے ان تعلقات میں حیوانی اخلاق حیوانی جذبات اور حیوانی قدریں کارفرما ہوں، وہ کبھی متمدن معاشرے نہیں ہوسکتے۔ چاہے صنعتی، اقتصادی اور علمی حیثیت سے وہ کتنا ہی آگے ہوں! یہ وہ پیمانہ ہے جو "انسانی ترقی" کی مقدار بتانے میں کبھی خطا نہیں کرسکتا۔

جدید جاہلی معاشروں میں تو "اخلاقی" تصور بالکل ہی برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ ان تمام قدروں سے خالی ہو چکا ہے جو "انسان" کو "حیوان" سے ممتاز کرنے والی ہیں! ان معاشروں میں غیر قانونی جنسی روابط ——— حتیٰ کہ خلافِ فطرت جنسی تعلقات بھی ——— کوئی اخلاقی برائی نہ رہے۔ ان کے یہاں اخلاقی تصوّر بس اقتصادی اُمور اور سیاسی معاملات کے تنگ دائرے میں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اور سیاسی معاملات میں بھی اس کی جھلک بس اسی حد تک ہے جس حد تک "مصالحِ حکومت" کا تقاضا ہو۔ کریسٹن کیلر اور انگلستانی وزیر پروفیمو (PROFUMEO) کی رسوائی انگلستانی معاشرے میں اپنے جنسی پہلو سے رسوائی نہ تھی۔ اس کے وجہ رسوائی ہونے کا سبب صرف یہ تھا کہ کریسٹن کیلر (KRISTEN KEELER) روسی اتاشی (RUSSIAN ATTACHE) سے بھی دوستانہ تعلقات رکھتی تھی۔ لہٰذا اس "بتِ کافر" سے وزیر کے تعلقات رہنے میں اسرارِ مملکت کے لیے خطرہ تھا۔ اور انگلستانی پارلیمنٹ میں اس کے جھوٹ کا پول بھی کھل گیا تھا۔ امریکی سینٹ (AMERICEN SENATE) میں ہونے والی اس قسم کی رسوائیاں اور ان جاسوسوں، انگلستانی ملازموں اور امریکیوں کی رسوائیاں جو روس فرار ہو گئے۔ ان کی جنسی آوارگی کے پہلو سے رسوائیاں نہ تھیں! بلکہ

Marfat.com

اسرار مملکت کے لیے خطرہ ہونے کے پہلو سے نہیں!

جاہلی معاشروں میں جگہ جگہ ایسے صحافی، ایسے ناول نگار اور ایسے کلاکار موجود ہیں جو کمسن بچیوں اور جوان دوشیزاؤں سے کہتے ہیں، آزاد جنسی تعلقات میں کوئی اخلاقی برائی نہیں۔ برائی تو یہ ہے کہ کوئی جوان اپنی (فرینڈ بوائے) کو دھوکا دے جائے۔ اور پوری طرح اس کے دامِ محبت میں گرفتار نہ ہو۔ برائی یہ ہے کہ جب شوہر کے لیے بیوی کے سینے میں محبت کی گرمی نہ رہ جائے تو اس وقت بھی وہ اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرے! اور کوئی ایسا دوست نہ تلاش کرے، جسے بہ تقاضائے الفت اپنا تنِ سیمیں سونپ سکے! کثرت سے شائع ہونے والے افسانے، ناول، رسائل و اخبارات کے اداریئے، کارٹون اور مزاحیے سب اپنے اندر یہی پیام رکھتے ہیں۔

اس طرح کے معاشرے بلاشبہ پسماندہ معاشرے ہیں۔ جنھیں تہذیب و تمدن سے کوئی واسطہ نہیں۔ کیونکہ وہ انسانیت سے کوسوں دور ہیں، ترقیِ انسانی کی شاہراہ سے انتہائی پرے ہیں۔

ترقی انسانی کی شاہراہ تو اُسی وقت طے ہو سکتی ہے جبکہ حیوانی جذبات پر پورا کنٹرول رہے وہ فیملی یا "خاندان" کے ہی دائرے میں محصور رہیں اور ہر ایک اپنے اپنے فرائض سے بندھا ہُوا ہو۔ کہ اسی طرح اس "انسانی ذمہ داری" سے عہدہ بر آ ہوا جا سکتا ہے جس کی روح لذات اندوزی نہیں، بلکہ ایک ایسی انسانی نسل کی فراہمی ہے جو "انسانی" تہذیب کے سلسلے میں موجودہ نسل کی سچی جانشین ہو سکے، جو حیوانی صفات سے گریزاں ہو، انسانی خصوصیات کی قدرداں ہو، اور جان و دل سے ان کی نمود و ترقی کے لیے کوشاں ہو۔ ظاہر ہے ایسی نسل کی اٹھان ایک ایسے ہی کنبے کی آغوش میں ممکن ہے

Marfat.com

جس کے گرد تحفظات کی ایسی باڑ کھڑی کر دی گئی، جس کے اندر ذہنوں کو پورا سکون حاصل ہو۔ وہ کسی ہیجان یا انتشار کا شکار نہ ہوں۔ اور جس کی داغ بیل ایک ایسے اہم فرض کی ادائیگی کے لیے پڑی ہو، جو وقتی جذبات اور ہنگامی تاثرات سے متاثر نہ ہو جو وقتی تاثرات و انفعالات کے ساتھ ساتھ جھولتا نہ ہو۔ اب تم غور کرو، ایک ایسا معاشرہ جس میں اخلاقی تصور دم توڑ چکا ہو۔ جہاں سے جنسی آداب کا جنازہ اُٹھ چکا ہو، اور جو شر پسند عناصر کی خبیث و مسموم ہدایات کی روشنی میں پروان چڑھ رہا ہو، کیا ایسا معاشرہ وہ انسانی آغوش فراہم کر سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

انہی تمام وجوہ سے اسلامی اخلاق، اسلامی قدریں، اسلامی ہدایات اور اسلامی تحفظات ہی انسان کے شایاں ہیں۔ اور اس طرح اسلام ہی اصل تہذیب ہوگا۔ اور مسلم معاشرہ ہی متمدن معاشرہ ہوگا۔ کیونکہ تہذیب و تمدن کی پیمائش کا یہی اصل پیمانہ ہے۔ جو کسی زمان و مکان کے ساتھ خاص نہیں۔

اگر زمین پر انسان صحیح معنوں میں خلافت الٰہی کے فرائض انجام دینے لگے تو وہ صرف خدائے تعالیٰ کی بندگی کرے، غیر اللہ کی بندگی سے بیر رکھے، صرف نظام الٰہی کو قائم و نافذ کرے، غیر الٰہی نظاموں کو نفرت سے ٹھکرا دے، پوری زندگی میں صرف شریعت الٰہی کو حکم بنائے، کسی اور قانون و شریعت کو حکم بنانا گوارا نہ کرے۔ ان اخلاق اور قدروں کی روشنی میں زندگی گزارے جو اللہ تعالیٰ نے متعین کی ہیں، دوسروں کے تراشے ہوئے اخلاق اور قدروں کو کوئی اہمیت نہ دے۔ ان قوانین فطرت کا سراغ لگائے جو خدا نے اس مادی کائنات کے لیے مقرر فرمائے ہیں، پھر ان سے زمین کے دفینے برآمد کرنے اور زندگی کو ترقی دینے میں مدد لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر خام اشیاء اور غذائی نعمتوں

Marfat.com

کے بے پناہ ذخیرے محفوظ کر دیئے ہیں، اور ان نہروں کو قوانینِ فطرت سے مُہر بند کر کے خلافتِ الٰہی کی ذمہ داریاں جن وہی انجام دینے کے لیے ان کی جتنی ضرورت تھی، اسی کے بقدر انسان کو وہ نہریں توڑ سکنے کی بھی قدرت دی ہے۔ غرض انسان خدا سے کیے ہوئے عہد و شرائط کے ساتھ زمین پر خلافت کے فرائض دینے لگے۔ رزق کی نہریں رواں کرتے ہوئے خام مادے سے قسم قسم کی مصنوعات تیار کرتے ہوئے، اپنی پوری تاریخ میں انسان جو فنی معلومات اور مفید تجربات حاصل کر سکا ہے، ان سے کام لیتے ہوئے وہ ایک "ربانی" کا طرزِ عمل اختیار کر لے، اور خلافتِ الٰہی کے فرائض اس انداز پر جذبۂ عبودیت کے ساتھ انجام دینے لگے، تو اس وقت صحیح معنوں میں انسانی تہذیب کی تکمیل ہو گی اور اسی وقت معاشرہ حضارت و تمدن کی سب سے بلند چوٹی پر ہو گا۔

رہیں صرف مادی اختراعات تو اسلام میں ان کا نام تہذیب نہیں کیونکہ بسا اوقات مادی اختراعات ہوتی ہیں اور انہی کے پہلو بہ پہلو جاہلیت بھی کھڑی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی جاہلیت زدہ مادی ترقی کی متعدد مثالیں ذکر کی ہیں :۔

(۱) اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ؟ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ! وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ، وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ، اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ

کیا تم ہر اونچی جگہ فضول ہی ایک یادگار بنا لیتے ہو؟ اور بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو، گویا تم ہمیشہ رہو گے! اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو، تو انتہائی جابر بن کر ہاتھ ڈالتے ہو، سو اللہ سے ڈرو، اور میرا کہا مانو، ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمھیں دیا جو تم جانتے ہو۔ اس نے دیئے تمھیں چوپائے اور بیٹے، باغ اور چشمے مجھے تو تمھارے بارے میں ایک

Marfat.com

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○

(الشعراء ۱۲۷-۱۳۰)

بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

(۲) اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ وَتَنْحِتُوْنَ عَنِ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ○

(الشعراء ۱۴۶-۱۵۲)

کیا تم یہاں کی چیزوں میں بیخوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ باغوں اور چشموں میں، کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ ملائم ہے، اور تم پہاڑوں کو تراش کر پوری مہارت سے گھر بنا لیتے ہو؟ تو اللہ سے ڈرو، اور میرا کہا مانو، اور مسرفین کا کہنا نہ مانو، جو زمین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

(۳) فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(الانعام ۴۴-۴۵)

پھر جس سے ان کی یاد دہانی کرائی گئی تھی اسے جب انھوں نے بھلا دیا تو ہم نے ان پر تمام ہی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے، یہاں تک کہ انھیں جو کچھ ملا تھا، اس پر جب وہ خوب اترا لیے، تو اچانک ہم نے انھیں پکڑ لیا۔ پھر تو اب وہ بالکل مایوس تھے سو ان لوگوں کی جڑ کٹ گئی جنھوں نے ظلم کیا تھا۔ اور حمد اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

(۴) حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ

یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا

Marfat.com

زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَا اَتٰهَا اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ۔ (یونس ۲۴)

سنگار کر لیا اور سنور گئی اور اس کے مالک سمجھنے لگے کہ ہمیں اس پر پورا اختیار حاصل ہے، تو اچانک رات یا دن میں ہمارا حکم آن پہنچا اور ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا۔ گویا کل وہاں آبادی ہی نہ تھی۔

لیکن اسلام، جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں، مادّے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا نہ مادّی ترقی کو حقیر سمجھتا ہے۔ وہ تو اس قسم کی ترقی کو — اگر وہ خدائی اصولوں کے تحت ہو — ایک نعمتِ الٰہی قرار دیتا ہے۔ اور طاعتِ الٰہی کے صلے میں ان کے ملنے کا مژدہ سناتا ہے۔

(۱) فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح ۱۰-۱۲)

تو میں نے کہا: تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ بلاشبہ وہ بے حد مغفرت کرنے والا ہے۔ وہ بادل کو بھیجے گا تم پر خوب برستا ہوا اور تمھیں اور زیادہ مال اور بیٹے دے گا اور تمھارے لیے باغ اگا دے گا، اور نہریں نکال دے گا۔

(۲) وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انھوں نے تکذیب کی تو جو کچھ وہ

Marfat.com

(الاعراف ۹۶) کرتے تھے اس کی پاداش میں ہم
نے انھیں پکڑ لیا۔

دیکھنے کی اصل چیز صنعتی ترقی یا مادی برتری نہیں۔ اصل چیز تو وہ اساس یا وہ بنیادی تصور ہے جس پر صنعتی ترقی کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ قابل لحاظ شے تو وہ قدریں ہیں جو معاشرے میں رواج پاتی اور انسانی تہذیب کی خصوصیات کو اُجاگر کرتی یا اس کے رُخ کا تعین کرتی ہیں۔

غرض اسلامی معاشرے کی ابتداء اور اس کا تکوینی مزاج یا ارتقائی انداز یہ دونوں چیزیں اسے ایک بالکل ہی منفرد معاشرہ بنا دیتی ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جو ان نظریات میں سے کسی بھی نظریہ سے ہم آہنگ نہیں ہوتا، جو جاہلی معاشروں کے قیام کی بنیاد اور ان کے تکوینی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ تحریک کی پیداوار ہے۔ تحریک اس میں ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ چیز ہے جو اس کے اندر افراد کی قدر و قیمت متعین کرتی اور ان کی ذمہ داریوں اور مورچوں کے حدود قائم کرتی ہے۔

جس تحریک سے یہ معاشرہ پہلے پہل وجود میں آتا ہے۔ اس تحریک کا تعلق نہ اس مادی دنیا سے ہوتا ہے، نہ انسانی ذہن سے۔ بلکہ اس کا تعلق ان دونوں کے ماوریٰ ایک تیسرے سرچشمے سے ہوتا ہے۔ وہ ایک ایسے عقیدے کی شکل میں ہوتی ہے، جو خدا کے پاس سے آتا اور انسانوں کو زندگی، کائنات انسانی تاریخ، اخلاقی قدروں اور زندگی کی غایتوں کے سلسلہ میں ایک خاص تصوّر دیتا ہے، نیز ان کے سامنے ایک ایسا عملی پروگرام پیش کرتا ہے جو اس تصور کا صحیح ترجمان ہو۔ وہ پہلی موج جو تحریک کو آگے بڑھاتی ہے اس کا سرچشمہ نہ انسانی ذہن ہوتا ہے نہ یہ مادی کائنات ہوتی۔ وہ اس کائنات کے باہر اور عالم انسانی کی سرحدوں کے بھی آگے سے آتی ہے۔ اور یہی وہ پہلی

Marfat.com

چیز ہے جو اسلامی معاشرے کے مزاج اور اس کی تنظیم کو امتیاز بخشتی ہے۔
اسلامی معاشرے کا سنگِ بنیاد ایک ایسا عنصر (ELEMENT) ہوتا ہے جس کا تعلق انسانی دنیا سے ہوتا ہے نہ مادی کائنات سے۔
اسی غیبی اور خدائی عنصر سے اسلامی معاشرے کے قیام کے سلسلہ میں تحریک کا پہلا قدم اُٹھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی "انسان سازی" کا بھی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ایسے ذہن و دماغ تیار ہونے شروع ہو جاتے ہیں جو سرچشمہ غیب سے آنے والے اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور جس لمحے پہلا انسان اس عقیدے پر ایمان لاتا ہے حکماً اسی لمحے سے اسلامی معاشرے کی داغ بیل پڑ جاتی ہے۔ یہ کبھی ممکن نہیں کہ ایک انسان اس عقیدے کو اپنائے اور اپنے ہی اندر اُسے چھپائے رہے وہ اسے لے کر آگے بڑھے گا! یہی اس کا مزاج ہے۔ زندہ تحریک کا مزاج۔ وہ عظیم و برتر قوت جس نے اس عقیدے کو اس دل میں پہنچایا وہ جانتی ہے کہ یہ ضرور آگے بڑھے گا۔ وہ موج تند و تیز جس نے عقیدہ کی نکہتوں سے اس کو معطر کیا۔ رفتہ رفتہ آگے بڑھتی ہی رہے گی۔
اور جس وقت اس عقیدے کے ہمنوا تین ہو جائیں گے۔ یہ عقیدہ خود ان سے کہے گا، اس وقت تم ایک معاشرہ ہو، مستقل اسلامی معاشرہ، ایک ایسا معاشرہ جس کا اس جاہلی معاشرے سے کوئی تعلق نہ ہوگا جو اس عقیدے کو تسلیم نہیں کرتا، نہ اس کی ان بنیادی قدروں کو حکَم مانتا، جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ اور اس وقت اسلامی معاشرہ عملاً قائم ہو چکا ہوگا!
تین دس ہوں گے، دس سَو ہوں گے، سو ہزار ہوں گے، ہزار بارہ ہزار ہوں گے، اور اس وقت اسلامی معاشرے کا وجود پوری طرح مستحکم اور نمایاں ہوگا!
اور چونکہ یہ نو خیز معاشرہ اپنے عقیدہ و تصور اپنی سرگرمیوں اور عملی

پروگراموں، اپنی قدروں اور پیمانوں میں جاہلی معاشرے سے بالکل مختلف ہوگا۔ اس لیے لازمی طور پر کشمکش ہو گی۔ اور اس طرح تحریک اپنے آغازِ وجود سے لے کر مستقل وجود کی شکل اختیار کرنے تک اس معاشرے کے ہر ہر فرد کو پرکھ چکی ہو گی۔ اسلام کے اپنے پیمانوں کے اعتبار سے وہ معاشرے میں جس حیثیت اور جس قدر و منزلت کا مستحق ہو گا وہ حیثیت اور وہ قدر و منزلت بھی اسے مل چکی ہو گی۔ پھر اس حیثیت کا اعتراف خود معاشرہ کرے گا۔ اس کی ضرورت کبھی نہ پڑے گی کہ وہ خود اپنی بلندی و برتری کا ثبوت پیش کرے یا اپنی اہلیت کا اعلان کرتا پھرے، بلکہ اس کا عقیدہ اور اس کے معاشرے کا مزاج تو اسے مجبور کرے گا کہ وہ اپنی طرف لپکنے والی نگاہوں سے اپنے آپ کو چھپائے۔

لیکن "تحریک" جو عقیدۂ اسلامی اور اس عقیدے سے وجود میں آنے والے معاشرے کا مزاج ہے، کسی کی صلاحیتوں کو بھی پردۂ خمول میں نہ رہنے دے گی! لازمی طور پر معاشرے کے ہر ہر فرد میں حرکت ہو گی! اس کے عقیدے میں حرکت ہو گی۔ اس کے خون میں حرکت ہو گی۔ اس معاشرے اور معاشرے کی تنظیم میں حرکت ہو گی۔ اور چونکہ چاروں جاہلیت ہی جاہلیت ہو گی۔ اس کے اندر اور باہر اسی کے اثرات ہوں گے اس لیے جنگ بھی لازماً ہو گی اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

مختلف مراحل میں مناسب اور موزوں تحریکی اقدامات کی ہی روشنی میں معاشرے کے ہر فرد کی حیثیت متعین ہو گی، اور ذمہ داریوں کی تقسیم بھی اسی پہلو سے ہو گی۔ کیونکہ معاشرے کی تنظیم کو کمال اسی طرح حاصل ہو گا کہ اس کی تمام ذمہ داریاں افراد کے اندر صحیح تناسب سے تقسیم ہوں۔ اور مناصب سونپتے وقت ان کی تحریکی خدمات، عملی کارنامے اور اعلیٰ صلاحیتیں ہی پیشِ نظر رہیں۔

Marfat.com

یہ نشو ونما اور یہ اندازِ ارتقاء اسلامی معاشرے کی دو ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے تمام معاشروں سے اسے ممتاز کر دیتی ہیں، صورت و ہیئت، مزاج وطبیعت، ترکیبی عناصر، نظام اور نظام کو نافذ کرنے والے اقدامات غرض ہر پہلو سے اسے ایک بالکل ہی منفرد معاشرہ قرار دیتی ہیں۔ اور ان سارے اعتبارات وامتیازات کو ایک مستقل حیثیت حاصل ہو جاتی ہے، گویا انھیں ایسے اجتماعی تصورات سے نہیں برتا جا سکتا جو ان کے لیے اجنبی ہوں، ان پر ریسرچ یا تحقیق ومطالعہ ایسے نہج سے نہیں کیا جا سکتا جو ان کے مزاج کے لیے . . نامانوس ہو، اور نہ انھیں ایسے اقدامات کے ذریعہ، نافذ کیا جا سکتا، جو کسی دوسرے نظام سے ماخوذ ہوں!

پیچھے ہم تہذیب کی جو تعریف کر آئے ہیں، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ معاشرۂ اسلامی تاریخ کا کوئی سین نہیں، جسے ماضی کے اوراق میں تلاش کیا جائے۔ وہ تو حال کی پکار اور مستقبل کی آرزو ہے۔ وہ تو فلاح و سعادت کی ایسی کلید ہے جس کی آرزومند ساری انسانیت ہو سکتی ہے، آج بھی ہو سکتی ہے، کل بھی ہو سکتی ہے تاکہ جاہلیت کی جس کھڈ میں پڑی وہ کراہ رہی ہے، اس سے باہر نکل سکے کیونکہ آج کوئی قوم بھی جاہلیت سے محفوظ نہیں، خواہ وہ قومیں ہوں جو صنعتی اور اقتصادی میدان میں بہت آگے نکل چکی ہیں، یا پسماندہ اور غیر متمدن قومیں۔

وہ قدریں جن کی طرف ہم نے اجمالی اشارہ کیا، یہ وہ انسانی قدریں ہیں جن تک انسانیت "تہذیب اسلامی" کے ہی مبارک دور میں پہنچ سکی۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ "اسلامی تہذیب" کی اصطلاح سے ہم کیا مراد لیتے ہیں۔ اسلامی تہذیب سے ہماری مراد وہ تہذیب ہے جس میں یہ قدریں پورے طور پر موجود ہوں کوئی بھی صنعتی، اقتصادی یا علمی ترقی

Marfat.com

جو ان قدروں سے خالی ہو اسے کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہو، مگر اسلامی تہذیب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

پھر یہ قدریں کوئی "مثالی" اور "خیالی" یا "تخیلاتی" نہیں۔ یہ تو وہ عملی اور واقعی قدریں ہیں جو انسانی جدوجہد سے عملی دنیا میں قائم و نافذ کی جا سکتی ہیں۔ ہر ماحول میں نافذ کی جا سکتی ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ یہ جدوجہد صحیح اسلامی نہج پر ہو اور ایسا کرنے کے لیے اس کی ضرورت قطعاً نہ ہو گی کہ وہاں کی صنعتی، اقتصادی اور علمی ترقی یا وہاں کی طرزِ معاشرت کو چھیڑا جائے۔ کیونکہ یہ قدریں زندگی کے کسی بھی میدان میں ترقی کی مخالف نہیں، اس کے برعکس یہ تو ترقی کی مزید حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ کیونکہ خود عقیدے کا یہی مزاج ہے

لیکن ساتھ ہی ان علاقوں یا ان ملکوں میں یہ قدریں عاجز و درماندہ یا بے بس نہیں ہو جاتیں، جو اس وقت تک ان میدانوں میں ترقی نہ کر سکے ہوں۔ تہذیب ہر جگہ اور ہر ماحول میں قائم ہو سکتی ہے، اور انہی قدروں کی بنیاد پر قائم ہو گی۔ البتہ اس کے لیے جو جو مادی صورتیں وہ اختیار کرے گی ان کی کوئی فہرست نہیں، کیونکہ وہ ہر ماحول میں انہی وسائل سے کام لے گی جو عملاً وہاں موجود ہوں گے۔ اور انہی کو وہ مزید پروان چڑھائے گی۔

گویا اسلامی معاشرہ اپنی صورت و ہیئت، اپنی وسعت اور اپنے نقشۂ زندگی کے اعتبار سے تاریخ کا کوئی واقعہ یا تاریخ کا کوئی "پکچر" نہیں، جس کا تعلق کسی خاص دور سے ہو، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کا وجود اور اس کی تہذیب کچھ لازوال تاریخی قدروں پر موقوف ہے۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ جب ہم "تاریخی" کا لفظ بولتے ہیں، تو اس سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے؟ ہماری مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ تاریخ کے ایک خاص دور میں ہمیں ان قدروں کا علم عطا ہوا، ورنہ یہ تاریخ کا کرشمہ نہیں اور طبعی طور پر ان قدروں کا زمانے سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو وہ صداقتیں ہیں جو انسانیت کے پاس خدا کے ہاں

Marfat.com

سے آئی ہیں، یہ نہ انسانی ذہن کی پیداوار ہیں، نہ اس مادی کائنات کی۔

اسلامی تہذیب ظاہری طور پر، حالات کے لحاظ سے، اپنے تنظیمی تقاضوں کی طرف مختلف شکلیں اختیار کر سکتی ہے لیکن جن اصولوں اور جن قدروں پر اس کی عمارت کھڑی ہو گی، وہ ہمیشہ ایک سی ہوں گی۔ وہ اپنے ان بنیادی اصولوں اور اساسی قدروں سے کبھی نہیں ہٹ سکتی، کیونکہ یہی اس کا تانا بانا ہیں۔ وہ قدریں ہیں کیا؟ خالص خدا کی بندگی، محض عقیدے کی بنیاد پر باہمی شیرازہ بندی، مادے پر رُوح کی برتری، ان انسانی قدروں کی حکمرانی جو انسان کی انسانیت کو پروان چڑھائیں، نہ کہ حیوانیت کو، خاندانی حرمت کا تحفظ، خدا سے کیے ہوئے عہد و شرائط کا ایفاء، زمین پر سچی خلافت الٰہی کا قیام، اور سارے ہی اُمور میں صرف نظامِ الٰہی اور شریعتِ ربانی کی بالادستی۔

اسلامی تہذیب جو ان اٹل بنیادوں پر قائم ہو گی، اس کی ظاہری اور تنظیمی شکلیں صنعتی، اقتصادی اور سائنسی ترقیوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ پھر جس درجے کی ترقی ہو گی، اسی درجے کی تبدیلیاں ہوں گی، کیونکہ وہ ہر ماحول کے فراہم ہو سکنے والے وسائل سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور یہیں سے اس کی شکلوں کا بدلنا بھی ناگزیر ہے۔ یہ بدلنا ناگزیر ہے تاکہ اس کے اندر اتنی لچک برقرار رہ سکے کہ ہر معاشرے اور ہر سطح کے لوگ اسلامی چوکھٹے میں فٹ ہو سکیں۔ اور اسلامی قدروں اور اسلامی اصولوں کو اپنا سکیں۔ البتہ یہ واضح رہے کہ عقیدۂ اسلامی، جس سے یہ تہذیب وجود میں آتی ہے اس پر یہ لچک الگ نہیں چپکائی جا رہی ہے کہ یہ لچک تو خود اس عقیدے کے مزاج میں شامل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ لچک زمانہ سازی اور ابن الوقتی کا نام نہیں۔ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسلام تو افریقہ کے صحراؤں میں رہنے والے ننگ دھڑنگ وحشیوں کے درمیان

Marfat.com

بھی تہذیب کی داغ بیل ڈالتا تھا چنانچہ اس کے آتے ہی برہنہ جسموں پر لباس آجاتے ہیں اور لوگ تیزی سے لباس کی تہذیب اپنانے لگتے ہیں کہ یہ براہ راست اسلامی تعلیمات کا تقاضا تھا۔ اسی طرح وحشی و زبوں حالی کے غاروں سے نکل کر عمل کی دنیا میں آنے لگتے ہیں اور کائنات کے مادی ذخیروں سے نفع اندوزی کے طریقے سیکھتے ہیں۔ وہ قبیلے اور کنبے سے ترقی کر کے اُمت کے اسٹیج میں آجاتے ہیں۔ اور قبائلی دیوتا طوطم[1] (TOTEM) کی عبادت چھوڑ کر رب کائنات کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ تہذیب اگر اس کا نام نہیں تو پھر کس کا نام ہے؟ یہ اس ماحول کی تہذیب تھی جو عملاً وہاں پائے جانے والے وسائل کا سہارا لیتی لیکن یہی اسلام جب کسی دوسرے ماحول میں قدم رکھتا ہے تو اپنی اٹل قدروں کی ہی بنیاد پر تہذیب کی کوئی دوسری شکل اختیار کرتا ہے۔ پھر اس ماحول کے اندر ہر وقت فراہم ہو سکنے والے ذرائع و وسائل سے کام لیتا ہوا انھیں مزید پروان چڑھاتا ہے۔

اسی طرح تہذیب اسلامی کا قیام، صنعتی، اقتصادی اور سائنسی ترقی کے کسی خاص معیار پر موقوف نہیں۔ اگرچہ وہ قائم ہوتی ہے تو موجودہ ترقی سے پورا فائدہ اُٹھاتی ہے، نہ صرف فائدہ اٹھاتی ہے، بلکہ اسے مزید آگے بڑھاتی اور اس کے مقاصد کو رفعت بخشتی ہے اسی طرح ترقی نہ ہونے کی صورت میں خود اس کی داغ بیل ڈالتی اور خود ہی

---

[1] افریقی قبائل کا ایک موہوم دیوتا تھا جسے وہ طوطم (TOTEM) کہتے۔ یہ طوطم ہر قبیلے کا الگ الگ ہوتا عموماً یہ کوئی خاص جانور ہوتا۔ جس کے بارے میں یہ عقیدہ ہوتا کہ اس کا خون تمام افراد قبیلہ کی رگوں میں دوڑتا ہے۔ چنانچہ اسے وہ ہمیشہ تقدس کی نگاہ سے دیکھتے۔ نہ اسے کبھی مارتے نہ ذبح کرتے بس خاص خاص مذہبی تقریبات میں ہی اسے قربان کرتے اس وقت وہ اس کا خون بھی پیتے۔ تصور یہ ہوتا کہ وہ خون ہمیشہ ان کی رگوں میں دوڑتا رہے گا۔ (مترجم)

Marfat.com

اسے آگے بڑھاتی اور پروان چڑھاتی ہے، لیکن ان ساری ہی حالتوں میں وہ اپنے مستقل اصولوں سے نہیں ہٹتی، اور معاشرۂ اسلامی کا وہ خاص مزاج اور اس کی تنظیم جوں کی توں باقی رہتی ہے، جس کا ظہور اس پہلے ہی نقطے سے ہوتا ہے، جہاں سے وہ معاشرہ آگے بڑھتا اور جس کی بنیاد پر دوسرے جاہلی معاشروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ج وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً؟ — بس اللہ کا رنگ! اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہو گا؟

Marfat.com

اسلام اور کلچر

خدائے واحد کی مکمل بندگی اور رسول اکرمؐ کی کامل پیروی ہی اسلام کی اصل بنیاد ہے۔ جیسا کہ "لا الٰہ الا اللہ ——— ایک نظامِ زندگی" نامی فصل میں گزرا۔

اور خدائے واحد کی مکمل بندگی، صحیح معنوں میں اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ تنہا اسی کو الٰہ تسلیم کیا جائے۔ اس طور سے کہ دلوں میں بس اسی کی محبت و عظمت کے چراغ روشن ہوں۔ عبادت و نیازمندی کی پیشانیاں اسی کے آگے جھکی ہوئی ہوں اور زندگی کی تمام سرگرمیاں اسی کے قوانین کے احکام کے تابع ہوں۔

چنانچہ ایک مسلم یہ عقیدہ کبھی نہیں رکھ سکتا کہ "الوہیت" اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔ یا جبینِ "بندگی" خدا کے سوا کسی اور کے آگے بھی جھک سکتی ہے یا کشورِ "حاکمیت" میں کسی بندے کے لیے بھی گنجائش ہو سکتی ہے اس کی بھی توضیح اسی فصل میں ہو چکی ہے۔

وہیں ہم نے عبودیت، اعتقاد اور عبادت کی بھی وضاحت کی ہے اب اس فصل میں ہم "حاکمیت" کا مفہوم اور ثقافت (CULTURE) سے اس کا تعلق بیان کریں گے۔

اسلام میں "حاکمیت" کا مفہوم بس اتنا ہی نہیں کہ خدا کے ہاں سے آئے ہوئے قانونی احکام کی روشنی میں مقدمات کے فیصلے کر دیئے جائیں۔ اسلام میں "شریعت"

Marfat.com

کا مفہوم محض قانونی تشریحات یا قانونی احکام کے تنگ دائرے میں محصور نہیں، نہ اصولِ حکومت نظامِ حکومت اور اندازِ حکومت کے ہی دائرے میں محصور ہے۔ یہ تنگ مفہوم اسلامی تصورِ "شریعت" سے میل نہیں کھاتا۔

شریعت سے مراد وہ تمام ہدایات و قوانین ہیں جو انسانی زندگی کو انحراف سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ عقائد کے اصول ہوں یا حکومت کے نظام، اخلاق کے ضابطے ہوں یا معاشرت کے آداب، علم و دانش کے آئین ہوں یا تحقیق و ریسرچ کے طریقے، ان سب سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہدایات دی ہیں اور یہ سب شریعت کے تحت داخل ہیں۔

اعتقاد و تصور کے تمام عناصر اس کے تحت داخل ہوں گے۔ سارے ہی تصورات، خواہ حقیقت الوہیت سے متعلق ہوں یا حقیقت انسان سے، اس مرئی کائنات سے متعلق ہوں یا مخفی کائنات سے، اس محسوس زندگی سے متعلق ہوں یا پوشیدہ زندگی سے، ان چیزوں کے باہمی ربط سے متعلق ہوں یا ان کے ساتھ انسان کے طرزِ عمل سے، یہ سارے تصورات شریعت کا جزو ہیں۔ یہ سب شریعت سے براہ راست وابستہ ہیں۔

شریعت سیاست و معاشرت، اقتصاد و معیشت سے بھی بحث کرتی ہے۔ ان کے سلسلہ میں بھی وہ بنیادی اصول اور واضح خطوط دیتی ہے کہ ان کے اندر بھی خدا کی کامل بندگی کا رنگ نمایاں ہو۔

قانونی احکام جو زندگی کے ان تمام شعبوں کی شیرازہ بندی کرتے ہیں، وہ بھی شریعت کے دائرے میں داخل ہیں اور آج کل تو شریعت کے معنی ہی ہو گئے ہیں قانونی احکام حالانکہ شریعت کا یہ تنگ مفہوم اس اصل مفہوم کی نمائندگی نہیں کرتا، جو اسلام میں مراد ہے۔

Marfat.com

زندگی کی وہ قدریں، ترک و اختیار کے وہ پیمانے اور اخلاق و معاشرت کے وہ اصول جو معاشرے میں حکمرانی کرتے اور اجتماعی زندگی میں کسی کے محترم یا ذلیل ہونے، کسی چیز کے اچھے یا بُرے ہونے یا کسی واقعہ کے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونے کے فیصلے کرتے ہیں، وہ بھی شریعت کے دائرے سے خارج نہیں۔

پھر یہ شریعت علم و فن کے سارے شعبوں سے بھی بحث کرتی اور فکر و فن کے جملہ اصول فراہم کرتی ہے۔

ان سارے اُمور میں ضروری ہے کہ ہم قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کریں۔ بالکل اسی طرح حاصل کریں جس طرح ان خاص احکام میں حاصل کرتے ہیں جنھیں ہم بزعم خود شرعی احکام کہتے، اور جن کے تنگ دائرے میں شریعت کو محصور کر دیتے ہیں۔

"حاکمیت" ــــــ بمعنی حکومت اور قانون سازی کا جو تعلق ہے شریعت سے، وہ بھی اب بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں تو ہم تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں۔

معاشرے کی رائج قدروں اور پیمانوں اور اخلاق و معاشرت کے حکمران اصولوں کا شریعت سے جو تعلق ہے، اس کا سمجھنا بھی اب دشوار نہیں رہا۔ کیونکہ معاشرے کی رائج قدروں اور پیمانوں اور اخلاق و معاشرت کے حکمران اصولوں کا تعلق براہ راست اس تصور یا اس اعتقاد سے ہوتا ہے جو اس معاشرے میں پایا جاتا ہے، ان تمام اُمور کا سرچشمہ بھی وہی ہوتا ہے جو عقیدے کے بنیادی حقائق کا ہوتا ہے۔

البتہ جس چیز سے اجنبیت محسوس کی جا سکتی ہے ــــــ حتیٰ کہ اس طرح کے اسلامی مباحث پڑھنے والے حلقوں میں بھی! ــــــ وہ فکری اور فنی میدانوں میں بھی تصورِ اسلامی اور سرچشمۂ ربانی کی طرف رجوع کرنے کا مسئلہ ہے۔ فن کے سلسلہ میں تو ایک مستقل کتاب[1] منظرِ عام پر آ چکی ہے جس میں

---

[1] الاستاذ محمد قطب کی کتاب "منہج الفن الاسلامی"۔

اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ فن (آرٹ) انسان کے تصورات ورجحانات، تاثرات ومیلانات اس کے وجدان وانفعال کی ایک انسانی تعبیر ہے۔ اور مسلم کے اندران چیزوں کو نکھارنے والی، نہ صرف نکھارنے والی بلکہ ان کی تخلیق کرنے والی چیز اس کا تصور اسلامی ہے۔ وہ تصور جو نفس، زندگی اور کائنات کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ وہ تصور جس کا تعلق اس ہستی سے ہے جو نفس، زندگی اور کائنات کی خالق ہے۔ وہ تصور جو اس انسان کی حقیقت، کائنات میں اس کی حیثیت، اس کے وجود کی غایت، اس کے منصبی فرائض اور زندگی کی حقیقی قدروں کے سلسلے میں خاص نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ قصہ کوتاہ یہ ساری چیزیں اس تصور اسلامی کا جز ہیں جو محض ایک فکری تصور اور ذہنی تخیل ہی نہیں، بلکہ ایک زندہ، موثر، فعال، پرجوش اور انسان کے سارے جذبات ورجحانات پر تصرف کرنے والا اعتقادی تصور ہے۔

رہا خالص فکری علوم یا فکری کاوشوں کا مسئلہ یعنی یہ بات کہ خدائے واحد کی کامل بندگی کیلئے انھیں بھی خدائی اصولوں اور اسلامی ضابطوں کا پابند رکھنا ضروری ہے، تو اس پر ہمیں یہاں کھل کر گفتگو کرنی ہے کیونکہ یہ چیز قارئین کے لیے ـــــ حتیٰ کہ ان مسلمانوں کے لیے بھی جو حاکمیت اور قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے قرار دینا ضروری سمجھتے ہیں ـــــ اجنبی یا بالکل ایک نئی چیز ہو سکتی ہے!

وہ مسائل جو عقیدہ وعبادت سے تعلق رکھتے ہوں یا عام تصورِ وجود سے اخلاق ومعاشرت سے تعلق رکھتے ہوں یا زندگی کی قدروں اور پیمانوں سے سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظاموں سے تعلق رکھتے ہوں یا انسانی جدوجہد کے اسباب ومحرکات یا انسانی تاریخ کے اُتار چڑھاؤ کی تشریح وتفسیر سے، ان تمام مسائل میں

کتاب الٰہی کی طرف رجوع کرنا اور خدا کی بھیجی ہوئی ہدایات سے روشنی حاصل کرنا ضروری ہے اس طرح ان امور میں رہنمائی کسی ایسے مسلمان سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، جس کے دین و تقویٰ اور عملی زندگی پر کامل اعتماد ہو۔

البتہ ایک مسلمان کو یہ اختیار ہے کہ وہ خالص دنیاوی علوم مثلاً طبیعیات (PHYSICS) فلکیات (ASTRONOMY) کیمیا (CHEMISTRY) علم الحیات (BIOLOGY) طب، صنعت و زراعت کا فن نظم و انتظام، جنگ و پیکار کے فنی طریقے مسلم یا غیر مسلم کسی سے بھی سیکھ لے، اگرچہ خود مسلم معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام میدانوں میں یہ ساری صلاحیتیں بہم پہنچانے کی جدوجہد کرے۔ اور ان کے لیے ایسی فضا پیدا کرے جس میں وہ پھلیں پھولیں پروان چڑھیں، اور بہتر سے بہتر شکل میں نتیجہ خیز اور بار آور ہوسکیں۔ یہ سب فرض کفایہ ہیں۔ ضروری ہے کہ معاشرے کے کچھ افراد ان چیزوں میں مہارت حاصل کریں، ورنہ سارے ہی لوگ گنہگار ہوں گے

البتہ جب تک یہ بات نہیں ہوتی اس وقت تک ایک مسلم کو اختیار ہے کہ وہ ان علوم کو سیکھنے اور ان کی عملی تطبیق کرنے میں مسلم غیر مسلم سب سے فائدہ اُٹھائے۔ سب کی کاوشوں سے خوشہ چینی کرے اور کسی کی طرف سے بھی حاصل ہونے والے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے، کیونکہ یہ تمام چیزیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت آتی ہیں:

أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ۔ "اپنی دنیا کے معاملات کو تم بہتر طور پر سمجھتے ہو"

کیونکہ یہ علوم زندگی، کائنات، انسان، انسان کے مقصد وجود اور گردوپیش کی دنیا سے اس کے تعلق کی نوعیت سے کوئی بحث نہیں کرتے۔ نہ خالق کائنات کے ساتھ اس کے تعلق کی کیفیت سے کوئی تعرض کرتے ہیں۔ وہ اصول و مبادی وہ شرائع و احکام اور وہ نظام جو شخصی یا اجتماعی پیمانے پر اس کی زندگی کا کوئی رخ

Marfat.com

متعین کرتے ہیں۔ ان سے بھی ان علوم کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اخلاق و آداب، وہ عادات و روایات، وہ قدریں اور پیمانے جو معاشرے پر حکمرانی کرتے اور اس کا مجموعی کردار تیار کرتے ہیں، وہ بھی ان علوم کے دائرے سے خارج ہیں۔ لہذا ان سے عقیدے کے بگڑنے یا جاہلیت کی طرف پھر پلٹ جانے کا کوئی اندیشہ نہیں!

مگر جہاں تک ان علوم کا تعلق ہے جو انسان کی اجتماعی یا انفرادی جدوجہد کی توجیہ و وضاحت کرتے ہیں جن کے ذریعہ انسان کی حقیقت اور انسانی تاریخ کے اُتار چڑھاؤ پر غور کیا جاتا ہے اور جو ماورا الطبیعی پہلو سے زندگی، کائنات اور خود انسان کی نشوونما کے اصول متعین کرتے ہیں۔ ان کا حال خالص دنیاوی علوم یعنی طبیعیات کیمیا، فلکیات اور طب جیسا نہیں۔ ان کا تو بالکل وہی معاملہ ہے جو ان شرائع واحکام اور ان اصول ومبادی کا ہے جو انسانی زندگی اور اس کی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتے اور اس کی کوئی ایک راہ متعین کرتے ہیں۔ ان کا تعلق براہِ راست عقیدے سے ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ ایک مسلم ان کے سلسلہ میں رہنمائی کسی ایسے مسلمان سے ہی حاصل کرے، جس کے دین وتقویٰ پر اسے اعتماد ہو، اور یہ یقین ہو کہ اس کی ان ساری معلومات کا سرچشمہ خدا کی بھیجی ہوئی ہدایت ہی ہے۔ نہایت ضروری ہے کہ یہ چیز مسلمان کے ذہن میں پیوست ہو جائے اور وہ اچھی طرح جان لے کہ یہ خدائے واحد کی بندگی یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت کا ہی لازمی تقاضا ہے۔

وہ جاہلی کاوشوں اور جاہلی ذہن کے سارے افکار و نظریات سے واقف ہو، لیکن اس لیے نہیں کہ یہ تمام چیزیں ان اُمور میں اس کے فکر و تصور اور علم و واقفیت کی بنیاد بنیں، بلکہ اس لیے کہ اسے اندازہ ہو کہ جاہلیت کس کس طرح بھٹکتی اور ٹھوکریں کھاتی ہے! اور کس طرح اسلامی اصولوں اور عقیدۂ اسلامی کی صداقتوں سے انسانی راہ رویوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

بلاشبہ "فلسفے" کے سارے رُخ "تاریخ انسانی" کی تمام تعبیریں "علم النفس" (PSYCHOLOGY) کے سارے رجحانات، "اخلاق" کے سارے مباحث "ہم عصر مذاہب" کے تقابلی مطالعے کے تمام طریقے نیز اجتماعیت کے تمام نظریات براہِ راست جاہلی عقائد و تصورات سے متاثر ہیں۔ بلکہ ان کی بنیاد ہی انہی عقائد و تصورات پر ہے۔ ان تمام علوم کے سلسلہ میں جہاں تک مشاہدات، اعداد و شمار اور براہ راست حاصل ہوتے والی معلومات کا تعلق ہے، انہیں تو مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے لیکن ان مشاہدات اور اعداد و شمار سے جو عمومی نتائج اور اصولی کلیے اخذ کیے جاتے ہیں، انہیں ہرگز مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تمام علوم یا کم از کم ان میں سے بیشتر علوم اپنے بنیادی اصولوں میں تمام ہی مذہبی تصورات بالخصوص تصورِ اسلامی سے انتہائی شدید عداوت رکھتے ہیں۔ خواہ یہ عداوت علانیہ ہو یا درپردہ!

فکری ——— اور علمی! ——— جد و جہد کی ان اقسام کا وہ معاملہ نہیں جو کیمیا، طب، فلکیات، طبیعیات اور علم الحیوٰۃ جیسے علوم کا ہے۔ پھر ان علوم میں بھی شرط یہ کہ یہ علمی تجربات اور واقعی نتائج کی ترتیب کے حدود میں رہیں، نہ کہ ان حدود کو پھاند کر کسی بھی شکل میں ان کی فلسفیانہ تشریح پر آجائیں جس طرح ڈاروِنی ذہن علم الحیوٰۃ (BIOLOGY) میں مشاہدات اور ان کی ترتیب کو ثابت کرتے ہوئے یہ کہہ بیٹھا کہ زندگی کی نشو و نما اور اس کے تغیرات کی تشریح کے لیے عالم طبیعی سے ماورا ایک طاقت کا وجود ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اور ایسا اس نے محض ہوای و نفسانیت کی بنا پر کیا۔ ورنہ اس دعوے کی نہ کوئی دلیل ہے۔ نہ یہ دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت تھی اس لیے کوئی دعویٰ نہیں۔

ان اُمور کے سلسلہ میں مسلمان کے پاس خدائے تعالیٰ کے ہاں سے آئی ہوئی اتنی معلومات موجود ہیں، جو اس کے لیے کافی ہیں۔ اور وہ اتنی بلند سطح ——— جہاں سے

Marfat.com

اس سلسلہ کی ساری انسانی کاوشیں مضحکہ خیز اور طفلانہ حرکتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جبکہ یہاں محض معیار کی پستی یا بلندی کا ہی سوال نہیں بلکہ اس معاملے میں تعلق براہِ راست عقیدے اور خدائے واحد کی کامل بندگی سے ہے۔

"ثقافت (CULTURE) تو انسانی ورثہ ہے، نہ اس کا کوئی وطن ہے اور نہ اس پر کسی مذہب کا اجارہ ہے یہ حکایت بالکل صحیح ہے بشرطیکہ اس کا تعلق خالص دنیاوی علوم اور ان کی عملی تطبیقات سے ہو، نہ کہ اس دائرے سے آگے بڑھ کر ان علوم کے نتائج کی فلسفیانہ اور مابعدالطبیعیاتی (METAPHYSICAL) تشریح کی جانے لگے یا انسانی سرگرمیوں اور تاریخی تغیرات کی فلسفیانہ تشریح ہونے لگے یا فن و ادب اور تمام شعوری تعبیرات سے بحث کی جانے لگے کیونکہ اس صورت میں تو یہ یہودیوں کی عالمی سازشوں میں سے ایک خطرناک سازش ہوگی۔ جس کا مقصد ہے راستے کی ساری چٹانوں بالخصوص عقیدہ و تصور کی چٹانوں کو پاش پاش کر دینا تاکہ یہ بدباطن جسم عالم کو گھن کرکے اس میں پوری طرح نفوذ کر جائیں۔ پھر دل کھول کر اپنے شیطانی ارمان پورے کریں۔ بالخصوص سودی کاروبار کو فروغ دے سکیں، جس کا انجام یہ ہوگا کہ ساری نوعِ انسانی کا خون، پسینہ اور گاڑھی کمائیاں یہود کی سودی کمپلیوں میں براجمان بدبختوں کی مٹھیوں میں آ جائیں گی!

اسلام کی نگاہ میں ان تمام فنی اور دنیاوی علوم اور ان کی عملی تطبیقات کے پس منظر میں دو قسم کی ثقافتیں کارفرما ہیں۔ اسلامی ثقافت، جو اسلامی تصور اور اسلامی عقیدے کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اور جاہلی ثقافت جس کی تہ میں مختلف اصول کارفرما ہیں جن میں سے تمام کی بالآخر ایک ہی اصل قرار پاتی ہے، اور وہ ہے فکرِ انسانی کو ایک ایسا خدا بنا دینا جو اللہ تعالیٰ سے بالکل بے نیاز ہو، پھر یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی ثقافت انسان کی

Marfat.com

ساری ہی عملی اور فکری سرگرمیوں پر حاوی ہے اور وہ ایسی بنیادوں، ایسے اصول اور ایسی خصوصیات سے مالامال ہے جو ان سرگرمیوں کی نشوونما اور ان کی زندگی و پایندگی کی ضامن ہیں۔

ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہوگا کہ یہ سائنٹیفک نقطۂ نظر یا تجرباتی علوم جن پر یورپ کی موجودہ صنعتی تہذیب کی بنیاد ہے، ان کی نشوونما پہلے یورپ میں نہیں، ایشیا اور اندلس کی اسلامی درسگاہوں میں ہوئی اور ان کے رہنما اصول بھی اسلام اور اس کی ان تعلیمات سے ہی لیے گئے جو واضح طور پر کائنات، اس کی فطرت اور اس کی تہوں میں مدفون خزانوں کی طرف اشارے کرتی ہیں۔ پھر یورپ کی نشاۃ ثانیہ (RENAISSAN) میں وہاں کی علمی تحریک نے انھیں اپنے ہاتھ میں لیا اور برابر وہ انھیں پروان چڑھاتی اور ترقی دیتی رہی، جبکہ ادھر عالم اسلام میں ان پر جمود و تعطل کا حملہ ہوا، اور بالآخر عالم اسلام کا ان سے رشتہ ہی ٹوٹ گیا۔ جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ عالم اسلام کچھ اسباب و عوامل کے تحت رفتہ رفتہ اسلام سے دور ہوتا گیا، جن میں سے کچھ عوامل تو معاشرے کے اندرونی حالات سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ صلیبی اور صیہونی یورشوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ پھر چرچ جو محض بغی و سرکشی کی وجہ سے خدائی بادشاہت کی آڑ لے کر انسانوں پر زیادتیاں کر رہا تھا، اس سے یورپ کو دوری ہوئی تو اسی زمانے میں اس نے مسلمانوں سے اخذ کردہ اس نقطۂ نظر یا ان علوم کو ان کی اسلامی اور اعتقادی بنیادوں سے کاٹ کر الگ کر دیا۔ اور پھر انھیں خدا سے بہت دور لے جا کر ہی دم لیا۔

اس طرح فکر یورپ کی ساری پیداوار ـــــ جیسا کہ ہر جگہ اور ہر دور میں جاہلیت کی پیداوارِ فکر کا یہی حال رہا ہے ـــــ ایک دوسری ہی چیز بن گئی جو بنیادی طور پر تصورِ اسلامی کی بنیادوں سے مختلف بھی ہے اور تصورِ اسلامی کی

فطری دشمن بھی، لہذا ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے عقیدہ و تصور کی بنیادوں کی طرف پلٹے اور انہی کو اپنا مرجع و ماخذ بنائے اگر ممکن ہو تو براہ راست کتاب الہٰی اور سرچشمۂ ربانی سے سیراب ہو، ورنہ کسی ایسے مسلمان کو واسطہ بنائے جس کے اندر دین و تقویٰ کی وافر مقدار موجود ہو کہ اس پر وہ مکمل اعتماد کر سکے۔

وہ تمام علوم جو عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، جو زندگی اور کائنات کا کوئی تصور پیش کرتے ہوں یا جو عادات اور روایات کے سلسلے میں کوئی نقطہ نظر دیتے ہوئے یا جو انسانی اخلاق، انسانی اقدار کی کوشش کرتے ہوں مختصر یہ کہ جو براہ راست انسان اور اس کی سرگرمیوں سے متعلق ہوں، ایسے علوم کے سلسلہ میں اس بات کو نظر انداز کر دینا کہ ان کا ماخذ کیا ہے، یہ اسلام کے لیے ایک بالکل ہی نئی چیز یا اسلامی نقطۂ نظر سے انتہائی عجیب بات ہے۔

اسلام اس کی اجازت تو دیتا ہے کہ مسلمان طبیعیات اور فلکیات، کیمیا اور طب، صنعت اور زراعت، دفتری یا انتظامی کام اور اسی طرح کی دوسری چیزیں کسی غیر مسلم یا ناخدا ترس مسلم سے حاصل کرے۔ مگر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے عقیدہ و تصور کی بنیادیں، قرآن و حدیث کی تفسیریں، نبیؐ کی سیرت اور تاریخ کے اصول، حکومت کے نظام اور سیاست کے انداز، معاشرے کا دستور العمل اور فن و ادب کے محرکات اور تعبیریں وغیرہ غیر اسلامی اداروں سے حاصل کرے یا قابلِ اعتماد اور خدا ترس مسلم کی بجائے کسی اور سے سیکھے۔ خالص دنیاوی علوم کے سلسلے میں بھی یہ رعایت بس اسی وقت تک کے لیے ہے جب تک کہ ان علومِ کے لیے کوئی متقی اور خدا ترس مسلمان نہ ملے، جیسا کہ آج اپنے کو مسلم کہنے والے معاشرے میں ہم دیکھتے ہیں، جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے دین و مذہب اور اسلامی تصور خلافت سے دور جا پڑا ہے، اور خلافت ارضی کے لیے جن

Marfat.com

مختلف علوم و فنون اور صلاحیتوں کی ضرورت ہے، ان سے افسوس ناک حد تک غافل ہے۔

یہ سطریں لکھنے والا ایک ایسا شخص ہے جس نے عمر کے مکمل چالیس سال فکر و تحقیق اور ریسرچ میں گزارے ہیں۔ جن میں اس کا کام ہی تھا، تمام انسانی علوم کو کھنگالنا اور ان کا گہرا اور تحقیقی مطالعہ کرنا۔ ان میں سے کچھ علوم تو اس کے اختصاص کے تھے اور کچھ سے اسے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ پھر چالیس سال بعد جب وہ اپنے اصل سرچشمہ علم و حکمت یعنی قرآن و سنت کی طرف پلٹا تو اُسے محسوس ہوا کہ اب تک اس نے جو علوم پڑھے یا سیکھے ہیں، وہ اس بے حد و بے پایاں علمی اثاثہ کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہیں۔ انکی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی قد آور قوی ہیکل ہیربل کے مقابلے میں کچھ چھوٹے موٹے بونے۔ ظاہر ہے، اس کے علاوہ ہو بھی کیا سکتا تھا مگر وہ عمر کے ان چالیس سالوں پر نادم نہیں۔ کیونکہ اس نے جاہلیت کی حقیقت اچھی طرح پہچان لی۔ اس کی بے راہ روی، بے نوری اور حقیقت سے دوری کا اسے اندازہ ہو گیا اس کی خود فریبیوں، بُلند بانگ کھوکھلے دعوؤں اور رخست آمیز شیخیوں سے وہ پوری طرح آگاہ ہو گیا! اور اسے اس بات کا علم الیقین حاصل ہو گیا کہ مسلمان بیک وقت ان دونوں سرچشموں کو اپنا ماخذ نہیں بنا سکتا! وہ جاہلیت اور ہدایت، ان دونوں کشتیوں پر سوار ہونے کی حماقت نہیں کر سکتا!

لیکن اس کے باوجود ہم نے جو کچھ کہا، وہ ہماری اپنی بات نہیں۔ معاملے کی نزاکت اس کی متحمل نہیں کہ اس سلسلہ میں اپنے جی سے کوئی بات کہی جائے۔ . . .

خدا کی نگاہ میں یہ بات اتنی اہم ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی مسلمان اپنی رائے پر اعتماد نہیں کر سکتا ہم اس معاملے میں خدا اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کو حکم بناتے ہیں کہ اختلافی مسائل میں مومنین کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے۔

یہود و نصاریٰ عام طور سے مسلمانوں کے سلسلہ میں کیا ارمان اور کیا منصوبے

Marfat.com

رکھتے ہیں، اس کی نشاندہی کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ٥

(البقرہ ۱۰۹)

اہل کتاب میں سے بہتیرے اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ کسی طرح ایمان لانے کے بعد پھر تمھیں کافر بنادیں، جبکہ حق پوری طرح واضح ہو کر ان کے سامنے آگیا۔ تو تم درگزر سے کام لو اور جانے دو، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔

(البقرہ ۱۲۰)

اور نہ یہودی تم سے راضی ہو سکتے ہیں، اور نہ نصاریٰ، جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ کہہ دو، خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور اگر تم اس علم کے بعد بھی، جو تمھارے پاس آیا ہے، ان کی خواہشات پر چلے تو اللہ کے مقابلے میں نہ تمھارا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ۔

(آل عمران ۱۰۰)

ایمان والو! اگر تم نے ان اہل کتاب میں سے کسی گروہ کی بھی بات مان لی، تو وہ ایمان لے آنے کے بعد پھر تمھیں کافر بنادیں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسْئَلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ عَنْ شَيْءٍ فَاِنَّهُمْ لَنْ يَّهْدُوْكُمْ وَقَدْ ضَلُّوْا وَاِنَّكُمْ اِمَّا اَنْ تُصَدِّقُوْا بِبَاطِلٍ وَاِمَّا اَنْ تُكَذِّبُوْا بِحَقٍّ وَاِنَّهٗ وَاللّٰهِ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ (رواہ ابویعلی)

کسی چیز کے بارے میں اہل کتاب سے نہ پوچھو، کہ وہ تو خود ہی گمراہ ہیں، تمھاری کیا رہنمائی کریں گے۔ تم یا تو غلط باتیں مان لوگے، یا حق باتوں کو جھٹلا دو گے بخدا اگر موسیٰؑ تمھارے درمیان زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی جائز نہ ہوتا مگر یہ کہ وہ میری پیروی کریں۔

اس قدر واضح انداز میں یہود و نصاریٰ کے ارمانوں کی نشان دہی ہو جانے کے بعد ایک لمحہ کے لیے بھی یہ تصور قائم کرنا کتنی سادہ لوحی ہوگی کہ وہ اسلامی عقیدہ یا اسلامی تاریخ یا مسلم معاشرے کی سیاست و معیشت سے تعلق رکھنے والے مسائل میں اپنی نیتیں درست رکھ سکیں گے، یا راست روی اور انصاف پسندی کی روش اپنا سکیں۔ جو لوگ خدا کی طرف سے آئی ہوئی ان واضح تنبیہات کے بعد بھی ان سے یہ اُمید قائم رکھتے ہیں۔ وہ کس قدر غفلت و مدہوشی میں ہیں؛

پھر وہ کون سا ماخذ ہوگا جس کی طرف ایک مسلمان کو رجوع کرنا ہوگا۔؟ ارشاد الٰہی "قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (کہہ دو: خدا کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔) سے اس کی بھی تعیین ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ہدایت الٰہی کے سوا جو کچھ ہے، ضلالت و گمراہی ہے۔ ہدایت الٰہی کے علاوہ اور کہیں ہدایت کا نام نہیں۔ "قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى" تاکید اور حصر کا انداز ہے، جس سے یہی تنبیہ مقصود ہے لہذا آیت کے اس مفہوم میں شک کی گنجائش نہیں، نہ تاویل کا ہی کوئی امکان ہے!

اب جو لوگ ذکر الٰہی سے روگردانی کریں، اور ساری توجہات اِسی دُنیا

Marfat.com

پر مرکوز کر دیں، ایسوں کے ساتھ ہمارا کیا رویہ ہو؟ آیات الٰہی کہتی ہیں کہ ان سے قطعی طور پر اعراض کیا جائے۔ کیونکہ ان کے پاس جو کچھ ہے، وہم و گمان ہے۔ اور مسلم کو وہم و گمان کی پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ اُن کی نگاہ دنیوی زندگی کی ظاہری رنگینیوں تک ہی محدود ہے، اس لیے وہ صحیح علم و بصیرت سے محروم ہیں۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ذٰلِکَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰی۔

(النجم ۱۹-۲۰)

تو تم ایسے لوگوں سے کنارہ کش رہو جو ہمارے ذکر سے روگرداں ہیں، اور جن کا نصب العین حیاتِ دنیا کے سوا کچھ نہیں، ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب اس شخص سے خوب واقف ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا۔ اور اس سے بھی خوب واقف ہے جس نے سیدھی راہ اپنائی۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (الروم ۷)

"وہ دنیوی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں، اور آخرت سے وہی غافل ہیں۔"

جو ذکرِ الٰہی سے غافل اور دنیا کی شادابیوں پر ہی فریفتہ ہو —— جیسا کہ آج کے "اربابِ علم و دانش" کا حال ہے —— اس کو بس ظاہر کا ہی علم ہو سکتا ہے۔ اور یہ وہ "علم" نہیں جس کی بنیاد پر ایک مسلم کسی پر اعتماد کر سکتا اور اپنی تمام مشکلات میں اس کی طرف رجوع کر سکتا ہو۔ ایسے لوگوں کے سلسلہ میں تو بس اسی حد تک گنجائش ہے کہ ان کے مادی علوم سے فائدہ اُٹھایا جائے، نہ کہ زندگی اور روح کی عام تشریح اور ان سے تعلق رکھنے والے عقائد و نظریات ان سے معلوم کیے جائیں۔ یاد رہے یہ وہ علم ہرگز نہیں، جس کی طرف قرآنی آیتیں بار بار مدح و

Marfat.com

توصیف کے پیرائے میں اشارے کرتی ہیں، مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے :

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ○	کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہوں اور وہ جو علم سے بے بہرہ ہوں ؟

ظاہر ہے یہاں علم سے مراد یہ علم ظاہر یا علم دنیا نہیں ، جیساکہ ان لوگوں کا گمان ہے جو قرآنی آیات کو سیاق سے الگ کر کے موقع بے موقع ان سے استدلال کے عادی ہیں ۔ یہ سوال جس آیت میں ہے ، وہ پوری آیت ملاحظہ ہو :

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ؕ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (الزمر ۹)	جو رات کی گھڑیوں میں عبادت میں مصروف رہتا ہے ، کبھی سجدہ ریز ہوتا ہے کبھی قیام کرتا ہے ، آخرت سے ڈرتا بھی ہے ۔ اپنے رب کی رحمتوں کی اُمید بھی رکھتا ہے کیا (وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو خدا سے غافل اور آخرت کا منکر ہو ؟) کہو : کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم سے بے بہرہ ہیں ؟ تذکر تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں ۔

جو شخص راتوں کو عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتا ہو ، کبھی قیام کی حالت میں دعا و مناجات میں مشغول ہو تو کبھی سجدے میں پڑا آہ وزاریاں کرتا ہو ، تصورِ آخرت سے لرزاں بھی ہو اور رحمت الٰہی کا اُمیدوار بھی ۔ یہی وہ شخص ہے جس کے پاس علم ہے ، اور حقیقت میں یہی علم ہے ۔ آیت الٰہی میں جس علم کا ذکر ہے اس سے مراد وہی علم ہے جو بندے کو خدا امست و خدا ترس بنا دے ، نہ کہ فطرت کو مسخ کر کے ملحد اور دہریہ بنا دے ۔

علم سے مراد صرف وہ عقائد و فرائض اور شرائع و احکام کا ہی علم نہیں کہ علم کی دنیا تو بہت وسیع ہے۔ قوانین فطرت (PHYSICAL LAWS) کو دریافت کرنا اور خلافتِ ارضی کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں ان سے مدد لینا بھی بالکل اسی طرح علم میں داخل ہے جس طرح عقائد و فرائض اور شرائع و احکام داخل ہیں۔ البتہ اگر کسی علم کا رشتہ ایمان سے ٹوٹ جائے تو اسے وہ علم نہیں کہا جا سکتا جس کی طرف قرآن پاک اشارے کرتا اور جس سے متصف لوگوں کی تعریفیں کرتا ہے۔ فلکیات (ASTRONOMY) طبیعیات (PHYSICS) علم الحیوٰۃ (BIOLOGY) کیمیا (CHEMISTRY) طبقات الارض (GEOLOGY) اور نوامیس کائنات و قوانینِ حیات سے تعلق رکھنے والے سارے علوم کا ایمان سے بہت گہرا تعلق ہے۔ یہ سارے علوم اللہ تعالیٰ سے ملانے والے ہیں بشرطیکہ ہوائے آوارہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہیں۔ اور وہ ان میں خدا بیزاری کا زہر نہ گھول دے جیسا کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں دیکھا کہ وہاں بھی دردناک صورتِ حال پیش آئی علمی طبقے اور ظالم اہلِ چرچ کے درمیان نہایت شدید اختلافات ہوئے۔ جس کے نتیجہ میں وہاں کی علمی تحریک سخت خدا بیزاری کی راہ پر چل پڑی اور پھر اس نے یورپ کے مزاج اور وہاں کے تمام ہی فکری سرمایہ پر انتہائی گہرے نقش چھوڑے اس نے ان تمام افکار میں جو ذہن یورپ کی پیداوار ہیں۔ نہ صرف چرچ اور چرچ کے خلاف بلکہ جملہ دینی و مذہبی تصورات کے خلاف شدید نفرت و عداوت کے زہریلے جذبات گھول دیئے۔ حتیٰ کہ علم کا کوئی شعبہ ان مہلک اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ خواہ مابعد الطبیعیاتی (METAPHYSICAL) فلسفے ہوں یا خالص سائنسی یا مجرد علمی و فنی تحقیقات، جن کا بظاہر موضوع دین سے کوئی علاقہ نہیں!

جب یہ بات طے ہو گئی کہ مغرب کے تمام ہی فکری اصول اور اس فکر سے پیدا ہونے والے تمام علوم روزِ اول سے ہی جملہ مذہبی تصورات کے خلاف شدید نفرت و

عداوت کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں، تو پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ یہ فکری اصول اور بہ علوم براہ راست تصور اسلامی کے دشمن ہیں۔ اس دشمنی کے مظاہرے برابر ہوتے رہتے ہیں وہ آئے دن زور لگاتے ہیں کہ دینی عقائد و تصورات اور اسلامی اقدار کو خس و خاشاک کی طرح بہا دیں اور وہ تمام بنیادیں منہدم کر دیں جو مسلم معاشرے کو اپنی تمام چیزوں میں ممتاز کرتی ہیں۔

اس طرح یہ بات بڑی خطرناک ہو گی کہ اسلامی تحقیقات کے سلسلہ میں مغرب کے فکری اصولوں اور اس کے علمی سرمایہ پر مکمل اعتماد کر لیا جائے۔ دنیاوی علوم جن کے سلسلہ میں ہم فی الحال مغرب کی خوشہ چینی پر مجبور ہیں، ان کا مطالعہ کرتے ہوئے بھی ہمیں ہر طرح چوکنا رہنا ہو گا، کہ ان کی تہ میں کون سے فلسفیانہ اصول و افکار کار فرما ہیں۔ کیونکہ یہ اصول و افکار بنیادی طور پر جملہ مذہبی تصورات بالخصوص تصور اسلامی کے دشمن ہیں، اور ان کی ذرا سی مقدار بھی صاف شفاف چشمۂ اسلام کو مسموم کر دینے کے لیے کافی ہے۔

Marfat.com

اسلام نے جس روز انسانیت کو نئی انسانی قدریں اور نئے پیمانے عطا کیے ٹھیک اسی دن اس نے تعلقات و روابط اور باہمی رشتوں کی بابت بھی ایک بالکل ہی نیا تصوّر عطا کیا۔

وہ آیا تاکہ انسان کو اس کے رب سے پھر جوڑ دے اور اسی کو انسانی قدروں اور ردّ و قبول کے پیمانوں کا سرچشمہ قرار دے کیونکہ وہی اس کے وجود اور اس کی زندگی کا سرچشمہ ہے اسی طرح انسانی تعلقات و روابط کی اصل بھی اسی کو ٹھہرائے کہ اسی کے ارادہ و مشیت سے وہ پیدا ہوا اور اسی کی طرف اسے پلٹنا ہے۔

وہ آیا، تاکہ یہ ذہن نشین کرائے کہ ایک ہی خدائی رشتہ ہے جو انھیں باہم دگر جوڑتا ہے، اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو پھر نہ کوئی قرابت ہے نہ رشتۂ محبت۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔ (المجادلہ ۲۲)	جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم کبھی نہ پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا گھرانے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔

(۲) ایک ہی جماعت ہے جو خدا کی ہے، اور وہ متعدد نہیں ہو سکتی، اور بقیہ ساری جماعتیں شیطانی اور طاغوتی ہیں:

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ۚ اِنَّ کَیۡدَ الشَّیۡطٰنِ کَانَ ضَعِیۡفًا ۝ (النساء ۷۶)	جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، اور جنھوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، تو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو۔ بلاشبہ شیطان کی چال بہت پھس پھسی ہے۔

۳۔ ایک ہی راستہ ہے جو خدا کی طرف جاتا ہے، اور بقیہ راستے اس تک نہیں پہنچاتے:

وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡہُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۔ (الانعام ۱۵۱)	اور یہ کہ یہ میرا راستہ ہے، بالکل سیدھا لہٰذا تم اسی پر چلو، اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، کہ وہ تمھیں اس کے راستہ سے ہٹا کر مختلف راہوں پر ڈال دے۔

۴۔ ایک ہی نظام ہے جو اسلامی نظام ہے، اور بقیہ نظام جاہلیت ہیں:

اَفَحُکۡمَ الۡجَاھِلِیَّۃِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ حُکۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۝ (المائدہ ۵۰)	کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

۵۔ ایک ہی قانون ہے جو خدائی قانون ہے، اور بقیہ قوانین ہوا و نفسانیت ہیں:

ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ	پھر دین کے سلسلہ میں ہم نے تمھیں ایک واضح

Marfat.com

الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (الجاثیہ ۱۸)

راستہ پر لگا دیا ہے، تو تم اسی راہ پر چلو، ان لوگوں کی خواہشات پر کبھی نہ چلنا جو علم سے بے بہرہ ہیں۔

۶۔ ایک ہی حق ہے جو متعدد نہیں ہو سکتا اور اس کے ماسوا جو کچھ ہے ضلالت وگمراہی ہے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ؟ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ؟ (یونس ۳۲)

تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ گیا پھر تم کس طرح پھرے جا رہے ہو؟

۷۔ ایک ہی خطہ ہے جو دارالاسلام ہے۔ اور یہ وہ خطہ ہے جہاں اسلامی حکومت کا قیام خدائی شریعت کا نفاذ اور حدود اللہ کی حکمرانی ہو، جہاں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا رفیق وہمدرد اور غم خوار وغم گسار ہو۔ اس کے علاوہ جو علاقہ بھی ہو، وہ دارالحرب ہوگا جس سے مسلمان یا تو جنگ کرے گا یا عہدِ امان کی بنیاد پر صلح، مگر وہ دارالاسلام نہ ہوگا نہ وہاں کے باشندوں سے مسلمانوں کا کوئی رشتہ وتعلق ہوگا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہِ خدا میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہیں کی تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی رشتہ نہیں، جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں، لیکن اگر وہ

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ
وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ وَالَّذِیْنَ
كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط
اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی
الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ ۝ وَالَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا
وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ
بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۔
(الانفال ۷۲-۷۵)

دین کے معاملے میں تم سے مدد چاہیں تو مدد کرنا تم پر فرض ہے، مگر کسی ایسی قوم کے مقابلے میں نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں، اگر تم ایسا نہیں کرتے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد ہوگا اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (انہیں) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی درحقیقت ایسے ہی لوگ مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے درگزر اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا تو وہ بھی تم میں شامل ہیں۔

اسلام یہی پیام لیکر آیا۔ وہ آیا، تاکہ انسان کو اونچا اٹھائے، اسے خاک وخون اور قوم ووطن کی بیڑیوں سے آزاد کرے۔ چنانچہ مسلم کا وطن صرف وہ خطہ ہے۔ جہاں شریعتِ الٰہی کا قیام ہو، اس کی قومیت بس وہ عقیدہ ہے جو اسے "دارالاسلام" میں "امت مسلمہ" کا ایک فرد قرار دے۔ اور اس کی قرابت صرف وہ رشتہ ہے جو عقیدۂ الٰہی کے تنے سے پھوٹے۔ پھر یہی قرابت ہوگی جو اس کے اور اہل وعیال کے درمیان خدا کی بنیاد پر رشتہ قائم کرے گی۔

مسلم کے لیے باپ، باپ نہیں، ماں، ماں نہیں، بھائی بھائی نہیں، بیوی

Marfat.com

بیوی نہیں، اور خاندان خاندان نہیں ؛ جب تک یہ پہلا رشتہ ــــ یہ خدائی رشتہ قائم نہ ہو، کہ یہی رشتہ پھر رحمی رشتے سے جڑے گا۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّا حِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔ (النساء - ۱)	لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے بہت سے مرد، عورت پھیلا دیئے اور خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) مانگتے ہو اور رشتوں کا پاس و لحاظ رکھو۔

مگر اختلافِ عقیدہ کے باوجود والدین کے ساتھ حسنِ سلوک میں کوئی فرق نہ آئے گا، بشرطیکہ وہ خود اسلام کے مقابلے میں صف آرا نہ ہوں، ورنہ پھر تو کوئی رشتہ اور کوئی تعلق نہ رہے گا۔ منافقین کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی کے بیٹے حضرت عبداللہؓ اس حقیقت کی نہایت روشن مثال ہیں :

ابن زیاد سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کے بیٹے عبداللہؓ کو بلا کر فرمایا : دیکھتے نہیں تمھارے باپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اُنھوں نے عرض کیا : کیا کہہ رہا ہے میرا باپ ؟ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا! آپؐ نے فرمایا : وہ کہہ رہے ہیں ، اگر ہم مدینہ لوٹے تو طاقتور ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ اُنھوں نے عرض کیا : اس نے سچ کہا، اے اللہ کے رسول! بخدا طاقت و عزت کے مالک تو آپ ہی ہیں، اور ذلیل وہ ہے۔ خدا گواہ ہے اے اللہ کے رسول! اور اہلِ یثرب کو بھی معلوم ہے کہ جس وقت آپؐ مدینہ تشریف لائے، یہاں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا وفادار اور طاعت گزار کوئی نہ تھا لیکن اگر خدا اور رسولؐ کہیں تو

Marfat.com

ابھی اس کا سر حاضر کر دوں۔ ارشاد ہوا "نہیں"۔ پھر لوگ مدینہ لوٹے تو حضرت عبداللہؓ تلوار سونت کر گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور باپ سے کہا: تجھ ہی نے کہا ہے، اگر ہم مدینہ لوٹے تو طاقتور ذلیل کو نکال باہر کرے گا؟ بخدا ابھی معلوم ہوا جاتا ہے کہ عزت و قوت تیرے لیے ہے یا رسولِ خدا کے لیے؟ بخدا اس گھر کا سایہ تجھ پر پڑ نہیں سکتا، تو قیامت تک اس میں قدم نہیں رکھ سکتا، جب تک خدا اور رسول کا اذن نہ ہو اس نے قوم کی دہائی دی۔ خزرج کے لوگو! یہ لڑکا مجھے گھر میں داخل ہونے نہیں دیتا۔ خزرج کے لوگو! یہ لڑکا مجھے گھر میں جانے سے روکتا ہے۔ عبداللہ نے کہا: بخدا تو اندر قدم نہیں رکھ سکتا جب تک آپؐ کا اذن نہ ہو۔ اتنے میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور سب نے منانے کی کوشش کی۔ مگر وہ برابر یہی کہتے رہے: بخدا وہ اندر جا نہیں سکتا، جب تک خدا اور رسولِ خدا کا اذن نہ ہو۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور آپؐ کو صورتِ حال کی اطلاع دی۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ کہہ دو: گھر میں جانے دیں"۔ لوگ رسولِ خدا کا اذن لیکر پہنچے تو ان کی زبان سے یہ الفاظ سنے گئے: اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو وہ سر آنکھوں پر۔

اور جب عقیدے کا رشتہ قائم ہو گیا، تو سارے مومن بھائی بھائی ہیں، چاہے نسبی اعتبار سے ان کے درمیان کوئی رشتہ نہ ہو، کوئی نسلی اور خونی قرابت نہ ہو۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (مومنین تو بھائی بھائی ہیں) حصر اور تاکید کا انداز ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا۔ اور جن لوگوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی وہی

Marfat.com

بَعْضٍ (الانفال ٢٢) دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

پھر یہ رشتہ و تعلق ایک ہی نسل میں محدود نہیں رہتا، یہ بعد کی نسلوں میں بھی منتقل ہوتا ہے۔ یہ اُمت کے پہلے فرد کو آخری فرد سے، اور آخری کو پہلے سے انتہائی گہری الفت و محبت اور شفقت و ہمدردی کے سنہری تاروں سے جوڑ دیتا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ
هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا
يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا
وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ
وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا
وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا
بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ
قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

(الحشر ٩-١٠)

اور جو لوگ ان سے پہلے سے اس گھر (مدینہ) میں بسے ہوئے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں، جو ہجرت کر کے ان کے یہاں آئیں ان سے محبت کرتے ہیں، اور اپنے دلوں میں اس سے کوئی غرض نہیں پاتے، جو انہیں دیا جائے اور انہیں اپنے سے مقدم رکھتے ہیں چاہے انہیں محتاجی ہی کیوں نہ ہو، اور جو لوگ اپنے نفس کی طمع سے بچے رہے وہی فلاح یاب ہیں۔ اور جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں: ہمارے رب بخش دے ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان کی بدولت ہم سے آگے نکل گئے اور ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں ہمارے دلوں میں کینہ کو جگہ نہ دے۔ ہمارے رب! بیشک تو شفقت کرنے والا اور مہربان ہے۔

Marfat.com

مثالی حیثیت سے اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کے اس معزز کنبے کو پیش کرتا ہے جس کے افراد مختلف زمانوں میں قافلۂ ایمان میں آ آ کر ملتے رہے، کہ ان کی ساری وابستگی عقیدے سے تھی، عقیدہ ہی ان کے تمام تعلقات کی بنیاد اور سارے رشتوں کی اساس تھا۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ○ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ط فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۗ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (ہود ۴۵-۴۷)

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا: اے رب! میرا بیٹا بھی تو میرے گھر والوں میں سے ہے۔ اور بیشک تیرا وعدہ سچا ہے، اور تو ہی سب سے بڑا حاکم ہے (خدا نے) فرمایا: اے نوح! وہ تمھارے گھر والوں میں سے نہیں، یہ تو غلط کام ہے، تم ایسی چیز کا مجھ سے سوال نہ کرو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ (نوح نے کہا): میرے رب! میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں، جس کا مجھے کوئی علم نہیں اور اگر تو نے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا، تو میں برباد ہو جاؤں گا۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ط قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط

اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو وہ ان میں پورا اُترا۔ فرمایا: میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ۔ (البقرہ ۱۲۴)

والا ہوں، اُس نے عرض کیا: اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا: میرے وعدے میں ظالم شامل نہیں ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○ (البقرہ ۲۶)

اور یاد کرو، جب ابراہیمؑ نے کہا: میرے رب! اس کو پُرامن شہر بنا دے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کا رزق دے۔ ان کو جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھیں۔ (رب نے) فرمایا: جو کوئی کفر کرے گا، تھوڑا بہرہ مند تو اسے بھی کروں گا۔ پھر اسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب دیکھتے ہیں کہ باپ اور دوسرے اعزہ و اقرباء گمراہی پر مصر ہیں تو وہ ان سب کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں:

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ (مریم ۴۸)

اور میں آپ لوگوں کو چھوڑتا ہوں، اور انہیں بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ میں اپنے رب کو پکاروں گا اُمید ہے اپنے رب کو پکار کر بے نصیب نہیں رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کا وہ کردار بھی پیش کرتا ہے۔ جو ایک قابلِ اتباع اور مثالی کردار ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

تمہارے لیے ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں

Marfat.com

فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ۔ (الممتحنہ ۴)

میں ایک عمدہ اور قابلِ تقلید نمونہ ہے جبکہ انہوں نے قوم سے کہا: ہم تم سے الگ ہیں اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو ان سے بھی الگ ہیں۔ ہم تمہیں نہیں مانتے اور ہمارے تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض وعداوت ہے، جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

اصحاب کہف کے لیے جب یہ بات ممکن نہیں رہ جاتی کہ وہ گھر، خاندان اور وطن میں رہتے ہوئے خالص خدا کی بندگی کر سکیں، اور عقیدہ وایمان کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، تو وہ گھر، خاندان اور وطن سب کو خیرباد کہہ کر اپنے رب کی پناہ میں آجاتے ہیں۔

اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًی ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ وَ

وہ کچھ جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے، انہیں ہم نے اور زیادہ ہدایت دی، ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا، جب وہ اُٹھے اور اُنھوں نے کہا: ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہ پکاریں گے (کیونکہ) اُس وقت تو ہم بہت زیادتی کی بات کریں گے۔ یہ ہماری قوم نے تو اس کے علاوہ دوسرے بہت سے الٰہ بنا لیے ہیں۔ یہ ان کے حق میں کوئی واضح سند کیوں نہیں لاتے! اچھر

Marfat.com

اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا	اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ گڑھے؟ اور جب کہ تم اُن سے اور اللہ کے سوا جس کی یہ عبادت کرتے ہیں، اس سے کنارہ کش ہو گئے ہو تو غار میں چل کر پناہ لو، تمھارا رب تمھیں رحمت کی چادر اڑھا دے گا۔ اور تمھارے لیے ہر طرح کی آسانیاں مہیا کرے گا۔
(الکہف ۱۲-۱۶)	

اور جب عقیدے میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ تو حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ علیہما السلام سے ان کی بیویاں الگ کر دی جاتی ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ اِذْ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۔	اللہ کفر کرنے والوں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کو مثال میں پیش کرتا ہے دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے زیر نکاح تھیں، دونوں نے ان کے ساتھ خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں اُن کے کچھ کام نہ آئے، اور کہا گیا: تم دونوں داخل ہو جاؤ آگ میں، داخل ہونے والوں کے ساتھ۔
(التحریم ۱۰)	

اور دوسری طرف فرعون کی بیوی کی مثال ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ	اور اللہ ایمان لانے والوں کے لیے فرعون کی بیوی کو بطور مثال پیش کرتا ہے جب کہ اس نے کہا: میرے رب! میرے لیے اپنے

Marfat.com

وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (التحریم ۱۱)

پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے چھٹکارا دے۔ اور چھٹکارا دے مجھے ظالم لوگوں سے۔

اس طرح متعدد مثالیں ہیں، جو ہر رشتے سے تعلق رکھتی ہیں۔ قصۂ نوحؑ میں باپ کا رشتہ ہے، قصۂ ابراہیم میں بیٹے اور وطن کا رشتہ ہے، قصۂ اصحاب کہف میں وطن، خاندان اور گھر سبھی کا رشتہ ہے، اور نوح و لوط علیہما السلام کی بیویوں اور فرعون کی بیوی کے قصوں میں زوجیت کا رشتہ ہے۔

اس طرح باہمی تعلقات و روابط اور باہمی رشتوں کی حقیقت کا یہ تصور رکھتے ہوئے یہ نیک قافلہ گزر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خیر اُمت کا دور آتا ہے۔ وہ اُمت اپنے سامنے ایسی مثالوں، ایسے نمونوں اور ایسے واقعات کا ایک انبار پاتی ہے، اور پھر وہ بھی اسی نہج پر گامزن ہو جاتی ہے، جو اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے تجویز فرمایا ہے۔ چنانچہ جونہی عقیدے میں اختلاف ہوتا ہے، اور جیسے ہی یہ پہلا رخنہ ٹوٹتا ہے، ایک ہی گھر اور ایک ہی خاندان میں باہم جدائی پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی یہ کیفیت یوں بیان فرمائی ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ

جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو تم کبھی نہ پاؤ گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا گھرانے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان کو نقش کر دیا ہے، اور اپنے

وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ	لطف خاص سے انہیں طاقتور بنایا ہے
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا	وہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا	جن کے نیچے سے نہریں رواں ہوں گی، جہاں
عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ	وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی وہ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ	اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی پارٹی ہیں۔ سن لو
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○	اللہ کی پارٹی ہی فلاح سے ہمکنار ہونے
(المجادلۃ آیت ۲۲)	والی ہے۔

اور جب محمد ـــــــ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــــ آپؐ کے چچا ابولہب اور چچا زاد بھائی عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے درمیان قرابت کا رشتہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے، جب مہاجرین میدان بدر میں اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقرباء کے مقابلہ میں صف بستہ ہو جاتے ہیں، اور جب ان کے خون سے وہ اپنے ہاتھ رنگین کر لیتے ہیں، علیٰ اس وقت مہاجرین و انصار کے درمیان عقیدے کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور اب وہ بھائی بھائی ہو جاتے ہیں۔ عرب مسلمانوں اور ان کے بھائیوں صہیب رومی، بلال حبشی، سلمان فارسی کے درمیان بھی یہ رشتہ قائم ہوتا ہے، اور نسل و وطن اور قبیلے کی عصبیت لاپتہ ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مُنْتِنَةٌ	"اُسے چھوڑ دو کہ یہ بدبودار ہے"

اسی طرح کسی اور موقع پر ارشاد ہوتا ہے:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰى عَصَبِيَّةٍ	جو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں
وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ	جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں
وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى عَصَبِيَّةٍ	جو عصبیت پر مرے وہ ہم میں سے نہیں۔

Marfat.com

چنانچہ عصبیت نسب کی بدبو ختم ہو گئی۔ نسلی غرور کا جنازہ اُٹھ گیا۔ قومیت کی آلودگی لاپتہ ہو گئی۔ اور انسان خاک و خون کی بدبو اور نسل و وطن کی آلودگی سے دُور، بہت دُور، انتہائی بلندیوں میں سانس لینے لگا۔ اس روز سے مسلم کا وطن کوئی سرزمین نہ رہی، اس کا وطن "دارالاسلام" ہو گیا، وہ خطہ جہاں صرف عقیدۂ اسلامی کا غلبہ اور شریعت الٰہی کی حکمرانی ہو گی۔ وہ خطہ جس میں وہ رہے گا، جان و دل سے اس کا دفاع کرے گا، اور اس کی حمایت و توسیع کیلئے جامِ شہادت بھی نوش کرے گا۔ اور یہ "دارالاسلام" ہر اس فرد کے لیے ہو گا جو عقیدۂ اسلامی کو اپنا کر شریعتِ الٰہی کی پابندی کرے یا شریعتِ اسلامی کو اپنا نظام تسلیم کرے۔ اگرچہ عقیدۂ اسلامی سے بے تعلق رہے، جیسے وہ اہلِ کتاب جو "دارالاسلام" میں رہیں۔ رہی وہ سرزمین جہاں اسلام کا اقتدار اور شریعت الٰہی کی حکمرانی نہ ہو تو وہ "دارالحرب" ہے مسلمان کے لیے بھی اور اس ذمی کے لیے بھی جس کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو مسلمان اس سے جنگ کرے گا، اگرچہ وہ اس کا مرز بوم ہو، اگرچہ وہاں اس کی رشتہ داریاں اور قرابتیں ہوں، اگرچہ وہاں اس کی جاگیریں اور دولت کے خزانے ہوں۔

چنانچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے جنگ کی، حالانکہ یہ آپؐ کا پیدائشی وطن تھا، یہیں آپؐ کا پورا خاندان تھا، آپؐ کے ساتھیوںؓ کے گھر تھے، ساتھیوں کی بہت سی زمینیں اور جاگیریں تھیں۔ ہاں یہ سب کچھ تھا، مگر وہ دارالاسلام اسی وقت بنا جب اسلام کے زیرِ نگیں ہو گیا، اور شریعتِ الٰہی وہاں پوری طرح نافذ ہو گئی۔

یہ ہے اسلام، ہاں صرف یہ ہے اسلام۔ اسلام کوئی لفظ نہیں ہے جو زبان سے ادا کر دیا جائے، نہ کوئی خطۂ زمین ہے جس پر اسلامی پوسٹر چسپاں ہو! یا اسلامی

Marfat.com

سائن بورڈ آویزاں ہو!

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ۶۵)	تو نہیں اے محمدؐ! تمھارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے درمیان اُٹھنے والے اختلافات میں تم کو حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر دلوں میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور بالکلیہ اپنے آپ کو حوالہ کر دیں۔

صرف یہی اسلام ہے، اور بس یہی دارالاسلام ہے۔ جنس و وطن حسب و نسب اور خاندان و قبیلہ سے دُور، بہت دور، کوسوں دور!!

اسلام نے انسان کو خاکی فطرت سے آزاد کر دیا، تاکہ وہ بلندیوں کی طرف لپکے، اور نسل و خون کی حیوانی قید سے رستگار کر دیا، تاکہ علیین کی رفعتوں میں پرواز کرے۔

مسلم کی وہ قومیت جس سے وہ پہچانا جاتا ہے وہ کوئی ملکی قومیت نہیں۔ مسلم کا وہ وطن جس کے لیے وہ شوق و محبت کے جذبات رکھتا، اور جان و دل سے اس کا دفاع کرتا ہے، وہ زمین کا کوئی خطہ نہیں۔ مسلم کا وہ خاندان جس میں وہ رہتا، اور جس کے لیے سردھڑ کی بازی لگاتا ہے، وہ کوئی خونی قرابت نہیں، مسلم کا وہ جھنڈا جس پر وہ فخر کرتا اور جس کے تلے شہید ہوتا ہے، وہ کسی قوم کا جھنڈا نہیں، اور مسلم کی وہ فتح جس کی وہ آرزو کرتا، اور جس کے حصول پر بارگاہِ ایزدی میں تشکر و امتنان کے نذرانے پیش کرتا ہے، وہ کسی لشکر کی کامیابی نہیں، وہ جس فتح سے خوش ہوتا اور جس کی تمنا میں جیتا ہے وہ عقیدے کی فتح ہے، وہ جس غلبہ کے لیے تڑپتا اور جان و مال کی بازی لگاتا ہے، وہ دینِ الٰہی کا غلبہ ہے۔ وہ جس سرزمین کو اپنے خون سے سینچتا اور جس کے

Marfat.com

ذروں میں آنکھوں کی ٹھنڈک پاتا ہے، وہ صرف دارالاسلام کی سرزمین ہے۔ ملاحظہ ہوں درج ذیل آیتیں:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا۔ (سورہ النصر)

جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح ہو، اور تم دیکھو کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

پھر ان ساری ہی سرگرمیوں میں اس کا کعبۂ مقصود صرف خدا ہوتا ہے اس کے دل میں نہ مال غنیمت کی طلب ہوتی ہے نہ نام و نمود کی ہوس، نہ قوم و وطن کی حمیت ہوتی ہے نہ خاندانی غیرت و نخوت، حقیقت میں یہی ایمان ہے اور اسی کا نام جہاد ہے۔

عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شُجَاعَةً وَ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً وَيُقَاتِلُ رِيَاءً، اَىُّ ذٰلِكَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ ایک شخص داد شجاعت دینے کے لیے لڑتا ہے۔ ایک شخص حمیت کی وجہ سے لڑتا ہے، اور ایک شخص نام و نمود کی خاطر لڑتا ہے، کون سا لڑنا راہ خدا میں ہوگا، فرمایا: جو لڑے تاکہ خدا کا نام بلند ہو، پس اسی کا لڑنا راہ خدا میں ہوگا۔

اور صرف اسی جنگ میں شہادت نصیب ہوگی، نہ کہ ہر اس جنگ میں جو

Marfat.com

اعلاء کلمۃ اللہ کے علاوہ کسی اور مقصد سے لڑی جائے۔

ہر وہ سرزمین جو مسلم سے عقیدے کے سلسلہ میں کشمکش کرے اور اس کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرے اور اس کے لیے شریعت پر عمل کرنا دو بھر کر دے، وہ "دارالحرب" ہے۔ اگرچہ اس کے اہل و عیال، وہیں ہوں۔ اعزہ و اقربا وہیں ہوں، اور تجارت و معیشت سب کچھ وہیں ہو۔ اور ہر وہ سرزمین جہاں اس کے عقیدے کی عملداری اور شریعت کی فرمانروائی ہو۔ وہ "دارالاسلام" ہے، اگرچہ وہاں اس کے اپنے اہل و عیال، اپنے اعزہ و اقرباء اور اپنا کوئی کاروبار نہ ہو۔

وطن وہ جگہ ہے جہاں عقیدے، نظام زندگی اور شریعتِ الٰہی کی حکمرانی ہو۔ وطن کا یہی مفہوم انسان کے شایانِ شان ہے۔ اور قومیت، عقیدہ اور نظام زندگی ہے یہی وہ رشتہ ہے، جو آدمیوں کو زیب دیتا ہے۔

رنگ و نسل، قوم و وطن اور قبیلہ و خاندان کی عصبیتیں گھٹیا، اور پسماندہ عصبیتیں ہیں، جاہلی عصبیتیں، جن سے انسانیت اُس وقت آشنا ہوئی، جب اس کے اندر روحانی پستی آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے "منتنہ" کی صفت تجویز فرمائی ہے۔ ایسی صفت جس کے تصور سے ہی اُبکائی آئے۔

جب یہودیوں نے محض نسل و قومیت کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا کہ ہم لوگ خدا کی چہیتی قوم ہیں، تو خدائے تعالیٰ نے یہ دعویٰ ان کے منہ پر پھینک دیا۔ اور کسی بھی نسلی و قومی، جنسی اور وطنی تفریق کے بغیر قدر و قیمت کی میزان صرف ایمان کو قرار دیا؛

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصٰرٰى	وہ (یہودی، اور عیسائی) کہتے ہیں:
تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ	یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے
حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	کہہ دو، نہیں، بلکہ طریقۂ ابراہیمی کی پیروی

Marfat.com

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

(البقرہ آیت ١٣٥-١٣٨)

کرو جو ایک (خدا) کا ہو رہا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر، اور اس چیز پر جو ہماری طرف نازل ہوئی۔ اور اس پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی اور جو دوسرے سبھی انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملتی رہی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اس کے مسلم (فرماں بردار) ہیں، اب اگر وہ ان باتوں پر ایمان لے آئیں جن پر تم ایمان لائے ہو، تو وہ راست رو ہوں گے اور اگر روگردانی کریں تو پھر وہ درپئے مخالفت ہیں، اللہ ان کے مقابلے میں ضرور تمہاری مدد کریگا اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے بس اللہ کا رنگ! اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہوگا، اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

یہی سچ مچ خدا کی پسندیدہ جماعت تو یہ وہ اُمت مسلمہ ہے، جو نسل و قوم کی تفریق اور رنگ و وطن کے امتیازات سے بلند ہو کر پرچم الٰہی کے سایہ میں جمع ہو جاتی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

تم بہترین گروہ ہو، جو لوگوں میں پیدا ہوا، بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو

Marfat.com

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

وہ اُمت جس کی صفِ اول میں ابوبکر عربیؓ، بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ اور انہی جیسے ان کے دوسرے معزز بھائی نظر آتے ہیں اور جس کی بعد کی صفیں بھی اسی حسین انداز سے سامنے آتی ہیں، اس اُمت کی قومیت، عقیدہ، وطن دارالاسلام دستور قرآن اور حاکم صرف اللہ ہے۔

یہ ہے وطن و قومیت اور رشتہ و قرابت کا وہ بلند تصور جو داعیانِ حق کے دل پر نقش رہنا چاہیئے۔ اور یہ تصور اس قدر واضح رہنا چاہیئے کہ دوسرے جاہلی تصورات کی اس میں کوئی آمیزش نہ ہو سکے۔ اور شرکِ خفی کی آلودگیوں سے وہ ہمیشہ محفوظ رہے۔ خواہ وہ شرک کسی بھی صورت میں ہو۔ وطن پرستی کی صورت میں ہو یا نسل پرستی کی صورت ہیں۔ قوم پرستی کی صورت میں ہو یا نسب پرستی کی صورت ہیں، مفاد پرستی کی صورت میں ہو یا کسی بھی صورت میں۔ شرکِ خفی کی یہ ساری صورتیں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں جمع کر دی ہیں۔ اگر انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا ہے اور ایمان اور اس کے تقاضوں کو دوسرے پلڑے میں۔ اور پھر ہمیں چھوڑ دیا ہے، کہ جسے چاہیں اپنے لیے پسند کر لیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	کہہ دو: اگر تمہارے باپ اور بیٹے بھائی اور بیویاں اور گھرانے کے لوگ اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور کاروبار جس کے ماند پڑ جانے کا تمھیں خوف ہے، اور گھر جو تم کو پسند ہیں، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے عزیز تر ہوں

Marfat.com

وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔	تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے۔ اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(التوبہ ۹-۲۴)

اس طرح اسلام وجاہلیت کی حقیقت دارالاسلام اور دارالحرب کی تعریف کے سلسلہ میں رکیک شکوک وشبہات سے داعیانِ دین کے قلب و دماغ ہمیشہ پاک رہنے چاہئیں۔ کہ عموماً اسی طرف سے تصورات وعقائد میں کمزوری آتی اور یہیں سے ایمان ویقین کی منزل کھوٹی ہوتی ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جہاں اسلام کی حکمرانی اور شریعت کی عملداری نہ ہو۔ وہاں اسلام کا وجود نہیں اور وہ خطہ دارالاسلام نہیں۔ دارالاسلام تو صرف وہ خطہ ہے جہاں اسلام پورے طور پر غالب اور اپنے تمام قوانین کے ساتھ نافذ ہو۔ یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ جہاں ایمان نہیں، وہاں کفر ہے، جہاں اسلام نہیں وہاں جاہلیت ہے اور جہاں حق نہیں وہاں گمراہی ہے۔

ہمہ جہتی انقلاب

ایک انتہائی اہم اور بنیادی حقیقت ہے جو اسلام کو پیش کرتے ہوئے ہمارے ذہن میں پوری طرح واضح رہنی چاہیئے۔ چاہے ہمارے مخاطب اہلِ ایمان ہوں یا غیر اہلِ ایمان۔ اور یہ حقیقت خود اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مزاج سے مترشح ہوتی ہے۔

اسلام وجود و زندگی کا ایک مستقل اور کامل ترین تصور ہے، جو کچھ نمایاں خصوصیات کا حامل ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے ایک ایسا دستور وجود میں آتا ہے جو زندگی اور زندگی کے سارے ہی تعلقات و معاملات اور جملہ مسائل سے بحث کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر ایک ایسا نظام قائم ہوتا ہے، جو اپنی صفات و خصوصیات میں بالکل منفرد ہے۔

یہ تصور بنیادی طور پر سارے جاہلی تصورات سے مختلف ہے۔ خواہ وہ اس دور کے تصورات ہوں یا کسی بھی دور کے۔ اور اگر کچھ جزئیات میں وہ اُن سے مشابہ نظر آتا ہے تو یہ مشابہت بس ظاہری ہے، کیونکہ جن اصولوں سے ان جزئیات کا تعلق ہے، وہ جاہلی اصولوں سے دور کی بھی مناسبت نہیں رکھتے۔

اسلام کا اولین کام یہ ہے کہ وہ ایک ایسا انسانی گروہ تیار کرے جو اس تصور سے

پوری طرح ہم آہنگ اور اس کی زندہ تصویر ہو۔ اور زمین پر ایک ایسا نظام قائم کرے جو خدائی اصولوں کا پابند اور ان مقاصد کے لیے سرگرم ہو جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو وجود بخشا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہترین گروہ ہو جو لوگوں میں پیدا ہوا،
تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ	بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو،
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔	اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

دوسری جگہ اس اُمت کی توصیف کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ	وہ لوگ کہ اگر ہم زمین میں انھیں اقتدار عطا
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	کریں تو وہ نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا	دیں اور بھلائی کا حکم دیں، اور برائی
عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (الحج ۴۱)	سے روکیں۔

اسلام کا کام یہ نہیں کہ وہ حکمران جاہلی تصورات اور قائم و برپا جاہلی نظاموں کے ساتھ صلح و مفاہمت کرے۔ جس روز وہ آیا تھا اس روز اس کا یہ کام تھا، نہ آج ہے، اور نہ آیندہ کبھی ہوگا۔ کیونکہ اسلام اسلام ہے، جاہلیت جاہلیت ہے اگر اسلام یہ ہے کہ بندگی بس رب کی ہو، حکمرانی صرف نظام الٰہی کی ہو، حاکمیت وقانون سازی کا مالک تنہا خدا ہو، اور نظریہ و نظام، شرائع و احکام اور اقدار و اعتبارات کا ماخذ و منبع بھی صرف خدا ہی ہو، تو جاہلیت یہ ہے کہ بندگی انسان کی ہو۔ حاکمیت وقانون سازی بھی انسان کی ہو، دستور و نظام بھی انسان کے ہوں، اقدار و اعتبارات کا سرچشمہ بھی انسان ہو، گویا دونوں کی راہیں دو ہیں ایک کی منزل اور ہے، دوسرے کی منزل اور ہے یہیں سے اسلام کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ انسانیت

Marfat.com

کو جاہلیت کے خارزار سے نکال کر اسلام کے چمن زار میں پہنچائے۔

یہ وہ حقیقت ہے جو خود اسلام اور تاریخ اسلام کے مزاج سے مترشح ہوتی ہے۔ اسلام کو پیش کرتے وقت اس حقیقت کو سامنے رکھنا ناگزیر ہے، خواہ ہمارے مخاطب مسلم ہوں یا غیر مسلم!

اسلام جاہلیت کے ساتھ صلح اور بٹوارے پر راضی نہیں، نہ تصور میں، نہ اس تصور سے وجود میں آنے والے نظاموں میں۔ بس یا تو اسلام ہوگا یا جاہلیت۔ کوئی اور شکل جو نصف اسلام ہو اور نصف جاہلیت، اسلام کے لیے قابل قبول نہیں۔ اسلام کا نقطۂ نظر تو بالکل واضح ہے کہ حق صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کئی نہیں، اور حق کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے۔ نیز ان دونوں کا اجتماع ناممکن ہے بس یا تو خدا کی حکومت ہوگی۔ یا جاہلیت کی۔ یا شریعتِ الٰہی کی پیروی ہوگی یا ہوا و نفسانیت کی۔ قرآن کریم کی کتنی ہی آیتیں اس دعوے کی تائید میں ہیں:

(۱) وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (المائدہ ۴۹)

(اے محمد) تم اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے اتارا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا اور ہوشیار رہنا کہ اللہ نے جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کے کسی جزء سے وہ تمھیں بہکا نہ دیں۔

(۲) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَ اسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ۔ (الشوریٰ ۱۵)

تو اسی (دین) کی طرف بلاؤ اور جمے رہو جیسا کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا۔

(۳) فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ

اب اگر وہ تمہاری دعوت پر لبیک نہیں کہتے تو جان لو کہ وہ صرف اپنی خواہشات پر چلتے ہیں۔

Marfat.com

اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (القصص ۵۰)

اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو ھدایت الٰہی سے بے پروا ہو کر اپنی خواہشات پر چلے؟ بیشک اللہ ایسے ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

(۴) ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (الجاثیہ ۱۸)

پھر دین کے معاملے میں ہم نے تمھیں ایک واضح راستے پر لگا دیا ہے، تو تم اسی راہ پر چلو، اور ان لوگوں کی خواہشات پر نہ چلنا جو جانتے نہیں۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمھارے کچھ کام نہیں آسکتے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو متقی ہیں۔

(۵) اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۝ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (المائدہ ۵)

کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، حالانکہ (اللہ پر) یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

یہ آیات اپنے مفہوم میں بالکل واضح اور قطعی ہیں جن کے بعد کسی بحث و تکرار کی گنجائش نہیں رہتی بس دو ہی شکلیں ہیں کوئی تیسری شکل نہیں۔ یا تو خدا اور رسول کی پیروی ہوگی یا ہوا و نفسانیت کی۔ یا تو رب کی حکمرانی ہوگی یا جاہلیت کی، یا تو سارے احکام الٰہی کا نفاذ ہوگا یا سبھی سے انحراف۔

اسلام کا مقصد ہے انسانی قیادت سے جاہلیت کو بے دخل کرنا، پھر ان اصولوں کے مطابق انسانوں کی قیادت جو اپنی خصوصیات میں بالکل منفرد اور ایک امتیازی شان کے مالک ہیں یہ اصول بندے کو خدا سے جوڑتے

اور انسان کو کائنات سے ہم آہنگ کرتے ہیں اور اس طرح انسانیت کے لیے خیر وفلاح عزت وسعادت اور امن وآشتی کی راہیں کھولتے ہیں۔ اسلام کا مقصد ہے کہ انسانیت نفس کی غلامی اور نفسانیت کی حکمرانی سے آزاد ہو کر اس بلند واشرف معیار پر پہنچ جائے، جو خدا نے اس کے لیے تجویز کیا ہے جیسا کہ ربعیؓ بن عامر نے ایرانی کمانڈر رستم کے جواب میں کہا تھا۔ رستم نے پوچھا تم کس لیے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: "اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ جسے وہ توفیق دے اسے بندوں کی بندگی سے آزاد کر کے خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کی تنگیوں سے نکال کر دنیا و آخرت کی فراخیوں میں پہنچائیں اور دیگر مذاہب کی زیادتیوں سے بچا کر عدل اسلام سے ہم کنار کریں۔"

گویا اسلام اس لیے نہیں آیا کہ وہ انسانوں کی نفسانیت کو شہ دے جو ان کے تصورات و افکار، ان کی معیشت ومعاشرت، ان کے رہن سہن کے معاملات کے اندر سے جھانکتی ہے، خواہ وہ نفسانیت ہو جو ابتدائے اسلام میں تھی، یا وہ نفسانیت ہو جس میں آج انسانیت غوطے لگا رہی ہے۔ وہ تو آیا ہے تاکہ نفسانیت کے یہ سارے ہی نقشے مٹا دیے بالکل ہی مٹا دے، ان کا کوئی نام ونشان نہ رہنے دے۔ اور اپنے خاص اصولوں پر انسانی زندگی کی تعمیر کرے۔ وہ آیا ہے تاکہ زندگی کو صحیح معنوں میں وجود سے آشنا کرے۔ ایک ایسی زندگی کو وجود بخشے جو اسی سرچشمے سے پھوٹتی اور اسی محور پر گھومتی ہو۔ یہ تو ممکن ہے کہ کچھ باتوں میں وہ نئی زندگی اس جاہلی زندگی سے مشابہ نظر آئے لیکن فی الحال ان دونوں میں کوئی مشابہت نہ ہوگی۔ یہ تو محض اتفاقی مشابہت ہوگی، جو بس ظاہری شاخوں تک ہی محدود ہوگی، ورنہ درخت کی جڑ بالکل ہی مختلف ہوگی۔ ظاہر ہے، ایک وہ درخت ہے جسے حکمتِ الٰہی اُگاتی ہے اور دوسرا وہ ہے جسے ہوا وہوس اور نفسانیت پروان چڑھاتی ہے۔ ان دونوں میں مشابہت کا کیا سوال!

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۔ (الاعراف ۵۸)	اور جو زمین اچھی ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب پیڑ پودے اگاتی ہے اور جو زمین خبیث (خراب) ہوتی ہے اس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا ۔

یہ جاہلیت پہلے بھی خبیث تھی، اور اب بھی خبیث ہے ۔ اس خُبث کی شکلیں اور صورتیں تو بدلتی ہیں، لیکن جڑ ایک ہی رہتی ہے ۔ وہ جڑ ان جاہل اور غرض پرست گروہوں کی ہوا و نفسانیت ہے جو اپنی پستی و پست فطرتی یا جنسی معلومات اور طبقاتی تعصبات سے آزاد نہیں ہو سکتے ۔ چنانچہ وہ اپنی نفسانیت اور ہوا و ہوس کو عدل و انصاف اور حق و صداقت پر غالب کر دیتے ہیں ۔ یہاں تک کہ شریعت الٰہی نمودار ہو کر ان ساری چیزوں کو صاف کرتی اور تمام انسانوں کے لیے ایک ہی قانون بناتی ہے جس میں انسانی جہل کا شائبہ نہیں ہوتا ۔ ہوا و نفسانیت کی آلودگی نہیں ہوتی اور گروہی مصلحتوں کے لیے گنجائش نہیں ہوتی ۔

چونکہ خدائی اور انسانی دستوروں کے مزاج میں یہ بنیادی فرق ہے اس لیے ایک ہی نظام میں ان کا یکجا ہونا محال ہے ۔ ایک ہی معاشرے میں ان کو باہم سازگار کرنا محال ہے "آدھا تیتر آدھا بٹیر" کی شکل کا کوئی دستور مرتب کرنا محال ہے جس طرح اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں معاف کر سکتا، اسی طرح اپنے دستور کے ساتھ کوئی دوسرا دستور بھی نہیں گوارا کر سکتا ۔ دونوں کی حیثیت ایک ہے کیونکہ حقیقت میں دونوں ایک ہیں ۔

جس وقت ہم لوگوں کے سامنے اسلام کو پیش کریں، ہمارے ذہن و دماغ میں یہ حقیقت پوری طرح اُجاگر ہو کہ اس کے اظہار میں ہچکچائیں یا شرمائیں نہیں ۔ اور لوگوں کو کسی شک و شبہ میں نہ رہنے دیں ۔ ہم ان پر یہ اچھی طرح واضح کر دیں کہ اگر وہ اسلام کی طرف آئیں گے تو وہ ان کی پوری زندگی بدل کر رکھ دیگا ۔ جہاں وہ ان کی وضع

اور ہیئت کو بدلے گا، وہیں ان کی زندگی کے سارے تصورات کو بھی بدلے گا۔ وہ انہیں بدلے گا تاکہ ان سے کہیں بہتر چیز دے، اتنی بہتر کہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ وہ انہیں بدلے گا تاکہ ان کے تصورات کو بلندی عطا کرے، ان کے طرزِ رہن سہن کو رفعت بخشے، اور ان کو اس بلند و اشرف سطح سے قریب کر دے جو انسانی زندگی کے شایاں ہے۔ گویا جس جاہلیت کی پستی میں وہ پڑے ہیں، اس کے گھٹیا اور ذلیل طریقوں کا وہ کوئی اثر و نشان نہیں چھوڑے گا، ہاں وہ جزئیات ضرور رہیں گی جن کا نظامِ اسلامی سے کوئی تصادم نہ ہو، مگر اپنی ماہیت کے اعتبار سے وہ بھی اب پہلے سے مختلف ہوں گی، کیونکہ جاہلیت کی جس اصلِ خبیث سے ان کا تعلق ہوگا، اس سے کٹ کر اب وہ ایک دوسری اصل سے وابستہ ہو چکی ہوں گی۔ ساتھ ہی ان کے "خالص فنی و سائنسی" علوم سے وہ انہیں محروم نہیں کرے گا، بلکہ انہیں اور تیز رفتاری سے آگے بڑھائے گا۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ان پر یہ واضح کر دیں کہ اسلام کوئی خود ساختہ اجتماعی مذہب نہیں نہ انسانی ہاتھوں کا تراشا ہوا کوئی حکومتی نظام ہے، روئے زمین پر جس طرح اور دوسرے نظام رائج ہیں جو مختلف ناموں سے جانے جاتے اور مختلف جھنڈوں سے پہچانے جاتے ہیں، اس طرح کا یہ کوئی نظام نہیں ہے۔ یہ تو بس اسلام ہے! وہ اسلام جو اپنا مستقل وجود، مستقل فلسفہ اور مستقل نظام رکھتا ہے۔ وہ اسلام جو انسانیت کو ان سے زیادہ ارفع و اعلیٰ نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے، جن کا ان نظاموں کی بنیاد پر وہ خواب دیکھتی ہے۔ وہ اسلام جس کے اندر رفعت و بلندی ہے پاکیزگی و ستھرائی ہے، توافق و ہم آہنگی ہے، رعنائی و زیبائی ہے۔ اور جو سرتاسر وحی الٰہی اور پیامِ ربانی ہے۔

Marfat.com

اگر ہم اس انداز سے اسلام کو سمجھ لیں تو جس وقت لوگوں کے سامنے اسے پیش کر رہے ہوں گے، ہماری گفتگو میں زور ہوگا۔ ہمارے لب ولہجہ میں خود اعتمادی ہوگی۔ ہماری نگاہوں میں انسانی شفقت و ہمدردی کی بے پناہ اور انتہائی دلآویز چمک ہوگی۔ اس شخص کی سی خود اعتمادی ہوگی، جسے یہ یقین ہو کہ جو اس کے پاس ہے وہی حق ہے، اور جس پر لوگ ہیں، وہ باطل ہے، اس شخص کی سی دلسوزی ہوگی جو انسانوں کی بدبختیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ کس طرح انھیں وہ ساحل سعادت سے ہم کنار کر سکتا ہے۔ اس شخص کی سی ہمدردی ہوگی جو لوگوں کی گمراہی کو پوری طرح محسوس کر رہا ہو اور یہ جانتا ہو کہ وہ نسخۂ ہدایت کہاں ہے، جس کے سوا اور کہیں ہدایت نہیں!

لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرتے وقت ہم پُر فریب سیاست سے کام نہیں لیں گے، ہم ان کی نفسانیت اور بھٹکے ہوئے تصورات کو تھپکیاں نہیں دیں گے۔ ہم تو ان سے انتہائی صریح انداز میں کہیں گے۔ یہ جاہلیت جس میں تم آلودہ ہو، نجس ہے، اور اللہ تمھیں پاک کرنا چاہتا ہے۔ یہ جاہلی رسمیں جن کے تم دلدادہ ہو، یہ خبیث ہیں، اور اللہ تمھیں طیّب بنانا چاہتا ہے۔ یہ زندگی جو تم بسر کر رہے ہو، یہ پستی ہے اور اللہ تمھیں رفعتوں میں لے جانا چاہتا ہے۔ یہ صورت حال جس سے تم دوچار ہو، یہ شقاوت و بدبختی اور نحوست ہے، اور اللہ تمھیں سعادتوں سے ہمکنار، اور رحمتوں سے مالا مال کرنا چاہتا ہے۔ اسلام تمھارے اقدار و تصورات اور تمھارے نظاموں کو بدل دے گا، اور تم کو ایک ایسی زندگی کی رفعتوں میں پہنچا دے گا جہاں سے تمھیں اپنی موجودہ زندگی سے نفرت معلوم ہوگی۔ تم کو ایسے نظام کی بلندیوں پر پہنچا دے گا جہاں سے مشرق و مغرب کے یہ سارے نظام حقیر نظر آئیں گے تمھیں ایسی اعلیٰ قدریں عطا کرے گا، جن کے بعد زمین کی ان ساری حکمراں قدروں سے

گھن آئے گی۔ اور اگر تم نے اپنی بدنصیبی سے اس اسلامی زندگی کی محسوس تصویر نہیں دیکھی، کیونکہ تمہارے دشمن ——— اس دین کے دشمن ——— اس تصویر کے محسوس و مجسم پیکر اختیار کرنے کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں، تو بحمد اللہ ہمارے قلب و ضمیر کی نگاہوں نے قرآن و سنت اور تاریخ و شریعت کے دریچوں اور یقیناً آنے والے مستقبل کے تصورِ رعنا کے جھروکوں سے اسے بالکل محسوس و مجسم شکل میں دیکھا ہے!

* * *

لوگوں کے سامنے اسلام پیش کرتے وقت ہمارا یہی انداز ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہی حقیقت ہے، اور یہی وہ انداز ہے جو اسلام نے پہلے پہل اختیار کیا تھا۔ جزیرۂ عرب، روم و ایران، اور جہاں کہیں بھی اس نے لوگوں کو خطاب کیا، اس کا یہی انداز تھا۔

اس نے بلندیوں سے نگاہ ڈالی کہ یہی حقیقت ہے۔ پیار و محبت کی زبان میں گفتگو کی کہ یہی اس کا مزاج ہے۔ بالکل کھلے کھلے اور واضح انداز میں اپنی دعوت پیش کی، جس میں تردد یا ابہام و پیچیدگی کا نام نہ تھا، کہ یہی اس کا طریقہ ہے۔ اس نے کبھی نہیں کہا کہ وہ اُن کی زندگیوں اُن کے نظاموں، ان کے تصورات اور قدروں میں بس برائے نام ترمیم کرے گا، نہ یہ کہا کہ وہ جن نظاموں سے مانوس اور جس طرزِ زندگی کے خوگر ہیں، ان سے وہ بہت حد تک مشابہ ہے۔ جیسا کہ اسلام پیش کرتے وقت ہمارے کچھ بھائیوں کی زبانوں سے اسی طرح کی باتیں سُنی جاتی ہیں۔ کبھی "اسلامی ڈیموکریسی" کے نام سے! تو کبھی "اسلامی اشتراکیت" کے عنوان سے! اور کبھی اس انداز سے کہ ان کے یہاں جو سیاسی، قانونی اور اقتصادی طور طریقے رائج ہیں وہ اسلام کی طرف سے بس ذرا سی ترمیم کے محتاج ہیں!!

Marfat.com

ہوا و نفسانیت کو تھپکیاں دینے، اور میٹھے اور پُر فریب انداز سے مائل کرنے والے یہ اور اسی جیسے دوسرے الفاظ آئے دن سنے جاتے ہیں۔

ہرگز نہیں! معاملہ اس کے برعکس ہے۔ بالکل برعکس ہے۔ عالمگیر جاہلیت سے اسلام کی آغوش میں آنے کے لیے بہت ہی لمبی اور ہمہ جہتی جست لگانی ہوگی، کیونکہ اسلامی زندگی کی شکل جاہلی زندگی کی شکلوں سے بالکل ہی مختلف ہے۔ پہلے بھی مختلف تھی، اور آج بھی مختلف ہے۔ یہ شقاوت و بدبختی جس سے آج انسانیت دوچار ہے، نظریہ و نظام کی جزئی تبدیلیوں سے ختم ہونے والی نہیں۔ اگر اس سے نجات حاصل کرنی ہے تو وہی لمبی اور ہمہ جہتی جست لگانی ہوگی۔ مخلوق کے دستوروں سے خالق کے دستور کی طرف، انسانی نظاموں سے خدائی نظام کی طرف اور بندوں کے احکام سے رب کے احکام کی طرف جست لگانی ہوگی۔

یہ حقیقت ہے اور حقیقت بھی ایسی کہ ہم برملا اس کا اظہار کریں، لوگوں کے لیے اس کی گنجائش کبھی نہ چھوڑیں کہ وہ اس سلسلہ میں کسی غلط فہمی یا وہم کا شکار ہوں۔

ہو سکتا ہے شروع میں لوگ اسے گوارا نہ کریں، یا ابتداء میں اس سے بدکیں اور خطرہ محسوس کریں، لیکن پہلے پہل جب اسلام کی دعوت دی گئی تھی، اس وقت بھی لوگوں کو ناگوار ہوا تھا، اُس وقت بھی ان کے ہاتھوں پر بل آیا تھا، اس وقت بھی ان کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ اس کا انھیں انتہائی صدمہ تھا کہ محمد — صلی اللہ علیہ وسلم — ان کے تصورات و عقائد سے بددل، ان کے خداؤں سے متنفر اُن کے طور طریق سے بیزار اور اُن کی عادات و روایات سے برسرپیکار ہیں۔ اور جاہلی طور طریق، جاہلی قدروں اور جاہلی رسوم سے ہٹ کر بالکل ہی نئے طور طریق، نئی قدریں اور نئی رسوم اختیار کرنے پر مُصر ہیں۔

پھر کیا ہوا؟ پھر وہ اسی حق کی طرف بڑھے جو شروع میں انھیں ناگوار گزرا

تھا، جس سے وہ اس طرح بدکے تھے جیسے گدھے شیر سے بدکیں، جس سے انھوں نے جنگ کی تھی، جس کو مٹا دینے کے لیے اپنی ساری تدبیریں اور تمام قوتیں وقف کر دی تھیں، جس کے فداکاروں کو مکی زندگی میں کمزور پا کر لرزہ خیز مظالم کا تختۂ مشق بنایا تھا، اور جب مدینے پہنچ کر انھیں قوت حاصل ہو گئی۔ تو ہونٹ چبا چبا کر ان سے ہولناک خونیں ٹکریں لی تھیں۔

دعوت اسلامی شروع میں آج سے زیادہ بہتر حالت میں نہ تھی۔ وہ اس وقت بالکل گمنام اور جاہلیت کی خشمگین نگاہوں کا ہدف تھی۔ مکّے کی گھاٹیوں میں محصور اور ارباب جاہ و اقتدار کی زد میں تھی۔ ساری دنیا کے لیے اجنبی اور ہر ایک کی نگاہ میں معتوب تھی۔ چاروں طرف سے ایسی ظالم و جابر اور مقتدر شہنشاہیتوں کے نرغے میں تھی، جو اس کے اصول و مبادی سے متنفر اور مقاصد سے بیزار تھیں لیکن ان سب کے باوجود وہ طاقتور تھی، جس طرح آج طاقتور ہے اور آیندہ بھی طاقتور رہے گی۔ قوت کے حقیقی عناصر خود اس عقیدے کے مزاج میں پنہاں ہیں، اسی لیے یہ عقیدہ خراب سے خراب اور ناسازگار سے ناسازگار حالات میں بھی اپنا کام کر سکتا ہے اسلام کی قوت کا راز یہ ہے کہ اس کی بنیاد حق پر ہے۔ اس فطرت (NATURE) سے وہ پوری طرح ہم آہنگ ہے، جس کا مقابلہ دیر تک ناممکن ہے۔ قوت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ یہ دین انسانیت کو ترقی کی شاہراہ پر لے کر آگے بڑھ سکتا ہے، چاہے وہ اقتصادی، اجتماعی، علمی اور عقلی ترقی یا پسماندگی کے اعتبار سے کسی بھی مرحلے میں ہو۔ اس کی قوت کا ایک راز یہ بھی ہے کہ مادی قوتوں سے مسلح جاہلیت کے سامنے کھڑا ہو کر بھی وہ صاف گوئی اور صراحت بیانی سے کام لیتا ہے، وہ اپنے اصولوں میں ایک حرف کی بھی قطع و برید نہیں کرتا۔ وہ جاہلیت کی خواہشات کو تھپکیاں نہیں دیتا، نہ اُسے ہم نوا بنانے کے لیے مکر و حیلہ سے کام لیتا ہے، وہ علانیہ

Marfat.com

اور برملا حق کا اظہار کرتا ہے، اور یہ بتا کر کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے لیے خیر و فلاح کی نوید اور رحمت و برکت کا پیامی ہے۔

جس خدا نے انسانوں کو پیدا کیا، وہ ان کی فطرت سے خوب واقف ہے وہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں تک پہنچنے کی کیا راہیں ہیں۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ اگر حق کا اعلان پوری قوت وبیباکی سے کیا جائے، تو وہ کس طرح اس کی طرف بڑھتے اور تیزی سے لپکتے ہیں!

انسان کے اندر ایک نقشۂ زندگی کو چھوڑ کر دوسرا نقشۂ زندگی اختیار کر لینے کی پوری استعداد موجود ہے، بلکہ بسا اوقات یہ چیز جزوی ترمیمات سے زیادہ آسان ہوتی ہے۔ ایک نظامِ حیات کو چھوڑ کر کسی ایسے نظامِ حیات کو اختیار کر لینا، جو اس سے زیادہ بلند، پاکیزہ اور مکمل ہو، بجائے خود اپنی معقولیت کی روشن دلیل ہے۔ لیکن نظامِ جاہلیت سے نظامِ اسلامی کی طرف آنے کے لیے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے، اگر وہ بس تھوڑی سی ترمیم پر ہی اکتفا کر لے، اور بقیہ چیزوں کو ہو بہو قائم رکھے؟ اس وقت تو سابقہ نظام پر ہی قائم رہنا زیادہ قرینِ عقل و قیاس ہو گا، کہ وہ ایک قائم شدہ نظام تو ہے، جو اصلاح و ترمیم کی بھی گنجائش رکھتا ہے۔ ظاہر ہے اسے چھوڑ کر ایک ایسے نظام کی طرف آنے کی کیا ضرورت، جو ابھی قائم و نافذ بھی نہیں، اور مجموعی حیثیت سے وہ اسی کے مشابہ ہے!

اسی طرح کچھ لوگ دنیا کے سامنے اسلام کو اس طرح پیش کرتے ہیں، گویا وہ ایک ملزم ہے، جس کے دامن سے وہ الزام کو دھونا چاہتے ہیں! اور مدافعت کے لیے جو ڈھالیں وہ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موجودہ

Marfat.com

نظام دین اسلام پر جن عیوب کی تہمت رکھتے ہیں ان کی چھینٹوں سے خود ان کے دامن بھی محفوظ نہیں، اور اس سلسلہ میں اسلام نے جو کچھ کیا، وہ اس سے کچھ زیادہ نہ تھا جو چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی آج جدید "تہذیبیں" کر رہی ہیں۔

کتنی بودی ہے یہ مدافعت!! کس قدر بری ہے یہ حمایت!!

اسلام جاہلی نظاموں اور ان کے غلط رویوں کی آڑ کبھی نہیں لیتا۔ یہ "تہذیبیں" جو بہتوں کی نگاہیں خیرہ اور کتنے ہی ذہنوں کو مرعوب کیے دیتی ہیں، حقیقت میں جاہلیت کے سوا کچھ نہیں۔ ان نظاموں کا تو یہ حال ہے کہ اگر اسلام کے مقابلے میں انہیں رکھا جائے، تو نہایت ہی گھٹیا، بودے اور پست نظر آئیں۔ پھر اس سلسلہ میں یہ بات کوئی وزن نہیں رکھتی کہ ان نظاموں کے ماننے والے نام نہاد وطن اسلامی یا "عالم اسلام" کے رہنے والوں سے زیادہ خوش حال ہیں! کیونکہ ہماری بدحالی کی وجہ اسلام دشمنی ہے۔ نہ کہ اسلام دوستی۔

اسلام تو انسانوں کے سامنے اس دعوے کے ساتھ آتا ہے، کہ وہ ان نظاموں سے بہتر ہے، اتنا بہتر کہ دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، اور وہ آیا ہے تاکہ انھیں بدل ڈالے نہ کہ ہو بہو قائم رکھے، اور انسانیت کو پستیوں سے اٹھا کر رفعتوں میں لے جائے، نہ کہ "تہذیب" کی پرفریب کیچڑ میں لت پت رہنے پر ہدیۂ تبریک پیش کرے۔

لہٰذا ہماری مرعوبیت اس حد تک نہ بڑھ جائے کہ ہم دورِ حاضر کے نظاموں اور موجودہ افکار و مذاہب میں اسلام سے مشابہت کے پہلو تلاش کرنے لگیں ہم ان سارے نظاموں کو حقارت سے ٹھکرا دیں، چاہے وہ مشرق کے نظام ہوں یا مغرب کے، کیونکہ اسلام انسانیت کو جس بلندی پر لے جانا چاہتا ہے، اس کے مقابلے میں یہ پسماندہ اور گھٹیا ہیں۔

Marfat.com

جب ہم لوگوں کے سامنے یہ حقیقت رکھیں گے، اور اسلام کی یہ بنیادی حیثیت انھیں بتائیں گے، تو ایک تصور سے دوسرے تصور اور ایک وضع سے دوسری وضع کی طرف آنے کی توجیہ و تائید خود ان کی فطرت کی گہرائیوں سے ہو گی۔ البتہ ہمارا یہ کہنا ذرا بھی دلپذیر اور مؤثر نہ ہو گا، کہ تم عملاً قائم نظام کو چھوڑ کر ایک دوسرے نظام میں آجاؤ، جو ابھی قائم و نافذ نہیں، اور اطمینان رکھو، وہ تمھارے موجودہ نظام میں بس ذراسی تبدیلی کرے گا، کیونکہ وہ تو اس سے بہت حد تک مشابہ ہے۔ چنانچہ دیکھو، تم اس معاملے میں یہ کرتے ہو، اور یہ بالکل وہی ہے جو وہ کرتا ہے، وہ تو تمھاری عادات و خواہشات اور وضع قطع میں بس ذراسی تبدیلی کرے گا، ان میں سے جو باتیں بھی تم چاہو گے انہیں علیٰ حالہٖ باقی رکھے گا، بس برائے نام ہی ان سے تعرض کرے گا!!

یہ بات جو بظاہر آسان نظر آتی ہے، فی نفسہٖ اس کے اندر کوئی کشش کوئی جاذبیت اور کوئی اپیل نہیں، جبکہ یہ حقیقت بھی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ تصورات و احساسات کو بھی بدلتا ہے، وضع قطع اور نظاموں کو بھی بدلتا ہے، شرائع و قوانین کو بھی بدلتا ہے، اور بالکلیہ بدلتا ہے۔ اس طرح بدلتا ہے کہ جاہلی زندگی کا تسمہ بھی نہیں چھوڑتا۔ پھر یہی کیا کم ہے کہ وہ انہیں مکمل طور پر غلامی کی لعنت سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں لے آتا ہے۔

"فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ"۔ "وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ"۔ "تو جو چاہے ایمان لائے، اور جو چاہے کفر کرے"۔ "البتہ جو کفر کرے وہ جان لے کہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے"۔

مسئلہ درحقیقت کفر اور ایمان، شرک اور توحید، جاہلیت اور اسلام کا ہے اور یہ بالکل واضح ہونا چاہیے۔ لوگ جب تک جاہلی زندگی سے پوری طرح آزاد

نہ ہوں گے، وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہ ہوں گے، خواہ وہ کتنے ہی دعوے کریں، اگر کوئی چاہتا ہے کہ خود کو یا دوسروں کو فریب میں رکھے، اور یہ سمجھے کہ اسلام اس جاہلیت کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے، تو اسے اختیار ہے۔ لیکن اس کی یہ خود فریبی یا فریب کاری حقیقتِ واقعہ کو نہیں بدل سکتی۔ یاد رہے، یہ اسلام نہیں اور وہ لوگ مسلمان نہیں۔ اور آج دعوتِ اسلامی کا پہلا کام یہ ہوگا کہ ان جاہلیت زدہ حضرات کو پھر سے اسلام کی طرف لائے، اور از سرِ نو انھیں مسلم بنائے۔

ہم اسلام کی طرف اس لیے نہیں بلاتے کہ ہم کسی صلے کے بھوکے ہیں، ہم زمین میں غلبہ واقتدار حاصل کرنا یا فساد مچانا بھی نہیں چاہتے۔ اپنے لیے ہم کچھ نہیں چاہتے، بالکل نہیں چاہتے۔ ہمارا حساب چکانا اور صلہ دینا لوگوں کے ذمے نہیں ہم تو اسلام کی طرف صرف اس لیے بلاتے ہیں کہ ہمیں لوگوں سے محبت ہے، ہم ان کے بھی خواہ ہیں۔ اگرچہ وہ ہمیں ستائیں اور اذیتیں دیں کہ ایک داعیِ اسلام کا یہی مزاج ہُوا کرتا ہے۔ یہی اس کے جذبات و احساسات ہوتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انھیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کریں، اور بتائیں کہ اسلام ان پر کچھ ذمہ داریاں تو عائد کرے گا، مگر جن عظیم نعمتوں سے انہیں نہال کرے گا، ان کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہ ہوں گی۔ پھر یہ بھی بتائیں کہ جس جاہلیت کو وہ سینے سے لگائے ہوئے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے۔ بلاشبہ وہ جاہلیت ہے، اسلام سے اسے کوئی واسطہ نہیں، وہ "نفسانیت" ہے، "شریعت" سے اس کا کوئی رشتہ نہیں، وہ "گمراہی" ہے، حق سے اسے کوئی نسبت نہیں۔ ظاہر ہے جو چیز حق نہیں، وہ گمراہی نہ ہوگی تو کیا ہوگی؟!

ہمارے اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس سے ہم شرمائیں اور جس کے

Marfat.com

دفاع پر مجبور رہوں اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لیے ہم حیلہ وفریب کی راہیں اختیار کریں ۔ یا جس کی اصل حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے ہچکچائیں ۔ مشرق و مغرب اور ہر سو پھیلی ہوئی جاہلی رسوم سے ذہنی شکست اور مرعوبیت کا ہی نتیجہ ہے کہ کچھ "مسلمان" انسانی نظاموں میں اسلام سے جزئی مناسبتیں تلاش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور جاہلی "تہذیب" کے ان کاموں کا سراغ لگاتے ہیں جنہیں وہ اسلام کی سرگرمیوں اور اس کے کچھ فیصلوں کے حق میں بطور سند پیش کر سکیں ۔

اگر کوئی ایسا شخص ہے جو معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتا ہے ۔ تاویل و توجیہ اور دفاع و معذرت پر ہی اپنے کو مجبور پاتا ہے تو یہ شخص فی الواقع اسلام کو نہیں پیش کرتا ، بلکہ یہ تو ایسا شخص ہے، جو ہنوز بودی کھوکھلی اور انتہائی گھناؤنی جاہلیت کی مسموم فضاؤں میں ہی سانس لے رہا ہے، اور اس جاہلیت کے لیے وہ وجہ جواز تلاش کرنا چاہتا ہے، جس کا پورا جسم داغدار اور سارا نظام تناقص کا شکار ہے یہ لوگ ہی اسلام پر یورشیں کرتے ہیں، اور اس طرح ان کم فہم اور سادہ لوح مسلمانوں کو بھی جو حقیقت حال سے بے خبر ہوتے ہیں، اس کے دفاع پر مجبور کر دیتے ہیں، گویا وہ کوئی ملزم ہے جو تہمت کے کٹہرے میں کھڑا ہے اور اپنا دفاع کرنے پر مجبور ہے !

میں امریکہ میں مقیم تھا، تو وہاں بھی کچھ اسی قسم کے لوگ تھے، جن سے ہم چند متوسلین اسلام کو آئے دن سابقہ پڑتا ۔ ہمارے کچھ ساتھی تو دفاع و معذرت اور توجیہ و تاویل کا موقف اختیار کرتے ۔ لیکن میں خود مغربی جاہلیت پر بڑھ چڑھ کر حملے کرتا ۔ اس کے بودے دینی عقائد کے بخیے ادھیڑتا ۔ اس کی اجتماعی اور اقتصادی پستی اور اخلاقی زبوں حالی کی قلعی کھولتا ۔ باپ بیٹے اور

Marfat.com

روح القدس کے یہ اقانیم ثلاثہ ۔ یہ انسان کی پیدائشی گنہگاری، اور یہ عقیدۂ کفارہ کے تصورات جو کسی بھی عقل و ضمیر کے لیے قابلِ تسلیم نہیں۔ پھر یہ احتکار کرنے والی سود خوار اور مکروہ و بھیانک سرمایہ داری۔ یہ خودغرض انفرادیت پسندی جس کے ہوتے ہوئے باہمی تعاون و ہمدردی کا سوال ہی نہیں، جب تک قانون کا ڈنڈا سر پر نہ ہو۔ پھر یہ زندگی کا روکھا پھیکا اور گھٹیا مادی تصور، یہ "آزادانہ اختلاط" کے حسین نام سے جانوروں کی سی آوارگی۔ یہ "عورت کی آزادی" کے دل فریب عنوان سے غلاموں کا بازار۔ یہ نکاح و طلاق کے معاملے میں حد سے بڑھی ہوئی فضول خرچی، بیہودگی، بے جا مراسم اور ظاہری ٹیم ٹام جن کا مسائل زندگی سے کوئی جوڑ نہیں۔ یہ نسلی تفریق و امتیاز جس کے مکروہ و خبیث ہونے میں شک کی گنجائش نہیں، اس وقت یہ ساری ہی باتیں میرا نشانہ بنتیں۔ پھر ان کے بالمقابل میں اسلام کی معقولیت پسندی، انسانیت نوازی، خوش مزاجی، عالی ظرفی نیز اس کی عظمت و رفعت اور لامحدود آفاقیت کو پیش کرتا اور بتاتا کہ وہ کس طرح وقت کے عملی مسائل سے بحث کرتا اور خالص فطری اصولوں کے مطابق ان کے حل تجویز کرتا ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے مغربی زندگی میں ہمیں آئے دن سابقہ پڑتا۔ اور جب انہیں اسلام کی روشنی میں پیش کیا جاتا تو شرم سے اہلِ مغرب کی گردنیں جھک جاتیں۔ لیکن آج کچھ "مسلمان"، تعفن انگیز جاہلیت سے ہی بری طرح مرعوب ہیں۔ وہ مغرب کے نہایت گھٹیا "پھسپھسے" اور ہر لحظہ بدلتے اصولوں کے انبار اور مشرق کی گھناؤنی مادی خباثتوں میں اسلام سے مشابہت کے پہلو تلاش کرتے ہیں۔

اب شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ ہم دعوتِ دین کے علمبرداروں کے لیے

Marfat.com

یہ قطعاً زیبا نہیں کہ افکار و تصورات، وضع قطع، اور طور طریق کے سلسلے میں جاہلیت کے شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کریں۔ اگرچہ ہم پر کتنا ہی دباؤ پڑے۔

ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم جاہلیت کے بجائے اسلامی تصورات، اور اسلامی روایات کو رواج دیں، اور یہ جاہلیت کی دوڑ میں حصہ لیتے، اور شروع میں کچھ دور تک اس کے شانہ بشانہ چلنے سے ممکن نہیں۔ جیسا کہ ہمارے کچھ بھائیوں کا گمان ہے کہ یہ تو پہلے ہی قدم پر اپنی کمزوری اور شکست کا کھلا کھلا اعتراف ہوگا۔

بلاشبہ معاشرے کی خرافات اور ماحول میں فروغ پائی ہوئی روایات کا دباؤ بہت سخت اور بالخصوص عورت کے لیے تو انتہائی حوصلہ شکن ہوتا ہے، مسلم عورت اس دباؤ میں بالکل پس کر رہ جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جس کے بغیر چارۂ کار ہی نہ ہو اسے کیونکر چھوڑ دیا جائے؟ ناگزیر ہے کہ پہلے ہم پیروں کو جمائیں پھر اس جاہلیت پر غالب آئیں۔ ناگزیر ہے کہ جاہلیت جس سطح پر کھڑی ہے اس کی حقیقت کو ہم پوری طرح بے نقاب کریں، اور بتائیں کہ جس نظام اسلامی کے ہم آرزومند ہیں، اس کی پُرنور اور تابناک بلندیوں کے مقابلے میں وہ کس قدر پستی میں ہے۔

یہ اس طرح ہرگز نہ ہوگا کہ کچھ دور تک ہم جاہلیت کے قدم بہ قدم چلیں، نہ اس طرح ہوگا کہ سرے سے اس سے تعلق ہی توڑ لیں، اور بالکل علیحدہ و کنارہ کش رہیں۔ نہیں، اس سے ملیں، لیکن شانِ امتیاز میں فرق نہ آئے، لین دین کریں، لیکن خودداری پر آنچ نہ آئے، حق کا اعلان کریں، لیکن پیار کے ساتھ، ایمان پر فخر ہو، لیکن تواضع کے ساتھ، پھر ان سب کے علاوہ ہم اصل حقیقت سے کبھی غافل نہ ہوں، ہر آن ذہن میں یہ تصور رہے کہ حق و صداقت بس ہمارے ساتھ ہے۔ یاد رہے! ہمارے گرد و پیش جو کچھ ہے سب جاہلیت ہے، اور اس جاہلیت سے اسلام کی طرف آنے کے لیے بہت ہی

Marfat.com

لمبی جست لگانی ہو گی، پھر ان دونوں کے درمیان جو خلیج ہے، اس پر پل اس لیے نہیں تعمیر کیا جائے گا کہ بیچ راہ میں دونوں آ کر مل جائیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ اہل جاہلیت اسلام کی طرف آسکیں. خواہ وہ نام نہاد وطن اسلامی کے "نمائشی" مسلمان ہوں یا کہیں اور کے رہنے والے غیر مسلم۔ اور اس طرح وہ تاریکیوں سے نکل کر نور میں آسکیں جن بدبختیوں کے چنگل میں گرفتار ہیں، ان سے آزاد ہو سکیں۔ اور ہم اسلام کو جاننے اور اس کی روشنی میں زندگی گزارنے کا عزم رکھنے والے جس خیر کے لذت آشنا ہیں اس سے وہ بھی لذت گیر ہو سکیں۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو ہم بھی وہی کہہ دیں جو کبھی ہمارے نبیؐ نے کہا تھا:

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ

تمھیں تمہارا دین، اور مجھے میرا دین۔ (کفرون آیت ۶)

Marfat.com

اسلام کی سربلندی

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ — سست نہ پڑو، غم گین نہ ہو، تم ہی اونچے ہو اگر تم مومن ہو۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد مبارک کا مصداق وہ خاص حالت جہاد ہے، جو میدانِ جنگ میں ہوتی ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو اس ہدایت میں بڑی وسعت ہے، الفاظ کا عموم اور آیت کی روح شاہد ہے کہ جہاد کی جتنی بھی شکلیں ممکن ہیں، ان سب پر یہ حاوی ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ مومن کے احساس وشعور کی ہمیشہ کیا کیفیت ہو کسی بھی شخص، یا کسی بھی چیز، یا کسی بھی واقعہ، یا کسی بھی نظریہ کے سلسلہ میں اس کا کیا اندازِ فکر ہو۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ ایک مومن کو اپنی برتری کا کیسا احساس ہو، ایمان اور ایمانی قدروں پر اسے کتنا ناز ہو، سارے باطل نظام اور باطل قدریں اور تمام باطل پرست انسان اس کی نگاہ میں کس طرح ہیچ اور بے وقعت ہوں۔

دنیا کی ساری ہی چیزوں کے مقابلے میں اسے اپنی برتری کا احساس ہو۔ اور وہ تمام نظام وقوانین، وہ تمام قدریں اور روایتیں اور دنیوی طاقتیں اُسے حقیر وکمتر نظر آئیں۔ جو ایمان سے دور اور خدا کی روشنی یا خدا کی سرپرستی سے محروم ہوں۔

Marfat.com

وہ چاہے کمزور و ناتواں ہو، بے یار و مددگار ہو، مال و دولت سے محروم ہو لیکن پھر بھی اسے اپنی برتری کا احساس ہو۔ بالکل ویسا ہی احساس ہو، جیسا زور و قوت کی موجودگی اور مال و دولت کی فراوانی میں ہو۔

اور یہ احساس کبھی سرنگوں ہونے کو تیار نہ ہو، نہ کسی باغی قوت کے سامنے جھکنے کو تیار ہو، نہ معاشرتی رسوم و رواج اور باطل قوانین سے مرعوب ہو، اور نہ کسی ایسے نظام سے متاثر ہو، جو ایمان کی پشت پناہی سے محروم ہو، اگرچہ دنیا کی نگاہوں میں اسے کتنی ہی وقعت حاصل ہو۔

ایک مومن معرکۂ جہاد میں جس ثابت قدمی و پامردی کا مظاہرہ کرتا ہے وہ مومن کی ایمانی قوت اور اس کے احساس برتری کے ان بہت سے مظاہر میں سے بس ایک ہے جن کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ ہے۔

پھر مومن کا یہ احساس برتری کسی کھوکھلے عزم، کسی ہیجانی نخوت، یا کسی ہنگامی شجاعت کا نتیجہ نہیں ہوتا اس کے پیچھے تو حق کی وہ لازوال طاقت ہوتی ہے جو مزاج کائنات میں مرکوز ہے، اور جو اقتدار کی منطق، ماحول کے تصورات، معاشرے کی خرافات اور تمام جاہلی رسوم و روایات کے دباؤ سے آزاد ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق اس خدائے حی و قیوم سے ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں۔

معاشرے کے باطل عقائد و نظریات اور جاہلی رسوم و روایات کا اس شخص پر انتہائی شدید دباؤ پڑتا ہے، جو کسی محکم قوت کا سہارا لیے بغیر مقابلے میں نکل آئے۔ غالب و حکمران تصورات اور ماحول میں پھیلی ہوئی خرافات کا حملہ اتنا زبردست ہوتا ہے کہ جب تک پشت پر کوئی ایسی قوت نہ ہو جس کے سامنے وہ تصورات و نظریات ماند پڑ جائیں۔ یا کسی ایسے سرچشمے سے تعلق نہ ہو، جو ان کے سرچشمے سے بھی زیادہ ارفع

Marfat.com

نہ اعلیٰ اور قوی تر ہو، اس وقت تک ان کی زد سے بچنا دشوار ہوتا ہے۔

جو شخص معاشرے کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے، اس کی غلط رسوم و روایات، عقائد و نظریات، افکار و تصورات، میلانات و رجحانات اور عزت و ذلت کے پیمانوں سے بغاوت کرتا ہے، اس پر معاشرے کا اتنا شدید دباؤ پڑتا ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکتا جب تک کہ پشت پر کوئی ایسی قوت نہ ہو جو انسانوں سے زیادہ قوی پہاڑ سے زیادہ اٹل اور زندگی سے زیادہ عزیز ہو۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ مومن کو اس طوفانِ کشمکش میں یکہ و تنہا، اور بے یار و مددگار نہیں چھوڑ دیتا، کہ وہ حزن و غم اور احساس ناتوانی سے ہمت چھوڑ بیٹھے۔ بلکہ وہ اس کے سر پر شفقت و محبت کا ہاتھ رکھتا اور اسے یہ جاں نواز پیغام دیتا ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○	سست نہ پڑو، غمگین نہ ہو۔ تم ہی سب سے اونچے ہو، اگر تم مومن ہو۔

(آل عمران ۱۳۹)

اس موقع پر لازماً حزن و غم کا بھی حملہ ہوتا ہے، اور احساس ناتوانی کا بھی۔ یہ ہدایت آتی ہے تاکہ مومن اس کے ذریعہ ان دونوں کا مقابلہ کرے۔ جہاں وہ اس موقع پر صبر و استقامت سے کام لے، وہیں اپنی عظمت و بلندی کے احساس سے سرشار بھی ہو وہ سرکش قوتوں، نامعقول قدروں، جاہلی نظریوں، باطل نظاموں، بے جا رسموں نامناسب عادتوں، ترک و اختیار کے غلط پیمانوں اور گمراہی پر متحد جتھوں سے ذرا بھی مرعوب نہ ہو، بلکہ انھیں اپنے سے کمتر اور فروتر سمجھے۔

اور غور کرو تو حقیقت بھی یہی ہے۔ ہر لحاظ سے بلند و برتر مومن ہی ہے۔ اس کا سہارا سب سے بڑا سہارا ہے، اس کا سرچشمہ سب سے اونچا سرچشمہ ہے۔ بھلا اسے

انسانوں سے کیا سروکار؟ ساری دنیا سے کیا علاقہ؟ دنیوی قدرداروں کی اسے کیا پروا؟ انسانی پیمانوں سے اسے کیا واسطہ؟ وہ تو اللہ ہی سے لیتا، اللہ ہی کی طرف پلٹتا، اور اللہ ہی کے راستہ پر چلتا ہے۔

تصورِ الٰہ کے لحاظ سے بھی وہی بلند ہوتا ہے کیونکہ ایمان باللہ کی جو شکل اسلام نے پیش کی ہے، خداشناسی یا معرفتِ الٰہی کی مکمل ترین شکل ہے۔ اور اگر اس روشن، تابناک، متوازن اور پرجمال شکل کا موازنہ بُت پرستانہ نظریات عیسائی خرافات یہودی تصورات یا مکروہ وبھیانک مادی مذاہب کی بے حجاب موشگافیوں سے کیا کیا جائے۔ یا ان تصورات وعقائد اور ان مذاہب سے کیا جائے، جو قدیم وجدید فلسفوں نے پیش کیے، تو عقیدۂ اسلامی کی عظمت نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ جو لوگ علم وعرفان کی ان بلندیوں کو چھو لیتے ہیں۔ حقیقت میں وہی ارفع واعلیٰ اور وہی بلند وبرتر ہیں۔

زندگی کی وہ قدریں اور وہ پیمانے جن کی بنیاد پر کسی کے محترم یا ذلیل ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے، یا جن کی روشنی میں کسی فعل یا کسی واقعہ کا فیصلہ کیا جاتا ہے ان کے سلسلہ میں بھی مومن کا تصور جتنا بلند ہوتا ہے کسی اور کا نہیں ہو سکتا، عقیدۂ اسلامی جس کی بنیاد خدا شناسی ہے، جس کا سرچشمہ صفاتِ الٰہی سے صحیح وابستگی ہے، جس کا منبع ان قدروں سے آگہی اور ان حقائق کی جانکاری ہے جن کا تعلق اس چھوٹے سے کرۂ زمین سے ہی نہیں، بلکہ پوری کائنات ــــ وسیع ولامحدود کائنات سے ہے، وہ عقیدہ مومن کو قدروں اور پیمانوں کا اتنا بلند اور محکم تصور دیتا ہے کہ یہ ناقص اور بودی انسانی قدریں ان کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ اور ایسا ہونا فطری بات ہے کیونکہ ان انسانوں کا علم ناقص ہے۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ پاؤں تلے کے علاوہ انھیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اسی لیے کسی ایک پیمانے پر انہیں قرار نہیں۔ ان کے پیمانوں کی عمر تو ایک

Marfat.com

نسل کے برابر بھی نہیں ہوتی۔ حد یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے باب میں صبح شام میں ان کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔

جذبات و احساسات، خیالات و رجحانات اور اخلاق و معاملات کے لحاظ سے بھی وہی بلند ہوتا ہے، کیونکہ جس خدا پر اس کا ایمان ہوتا ہے۔ وہ تمام اچھائیوں سے آراستہ اور ساری خوبیوں کا سرچشمہ ہے۔ سارے اچھے نام اور ساری اچھی صفات اسی کے لیے ہیں۔ تمام اچھائیوں سے متصف خدائے تعالیٰ کا یہ عقیدہ اس کو رفعت و بلندی، طہارت و پاکیزگی، عفت و خدا ترسی اور نیکوکاری پر اکساتا ہے۔ اس کے اندر خدا کی سچی جانشینی کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ اسے آخرت کی ان کامرانیوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، جن کے سامنے دنیوی آلام و مصائب کی کوئی حقیقت نہیں مومن کو اس سے اتھاہ قلبی سکون اور بے پناہ روحانی سرور حاصل ہوتا ہے۔ اس کے آسمان تخیل پر یقین و اطمینان کے اتنے تارے جگمگاتے ہیں کہ پھر وہ ساری محرومیوں اور ساری اذیتوں سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔

زندگی کے نظاموں اور رہن سہن کے لحاظ سے بھی وہی بلند ہوتا ہے۔ ایک مومن جب سارے قدیم و جدید انسانی نظاموں کا جائزہ لے کر خدائی نظام زندگی اور خدائی شریعت سے ان کا موازنہ کرتا ہے تو اُسے نظر آتا ہے کہ زندگی کے وہ سارے نظام اس نظام کامل کے سامنے بچوں کی بے معنی حرکتوں اور اندھوں کی ٹامک ٹوئیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اور اس وقت جہاں اسے انسانیت کی گمراہی، محرومی اور بدبختی پر ترس آتا ہے، وہیں اپنی بلندی و برتری کا بھی احساس ہوتا ہے۔

مغرور و بدمست طاقتوں، جاہلیت کے حکمراں پیمانوں، اور کھلے کھلے تمدنی

لہ یاد رہے جاہلیت کسی مخصوص دور کا نام نہیں۔ جاہلیت تو اس کیفیت کا نام ہے جو ہر اس موقع پر عود کر آتی ہے جب کوئی معاشرہ اسلامی نہج سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ جاہلیت پہلے بھی تھی آج بھی ہے اور آئندہ بھی ہو سکتی ہے۔

Marfat.com

مظاہر کے مقابلے میں قرن اول کے مسلمانوں کا یہی انداز تھا۔

مشہور ایرانی کمانڈر رستم کے کیمپ میں جاہلی رسوم، جاہلی تصورات، جاہلی روایات اور جاہلی خرافات کے مقابلے میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کا یہی کردار سامنے آتا ہے۔

ابو عثمان نہدیؒ سے روایت ہے کہ جب مغیرہ دریا کا پل عبور کر کے ایرانی لشکر میں پہنچے، تو ان لوگوں نے مغیرہ کو بٹھا لیا، اور آگے جانے کے لیے رستم سے اجازت طلب کی۔ اس موقع پر وہ بہت ہی نفرت و حقارت سے پیش آئے۔ مروت و انسانیت اور بھلمنساہت کی جیسے انھیں ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ پھر مغیرہ بن شعبہ آگے بڑھے۔ اعیان مملکت اپنی خاص وضع میں تھے۔ سروں پر تاج تھے اور جسم پر زرتار پوشاکیں اور قالینیں تقریباً تین چار سو قدموں کی دوری میں بچھی ہوئی تھیں گویا تین چار سو قدم چلنے کے بعد کہیں رستم تک پہنچنا ممکن تھا۔ مغیرہ نہایت شان کے ساتھ آگے بڑھے اور جا کر بے تکلف شاہی تخت پر بیٹھ گئے۔ اسی لمحے سارے درباری ان پر ٹوٹ پڑے انھیں گھسیٹ کر نیچے لائے، اور زمین پر دے پٹخا۔

حضرت مغیرہ نے کہا: میں سنتا تھا تم لوگ عاقل و بالغ اور ہوش مند لوگ ہو، لیکن آج کھلا کہ تم سے زیادہ نادان قوم کوئی نہیں۔ ہم عربوں کا تو یہ حال ہے کہ ہم میں سب برابر ہیں۔ کوئی کسی کو غلام نہیں بناتا الا آنکہ وہ اس کا دشمن ہو۔ میں سمجھتا تھا تمھارے ہاں بھی یہی بات ہو گی، اسی لیے میں نے کوئی خیال نہیں کیا۔ مگر تم نے یہ جو کچھ کیا، یہ کہاں کی انسانیت تھی۔ اگر تم پہلے ہی مجھے بتا دیتے کہ ہم میں کچھ آقا ہیں اور کچھ غلام اور یہ باتیں ہماری تہذیب کے خلاف ہیں۔ تو میں ایسا کیوں کرتا۔ پھر میں خود سے تو آیا نہیں تھا، تم نے ہی مجھے بلایا تھا خیر آج مجھے اندازہ ہوا، کہ تمھارا چراغ اب جلد ہی گل ہونے والا ہے، اب جلد ہی تمھیں تخت و تاج سے ہاتھ دھونا ہے۔ کہیں ان عادات و اطوار اور ان جہالتوں کے ساتھ دنیا میں کوئی حکومت چلتی ہے؟!

اسی طرح جنگ قادسیہ سے پہلے رستم اور اس کے حاشیہ نشینوں کے درمیان

Marfat.com

ربعیؓ بن عامر کا یہی کردار سامنے آتا ہے:

"حضرت سعدؓ بن وقاص نے جنگ قادسیہ سے پہلے حضرت ربعیؓ بن عامر کو ایرانی کمانڈر رستم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ وہ آئے تو دیکھا مخملیں قالینوں پر ریشمیں گاؤ تکیے لگے ہیں بیش قیمت زر و جواہر اپنی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ کر رہے ہیں۔ اور رستم سر پر تاج رکھے انتہائی شان سے زریں تخت پر جلوہ افروز ہے حضرت ربعیؓ بن عامر گھوڑے پر بیٹھے، ہاتھوں میں ایک ڈھال لیے، اور جسم پر کچھ بوسیدہ کپڑے پہنے اندر داخل ہوئے، وہ گھوڑے پر سوار ہی رہے، یہاں تک کہ قالینوں کے کچھ حصے روند گئے، پھر اتر کر گھوڑے کو کسی گاؤ تکیے سے باندھا، اور ہتھیار سجائے ہوئے سر پر خود (آہنی ٹوپی) رکھے ہوئے بڑھے۔ درباریوں نے کہا: ہتھیار اتار دو۔ جواب دیا: میں خود تو آیا نہیں ہوں، تمہارے بلانے پر آیا ہوں، مجھے یونہی رہنے دو، ورنہ میں واپس جاتا ہوں۔ رستم نے کہا: چھوڑ دو۔ چنانچہ وہ تکیوں کو نیزے سے کونچتے ہوئے آگے بڑھے۔ رستم نے پوچھا: تمہارے آنے کی غرض کیا ہے؟ جواب دیا: اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تاکہ جسے وہ توفیق دے، اسے ہم بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔ دنیا کی تنگیوں سے نکال کر دنیا و آخرت کی فراخیوں میں پہنچائیں، اور دیگر مذاہب کی زیادتیوں سے بچا کر اسلام سے ہم کنار کریں۔"

حالات بدلتے ہیں مسلم مغلوب و مفتوح اور مادی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے لیکن اس کا یہ احساس اس سے جدا نہیں ہوتا کہ وہی بلند و برتر ہے۔ وہ جب تک مومن رہتا ہے اپنے کو فاتح سے اونچا ہی سمجھتا ہے، اس کو یقین ہوتا ہے کہ مغلوبیت کا یہ دور ایک ہنگامی دور ہے، جو گزر کر رہے گا۔ اس کے بعد ایمان کا دور اقبال ہو گا۔ بلاشبہ اس کا بھی احتمال ہے کہ اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہو جائے مگر پھر بھی

Marfat.com

وہ سرنگوں کیوں ہو؟ مرنا تو سبھی کو ہے۔ البتہ وہ شہادت سے سرفراز ہو کر جنت کی نعمتوں سے ہم کنار ہوگا، جبکہ اس کا فاتح جہنم کی ہولناکیوں سے دوچار ہوگا۔ اور دونوں میں کتنا فرق ہے، کتنا عظیم فرق! وہ مسلسل اپنے رب کریم کی یہ صدائے جاں نواز سنتا رہتا ہے:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۝ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۝ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۝ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ۔

(آل عمران ۱۹۶ - ۱۹۸)

دنیا میں کافروں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ تو بس چار دن کی بہار ہے، پھر توان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ کتنی بری جائے قرار ہے۔ البتہ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں رواں ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے سامانِ ضیافت ہوگا۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی نیکوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔

معاشرے میں ایسے عقائد و تصورات کا غلبہ اور ایسے پیمانوں کی حکمرانی ہوتی ہے، جو اس کے عقائد و تصورات اور پیمانوں کی بالکل ضد ہوتے ہیں لیکن پھر بھی یہ احساس اس سے جدا نہیں ہوتا کہ وہی بلندی پر ہے، اور دوسرے پستی میں ہیں۔ وہ انتہائی بلندیوں سے ان کی طرف دیکھتا ہے۔ اس وقت جہاں اسے اپنی خوش نصیبی اور برتری کا احساس ہوتا ہے وہیں ان کی پستی و محرومی پر اسے رونا آجاتا ہے بے اختیار اس کا دل چاہتا ہے کہ جس خیر سے وہ خود نہال ہے اس خیر کی راہ انہیں بھی سجھا دے۔ جن بلندیوں پر اس کا بسیرا ہے، ان بلندیوں تک انہیں بھی پہنچا دے۔

باطل اکڑتا اور ڈینگیں مارتا ہے۔ غراتا اور پیچ وتاب کھاتا ہے۔ اس کے چاروں طرف ایسے مصنوعی ہالے ہوتے ہیں، جو اس کے قلب ونگاہ کے لیے حجاب بن جاتے ہیں۔ وہ ان ہالوں سے ہٹ کر اپنے گھناؤنے اور نفرت انگیز ناسوروں کو نہیں دیکھ پاتا۔ مومن غرانے والے باطل اور فریب خوردہ جتھوں کو بلندیوں سے دیکھتا ہے۔ اس طرح وہ پست ہمتی یا رنج وملال کا شکار ہونے کے بجائے اور زیادہ متحرک اور سرگرم ہو جاتا ہے۔ وہ پوری مضبوطی وپامردی سے حق پر ڈٹا رہتا ہے۔ اپنے نہج پر قائم ودائم رہتا ہے۔ نیز ان گمراہ اور فریب خوردہ نادانوں کو صحیح راہ پر لانے کی پیہم کوشش کرتا ہے۔

معاشرہ شہوانی دلچسپیوں اور بیہودہ حرکتوں میں غرق اور کیچڑ مٹی میں ملوث رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ساری بیڑیوں اور بندھنوں سے آزاد ہو کر کھلا خوب مزے کر رہا ہے۔ اس قسم کے معاشرے میں ہر پاکیزہ اور حلال وطیب شے نایاب ہوتی ہے۔ بدبودار پانی اور کیچڑ مٹی کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی: مومن بلندیوں سے اُن کیچڑ میں دھنسے ہوئے اور مٹی سے چپٹے ہوئے نادانوں کو دیکھتا ہے۔ اور اپنے کو بالکل یکہ وتنہا پاتا ہے۔ مگر اس کو ناتوانی یا حُزن وغم کا احساس نہیں ہوتا۔ نہ کبھی یہ خیال آتا ہے کہ اپنی پاکیزہ وپرنور چادر اُتار پھینکے۔ اور خود بھی کیچڑ میں جا ڈوبے۔ بلاشبہ یقین کی یہ لذت اور ایمان کی یہ دولت اس کی برتری کے لیے کافی ہے۔

دین وشرافت، اخلاق ومروت اور ہر پاکیزہ وطاہر اور پُرجمال شے سے بیزار معاشرے میں دین پر قائم رہنے والے مومن کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ہاتھوں میں انگارہ دبائے ہوئے کسی شخص کی ہو سکتی ہے۔ دوسرے اس کی اس کیفیت کا مذاق اڑاتے اور اس کی دینی قدروں پر پھبتیاں کستے ہیں۔ مگر مومن پست ہمتی کا شکار

نہیں ہوتا ۔ وہ بلندیوں سے ان بے خبر نادانوں پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہے۔ اور پُر نور قافلۂ ایمان کے ایک معزز رہنما حضرت نوح علیہ السلام کی زبان میں کہتا ہے؛

اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ (ہود ۳۸)	اگر تم ہم پر ہنستے ہو، تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے، جس طرح تم ہنس رہے ہو۔

وہ ان آیات الٰہی کے دریچوں سے اپنا انجام بھی دیکھتا ہے اور نور سے دشمنی اور تاریکی سے آشنائی کرنے والے ان نادانوں کا بھی :

اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ۔ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ۔ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ عَلَى الْاَرَآئِكِ یَنْظُرُوْنَ ۔ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ؟	یہ مجرم ایمان لانے والوں پر ہنستے تھے۔ یہ جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں اشارے کرتے، جب اپنے لوگوں کی طرف پلٹتے تو چہکتے ہوئے پلٹتے اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے ؛ یہ لوگ تو گمراہ ہیں ـــــ حالانکہ یہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ـــــ تو آج کے دن ایمان لانے والے کافروں پر ہنس رہے ہیں۔ اونچی مسندوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں کیوں، کافروں کو جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا بدلہ مل گیا... ؟

(المطففین ۲۹-۳۶)

اور کفار کی کج بحثیوں سے تو قرآن کریم ہمیں پہلے ہی آگاہ کر چکا ہے ۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ	اور جب انہیں ہماری واضح آیات سنائی

Marfat.com

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا؟

(مریم ۷۳)

جاتی ہیں، تو کافر اہل ایمان سے کہتے ہیں: ہم دونوں میں حیثیت کے لحاظ سے کون اونچا اور اعوان و انصار کے اعتبار سے کون اچھا ہے۔

کون لوگ اونچے ہیں؟ وہ اشرافِ قریش جو محمدؐ کے دشمن ہیں، یا وہ فقراء جو آپؐ پر فدا ہیں؟ کون اچھے ہیں؟ نضر بن حارث، عمرو بن ہشام، ولید بن مغیرہ اور ابوسفیان بن حرب؟ یا بلال و عمّار اور صہیب و خباب؟ محمدؐ کی دعوت اگر بہتر ہوتی تو کیا ان کے پیرو ایسے ہی ہوتے؟ ایسے ہی مفلس و نادار اور بے وقعت لوگ؟ کہ دارارقم جیسے معمولی گھران کا مرکز بنیں۔ اور کیا ان کے مخالفین اس طرح عیش کرتے، ایسی اونچی اونچی کوٹھیوں میں رہتے۔ اس طرح با اقتدار اور صاحبِ جاہ و منصب ہوتے؟

زمین کی ہمیشہ یہی منطق رہی ہے۔ کائنات کی رفعتوں سے بے خبر انسانوں کی ہر جگہ اور ہر دور میں یہی منطق رہی ہے۔ مگر حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہے کہ عقیدہ زیب و زینت سے عاری اور دل رُبا چیزوں سے خالی ہو۔ یہاں حاکم کا تقرب ہو نہ جاہ و اقتدار کا فتنہ یہاں لذتِ کام و دہن کے ساماں ہوں نہ طبیعت کو گدگدانے والے ارماں۔ یہاں بس جہد و مشقت ہو، جہاد ہو، اور شہادت کے سُرخ جام ہوں۔ تاکہ جو اس طرف آئے، بس اسی کے لیے آئے۔ پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ آئے، حیوانی قدروں اور مادی دلفریبیوں سے کٹ کر آئے۔ اور جو چمک دمک پر فریفتہ ہو جو زیب و زینت کا جویا ہو، جو مال و دولت کا پرستار اور آسائشوں کا طلب گار ہو اور جو میزانِ الٰہی میں بے وزن ثابت ہو جانے کے بعد بھی انسانی پیمانوں کو وزن دیتا ہو وہ اس کوچے میں قدم ہی نہ رکھے۔

Marfat.com

مومن زندگی کی قدریں، ترک و اختیار کے پیمانے اور بنیادی عقائد و تصورات.. بندوں سے نہیں لیتا کہ ان کی ناقدری پر رنجیدہ ہو، وہ یہ ساری چیزیں بس خدا سے لیتا ہے۔ اور وہ اس کے لیے کافی ہے۔ وہ یہ چیزیں انسانی ذہن سے نہیں لیتا کہ ان کی خواہشات کے جھولے میں جھولتا رہے۔ حق کی اٹل میزان سے لیتا ہے، جو کبھی ڈانوا ڈول نہ ہو۔ گویا ان اُمور میں اس کا تعلق محدود اور فانی دنیا سے نہیں، کائنات کے اصل اور لافانی سرچشموں سے ہوتا ہے۔ بتاؤ اب وہ حُزن و غم یا احساس ناتوانی کا شکار کیونکر ہو جبکہ اس کا تعلق خدا سے ہے۔ حق کی اٹل میزان اور کائنات کے اصل سرچشموں سے ہے؟

وہ حق پر ہوتا ہے۔ اور حق کے علاوہ جو کچھ ہے، گمراہی ہے، باطل کے پاس جاہ و اقتدار ہوا کرے، دولت کی ریل پیل ہوا کرے، لاؤ لشکر کا سیلاب اور انسانوں کی بھیڑ ہوا کرے۔ مگر حق بہر حال حق ہے۔ وہ حق پر ہے۔ اور حق کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے ایک مومن اگر وہ سچ مچ مومن ہے، تو کبھی حق پر گمراہی کو ترجیح نہیں دے سکتا، نہ دونوں کو ایک کر سکتا ہے، اگرچہ حالات کتنے ہی بُرے ہوں، زمانہ کتنا ہی ناموافق ہو۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

یہی شاہراہ ہے

وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَ
الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّ
مَشْهُوْدٍ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُ
خْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ
عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
شُهُوْدٌ، وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ
اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَهِيْدٌ، اِنَّ الَّذِيْنَ
فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ
جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ۔

قسم ہے برجوں والے آسمان کی، اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے، اور شاہد اور مشہود کی۔ ناس ہو کھائی والوں کا، ایندھن بھری آگ والوں کا، جبکہ وہ اس پر بیٹھے ہوئے تھے، اور جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے۔ انہیں ان کی صرف یہ بات بری لگی کہ وہ اللہ پر ایمان رکھیں، جو غلبہ کا مالک اور حمد و ستائش کا سزاوار ہے جو آسمان اور زمین کی بادشاہت کا مالک ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستایا۔ پھر توبہ نہ کی، ان کے لیے عذاب ہے جہنم کا، اور ان کے لیے

Marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ، إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ۔

(البروج)

عذاب ہے بھڑکتی ہوئی آگ کا بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے، اور اچھے کام کیے اُن کے لیے باغ ہیں، جن کے قریب سے نہریں رواں ہوں گی، یہی بڑی کامیابی ہے۔ بلاشبہ تمہارے رب کی پکڑ بڑی ہی سخت ہے۔ اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہ انتہائی معاف کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ تخت کا مالک بڑی شان والا، جو چاہے کر ڈالے۔

اصحاب الاُخدود کا یہ واقعہ اس قابل ہے کہ مومن داعیانِ حق اس پر ٹھہر کر غور کریں، چاہے وہ کسی بھی جگہ اور کسی بھی دَور کے ہوں۔ قرآن کا اسے ایک خاص پیرائے میں لینا، ایک خاص تمہید کے ساتھ بیان کرنا۔ ایک خاص زاویے سے اس پر تبصرہ کرنا، اور بیچ بیچ میں مختلف رموز و حقائق کی طرف اشارے کرنا صرف اس لیے تھا کہ وہ کچھ گہرے اور واضح خطوط کھینچ دے جن سے بآسانی اندازہ ہو سکے کہ دعوتِ حق کا مزاج کیا ہے، اس کے ساتھ ہمیشہ انسانیت کا کیا سلوک رہا ہے۔ اور وہ کیسی کیسی جگر پاش مصیبتیں اور زہرہ گداز آزمائشیں ہیں جو دعوتِ دین کی رُوح میں پیش آسکتی ہیں۔ قرآن چاہتا کہ واضح طور پر مومنین کے لیے نشانِ راہ متعین کر دے اور انھیں ان تمام مصائب کو جھیلنے کیلئے پہلے سے تیار کر دے، جو فیصلۂ الٰہی کے تحت آتے، اور اپنے اندر گوناگوں حکمتیں رکھتے ہیں گو ہم انھیں سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

یہ ایک ایسے گروہ کا واقعہ ہے جو اپنے رب پر ایمان لایا، ایمان کا برملا

اعلان کیا، پھر ایسے درندہ خصلت ظالموں کا نشانۂ ستم بنا، جو آزادیٔ "انسان" کے دشمن تھے۔ ایک انسان پیدائشی طور پر آزاد، اور قابلِ احترام ہے۔ اس کو فطری طور پر حق کو قبول کرنے، اور خدا پر ایمان لانے کا حق ہے، مگر وہ ظالم یہ حق چھیننا چاہتے۔ اور اگر کوئی اس حق سے دستبردار نہ ہوتا، تو اس کے لیے سراپا ظلم وستم بن جاتے۔ اس گروہ نے ایمان کا اعلان کیا، تو انھوں نے درندگی وسفاکی کے بھرپور مظاہرے کیے۔ وہ اس کو ستا ستا کر اس کی اذیتوں سے محظوظ ہوتے۔ اور آگ کے الاؤ میں جھونک کر اس کی بے قراریوں کا پُرشوق نظارہ کرتے رہے!

یہ نفوس زندگی کی بندگی سے آزاد تھے۔ موت اس بھیانک انداز سے ان کے سامنے کھڑی تھی، لیکن زندگی کی محبت انہیں اپنی طرف نہ جھکا سکی۔ وہ زمین کی ساری بندشوں سے آزاد اور ارضی علائق پر پوری طرح غالب رہے کیونکہ عقیدہ زندگی پر غالب رہا۔

ان مومن، خیر پسند، اور بلند و اشرف نفوس کے مقابلے میں انتہائی سرکش، شر پسند، مجرم اور کمینی طبیعتیں تھیں، یہ آگ کے پاس بیٹھتیں، کہ دیکھیں، مومنین کس طرح جھلستے اور تڑپتے ہیں، کس طرح آگ زندگی کو کھاتی اور ان نیک افراد کو تودۂ راکھ بنا دیتی ہے۔ ان نیک اور صالح مومنین میں سے جب بھی کوئی جوان مرد یا جوان عورت، ننھی بچی یا بوڑھی خاتون، طفل شیر خوار یا پیر کہن سال آگ کے الاؤ میں جھونکا جاتا، ان سرکش طبیعتوں کے خسّت آمیز نشے میں طغیانی آجاتی، اور آگ کو بھڑکانے والے درندے خون اور آنتوں کے ساتھ خوب شیطنت کے مظاہرے کرتے!

یہ وہ شرمناک واقعہ ہے جس میں سرکش طبیعتیں انتہائی پستی میں اُتر کر

بربریت کی غلیظ کیچڑ میں خوب آلودہ ہوئیں، جس بیہودگی کے ساتھ وہ اس منظر جانکاہ سے محظوظ ہوتی رہیں، اس سے انسان تو انسان، درندے بھی شرما جائیں، کہ درندے بھی حملہ کرتے ہیں تو اس لیے کہ اس سے بھوک کی آگ بجھائیں نہ کہ بیہودگی کے ساتھ شکار کی بے قراریوں کا نظارہ کریں!

نیز یہی وہ عظیم واقعہ ہے جس میں مومنین کی روحیں رفعتوں سے آشنا ہوئیں۔ سارے بندھنوں سے آزاد ہو کر وہ بلندی کے اس نقطۂ کمال پر پہنچ گئیں کہ ساری انسانیت، ہر دور کی انسانیت، ہر نسل کی انسانیت بجا طور پر اُن پر فخر کر سکتی ہے۔

مادی نقطۂ نظر سے دیکھو تو یہاں طغیان کفر ایمان پر غالب رہا، وہ ایمان جو نیک، خیر پسند، ثابت قدم اور باعزم دلوں میں بلندی کی آخری سرحدیں چھو رہا تھا، اس کشمکش میں بُری طرح ناکام دسبک سر رہا!

قرآن یا حدیث۔ کہیں بھی یہ تذکرہ نہیں کہ اس موقع پر خدا کا ہاتھ حرکت میں آیا، ان درندوں کی سفاکیاں رنگ لائیں۔ قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم شعیب، قوم لوط، اور فرعون و آل فرعون کی طرح ان پر بھی عذاب الٰہی کے تازیانے برسے۔ اور قہر الٰہی نے بالکل ان کا صفایا کر دیا۔

مادی نقطۂ نگاہ سے دیکھو تو یہ اختتام بہت ہی دل شکن، اور یہ انجام انتہائی مایوس کن ہے!

کیا بات یہیں ختم ہو گئی؟ کیا ایمان کی بلند چوٹی پر پہنچ جانے والی جماعت یوں ہی مٹ گئی؟ اخدود کی جانکاہ اذیتوں کے ساتھ مٹ گئی؟ اور کیا وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرنے والا سرکش گروہ یوں ہی بچا رہا۔

بلاشبہ مادّی نقطۂ نظر سے اس انجام پر رُوح کو خلش اور دل کو کھٹک ہوتی ہے!

لیکن قرآن مومنین کو ایک دوسرا ہی تصور دیتا ہے، وہ ایک دوسری ہی حقیقت سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ وہ انہیں ان قدروں کے مزاج سے آگاہ کرتا ہے، جو اُن کی میزان میں، اس معرکے کی سرحدیں بتاتا ہے، جس میں وہ شریک ہیں۔

اس کے نزدیک یہ زندگی، اس زندگی کی لذتیں اور اذیتیں اس دنیا کی کامرانیاں اور محرومیاں ہی قابل لحاظ نہیں۔ یہی وہ پونجی نہیں جس پر سود وزیاں کا فیصلہ ہو۔ نصرت مادّی غلبہ واقتدار کے تنگ دائرے میں ہی محصور نہیں، کہ یہ تو نصرت کی محض ایک صورت ہے۔

خدا کی میزان میں قابل لحاظ چیز صرف عقیدہ ہے، خدا کے بازار میں چلنے والی پونجی تو بس ایمان ہے۔ نصرت کی سب سے ارفع واعلیٰ شکل یہ ہے، کہ روح مادّے پر، عقیدہ اذیتوں پر، اور ایمان آزمائشوں پر غالب رہے۔

بلاشبہ اس واقعہ میں مومنین کی روحیں خوف والم پر غالب رہیں، زمین اور زندگی کے علائق پر حاوی رہیں اور آزمائشوں پر پوری طرح فتحیاب رہیں، وہ اس شان سے غالب رہیں کہ ساری نوعِ انسانی، ہر دَور کی نوعِ انسانی اس پر فخر کر سکتی ہے۔ اور غور کرو تو یہی اصل غلبہ ہے۔ موت کس کو نہیں آتی، موت تو سبھی کو آتی ہے، اور مختلف انداز سے آتی ہے۔ لیکن سب کے لیے یہ رُتبۂ بلند کہاں؟! یہ غلبہ ونصرت، یہ شرف وعزت اور یہ ذکرِ دوام کہاں؟! یہ تو بس انہی کا نصیب تھا۔ یہ خدا کا خصوصی انعام واکرام تھا کہ وہ نیک روحیں موت میں تو سب کی شریک رہیں، مگر عز وشرف میں سب سے منفرد رہیں۔ پھر عز وشرف بھی ایسا کہ زمین کی وسعتیں بھی

Marfat.com

اس کیلئے ناکافی ہوئیں۔ اسی لیے تو نہ صرف روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں میں اس کا چرچا ہُوا بلکہ ملاءِ اعلیٰ کے قدسیوں اور آسمان کے فرشتوں میں بھی اس کا شہرہ ہُوا۔

مومنین کے لیے یہ کچھ مشکل نہ تھا کہ ایمان کی ہزیمت گوارا کر کے خود اپنی جان بچا لیتے، مگر یہ سودا کتنے خسارے کا ہوتا! کتنا عظیم خسارہ ہوتا ان کا بھی، اور ساری نوعِ انسانی کا بھی! کتنا عظیم خسارہ ہوتا اگر وہ اس تصوّر کا خون کر ڈالتے، کہ عقیدہ ہی زندگی کی رُوح اور آزادی ہی اس کی جوت ہے۔ اگر سرکش قوتیں جسم سے گزر کر روح پر بھی حاوی ہو جائیں، تو حقیقت میں یہی موت ہے۔

اس تصوّر میں کتنی بلندی ہے اور کتنی رعنائی بھی! آگ میں جلتے ہوئے بھی ان کے دل اسی تصوّر سے معمور تھے۔ اسی تصور کی شمعیں ان کے سینوں میں فروزاں تھیں۔ چنانچہ فانی جسم تو جل جاتے ہیں، مگر یہ بلند تصور نہ صرف فتحیاب ہوتا ہے، بلکہ آگ میں پڑ کر اور زیادہ نکھر آتا ہے!

پھر اس معرکے کا میدان بس زمین یا یہ دنیوی زندگی ہی نہیں۔ اور اس کے شرکاء و مشاہدین کسی ایک نسل کے انسان ہی نہیں۔ زمین کے ہنگاموں میں آسمان کے فرشتے بھی شریک ہیں۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور سب کے گواہ بھی ہوں گے۔ پھر جن پیمانوں سے وہ انہیں ناپتے ہیں، وہ بھی بالکل مختلف ہیں، انسانی پیمانوں سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔ علاوہ ازیں آسمان پر رہنے والی یہ نیک روحیں مادرِ گیتی کے فرزندوں سے کئی گنا زائد ہیں۔ اور یہ مسلم ہے کہ ان کی مدح و ستائش اور ان کی تعظیم و توقیر کے مقابلے میں انسانی تعریف و تحسین اور انسانی مدح و ستائش کی کوئی قیمت نہیں۔

پھر ان سب کے علاوہ آخرت بھی ہے۔ اور وہی اصل ہے جس سے اس دنیا کا بھی سررشتہ جا کر مل جاتا ہے۔ یہ بات جہاں ایک قطعی حقیقت ہے، وہیں عقیدۂ مومن کی جان اور اس کی ایک اہم بنیاد بھی ہے۔

Marfat.com

گویا معرکہ ابھی ختم نہیں ہوا، اصل انجام ابھی سامنے نہیں آیا۔ لہذا واقعات کی چند ظاہری کڑیوں کی ہی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا صحیح نہ ہوگا، کہ یہ محض وہم وگمان ہوگا، سنجیدگی اور حقیقت پسندی سے اُسے کوئی واسطہ نہ ہوگا۔

پہلی نگاہ انتہائی تنگ اور محدود نگاہ ہے، جو عجلت پسند انسان کی نگاہ ہے۔ قرآن دوسری وسیع اور دور رس نگاہ ہی مومنین کے اندر پیدا کرنی چاہتا ہے کیونکہ یہی نگاہ صحیح ایمانی تصور کی بنیاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ایمان وطاعت، آزمائشوں پر صبر، اور فتنوں سے شکست نہ کھانے پر بطورِ انعام جن چیزوں کا وعدہ فرمایا۔ وہ کچھ اسی انداز کی ہیں مثلاً:

(۱) وہ قلبی سکون واطمینان کی دولت لازوال سے مالا مال ہوں گے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ ط اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (الرعد ۲۸)	جو لوگ ایمان لائے، اور جن کے دلوں کو یادِ الٰہی سے اطمینان نصیب ہوتا ہے سن لو، یادِ الٰہی سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

(۲) وہ خدائے رحمان کی خوشنودیوں سے بہرہ مند ہوں گے، اس کی چاہتوں سے سرفراز ہوں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم ۹۶)	بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے، جلد ہی رحمان ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔

(۳) وہ ملاءِ اعلیٰ کی نورانی محفلوں میں فرشتوں کی پاکیزہ ومقدس مجلسوں میں یاد

کیسے جائیں گے۔ اور وہاں ان کے چرچے ہوں گے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدُ۔ قَالَ اللّٰہُ لِمَلَائِکَتِہٖ: قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ، فَیَقُوْلُ: قَبَضْتُمْ ثَمْرَۃَ فُؤَادِہٖ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: نَعَمْ فَیَقُوْلُ: مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ۔ فَیَقُوْلُ: ابْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ۔ (الترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندے کی اولاد مرتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: میرے بندے کی اولاد تم لے آئے؟ وہ کہتے ہیں: جی ہاں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس کے دل کا پھل توڑ لائے؟ وہ عرض کرتے ہیں، جی ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تب میرے بندے نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں: اس نے تیری حمد کی اور اِنّا للہ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ، اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: اِنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَاِنَا مَعَہٗ حِیْنَ یَذْکُرُنِیْ، فَاِذَا ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِہٖ، ذَکَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْہُ، فَاِنْ اقْتَرَبَ اِلَیَّ شِبْرًا، اِقْتَرَبْتُ اِلَیْہِ ذِرَاعًا، وَاِنْ اِقْتَرَبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا اقْتَرَبْتُ مِنْہُ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ مَشْیًا اَتَیْتُہٗ ھَرْوَلَۃً۔ (بخاری شریف و مسلم شریف)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے متعلق بندے کا جیسا گمان ہوگا مجھ کو ویسا ہی پائے گا۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی اسے دل میں

Marfat.com

یاد کرتا ہوں وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے، تو میں اس کو اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔ وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو گز قریب ہوتا ہوں، وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

(۴) ملاءِ اعلیٰ کی محبتیں اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہوں گی اور فرشتے دعا کریں گے۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ۔

(غافر ۷)

وہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے اردگرد ہیں، اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہیں۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان لانے والوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، ہمارے رب! تیرا علم اور تیری رحمت ہر شئے کو محیط ہے۔ تو جن لوگوں نے توبہ کی اور تیری راہ پر چلے انہیں معاف کردے اور انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچالے۔

۵۔ وہ اگر شہید ہوئے تو فنا ہونے کے بجائے ہمیشہ کے لیے زندۂ جاوید ہو جائیں گے اور وہ خدا کے خصوصی مہمان بن کر جنت کی نعمتوں سے آسودہ و شادکام ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ

اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پا رہے ہیں۔ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، اس پر خوشیاں مناتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں

Marfat.com

لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

(آل عمران ۱۶۹ - ۱۷۱)

کبھی وہ خوش ہو رہے ہیں، جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں، ابھی ان سے ملے نہیں ہیں کہ انہیں بھی نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی حزن وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر مگن ہیں اور مطمئن ہیں کہ اللہ اہلِ ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار باغی و سرکش اور نافرمان بندوں کی آخرت میں پکڑ کرنے اور دنیا میں ایک وقت تک انھیں ڈھیل دیتے رہنے کا وعدہ فرمایا۔ بلاشبہ کبھی کبھی اس نے دنیا میں بھی پکڑ کی۔ لیکن یہ اصل اور بھرپور سزا نہ تھی کہ اصل اور بھرپور سزا تو آخرت میں ہی ملے گی۔

وَلَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ، مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ (آل عمران ۱۹۶-۱۹۷)

دنیا میں کافروں کی چلت پھرت تمھیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے، یہ تو بس چار دن کی بہار ہے، پھر تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، وہ کتنی بری جائے قرار ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ، اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِىْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۔

(ابراھیم ۴۲-۴۳)

یہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ کو اس سے غافل نہ سمجھو، وہ تو انھیں بس اس دن کے لیے ٹال رہا ہے، جبکہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، اپنے سر اٹھائے دوڑتے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں ان کی طرف پلٹ نہ سکیں گی اور ان کے دل اڑے جاتے ہوں گے۔

Marfat.com

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۔ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۔ (المعارج ۴۲-۴۴)

اب چھوڑ دو انہیں۔ باتیں بنائیں، اور کھیلیں، یہاں تک کہ وہ دن ان کے سامنے آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وہ دن جبکہ یہ قبروں سے تیزی سے نکلیں گے، جیسے کسی نشانے کی طرف دوڑ رہے ہوں۔ نگاہیں جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

اس طرح انسانی زندگی کا سرا ملاء اعلیٰ کی زندگی سے جاملا، دنیا کا تعلق آخرت سے جڑ گیا، اور تنہا زمین ہی معرکۂ خیر و شر، رزم حق و باطل اور کشاکش ایمان و طغیان کا میدان نہ رہی اور دنیوی زندگی ہی اس سلسلے کی آخری کڑی یا اس کشمکش کے فیصلے کی آخری میعاد نہیں ٹھہری۔ نیز زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی لذتیں اور اذیتیں، شادکامیاں اور محرومیاں ہی خدا کی میزان میں قابل لحاظ نہ ہوں۔

اس طرح زمان و مکان کی حدیں ٹوٹ گئیں، قدروں اور پیمانوں میں وسعت آگئی۔ مومن کی دنیائیں لامحدود ہوگئیں۔ اس کے عزائم اور حوصلوں میں بلندی آگئی۔ ظاہر ہے اس کے بعد مومن کی نگاہ میں دنیا اور اس کی لذتوں کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ وہ تو جوں جوں آفاق کا مشاہدہ کرتا، اور کائنات کی وسعتوں سے باخبر ہوتا ہے، اس کے اندر رفعت و بلندی آتی جاتی ہے۔ اصحٰب الاخدود کا یہ واقعہ اس پہلو سے انتہائی اہم اور اس بلند و اشرف اور جامع تصور ایمانی کا بہترین شاہکار ہے۔

Marfat.com

واقعہ اصحاب الاخدود سے دعوتِ دین کے مزاج اور داعیِ حق کے موقف پر ایک اور زاویئے سے روشنی پڑتی ہے۔

تاریخِ دعوت نے زمین پر تحریکِ اسلامی کے مختلف انجام دیکھے ہیں۔ اس نے قوم نوح، قوم ہود، قوم شعیب اور قوم لوط کی بربادی بھی دیکھی ہے۔ اور مختصر سی مومن جماعت کی نجات بھی۔ مگر یہاں پہنچ کر قرآن خاموش ہوجاتا ہے: وہ نجات یافتہ گروہ کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا کہ ان کے بعد کا دور کیسا رہا۔ یہ مثالیں اس سنّتِ الٰہی کا پتہ دیتی ہیں کہ عذاب الٰہی کا تازیانہ کبھی دنیا میں ہی نمودار ہوکر سرکش منکرینِ حق کی گردنِ استکبار توڑ دیتا ہے۔ گرچہ اصل اور بھرپور سزا تو آخرت میں ہی ملے گی۔

تاریخِ دعوت نے فرعون اور آل فرعون کی غرقابی اور موسیٰؑ اور قوم موسیٰؑ کی سربلندی کا بھی مشاہدہ کیا ہے، اور یہ بھی دیکھا ہے کہ قومِ موسیٰ جب تک خیر و صلاح میں سب سے نمایاں رہی اس وقت تک وہ قوت و اقتدار کی مالک رہی گرچہ وہ کبھی کامل استقامت کا ثبوت نہ دے سکی نہ زمین پر دینِ الٰہی کو بہ حیثیت ایک ہمہ گیر نظامِ زندگی قائم کرنے کا ہی رُتبۂ بلند حاصل کرسکی۔ یہ مثال پہلی مثالوں سے کچھ مختلف ہے۔

تاریخِ دعوت نے ان مشرکین کی بربادیوں کا بھی نظارہ کیا ہے جنھوں نے حق کو قبول کرنے اور رسولِ خدا پر ایمان لانے سے مسلسل اعراض کیا، اور ان پیروانِ رسولؐ کا دورِ اقبال بھی دیکھا ہے جو ایمان ویقین کی تلوار ہاتھ میں لے کر سارے عالم پر چھا گئے۔ اور پھر نظامِ الٰہی کی ایسی زبردست اور پرشکوہ سلطنت قائم کی جو اپنی نظیر آپ تھی، کہ ویسی سلطنت پہلے کبھی قائم ہوئی تھی نہ بعد میں ہی

Marfat.com

قائم ہو سکی۔

راہِ دعوت و عزیمت میں اور بھی مختلف انجام سامنے آتے رہے ہیں۔ تاریخ آج بھی انہیں دُہرا رہی ہے، اور آئندہ بھی دُہراتی رہے گی۔

مگر ان سب کے پہلو بہ پہلو وہ انجام بھی سامنے آنا ناگزیر تھا جس پر واقعۂ اُحد ودسے روشنی پڑتی ہے۔

اس طرح کا انجام سامنے آنا ناگزیر تھا کہ مومنین بچ نہ سکیں اور کفار کی گرفت نہ ہو! تاکہ علمبردارانِ حق آگاہ رہیں کہ راہِ دعوت میں کبھی اس قسم کے انجام سے بھی سابقہ پڑ سکتا ہے۔ نیز اُن کے دائرۂ اختیار میں کچھ بھی نہیں، ان کی لگام اور عقیدے کی زمام سب خدا کے ہی ہاتھ میں ہے!

ان کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذمّہ داری ادا کریں، پھر چلے جائیں ان کا فرض ہے کہ وہ اللہ سے ہی رشتہ جوڑیں۔ عقیدے کو زندگی پر ترجیح دیں، ایمان کو آزمائشوں پر غالب رکھیں اور فکر و عمل میں اخلاص و للّٰہیت پیدا کریں۔ انجام کیا ہوگا؟ کاوشوں کا نتیجہ کیا ہوگا؟ زمانے کا ردّعمل کیا ہوگا؟ یہ ان کے سوچنے کی چیزیں نہیں، یہ تو خدا کی مرضی پر ہے، وہ جو چاہے گا، فیصلہ فرمائے گا چاہے گا تو ان کے ساتھ پچھلی کسی تحریک کا سا معاملہ کرے گا، یا وسیع علم و حکمت کی بنیاد پر کسی اور انجام کا فیصلہ فرمائے گا۔

وہ تو اللہ کے مزدور ہیں۔ جہاں بھی جس وقت بھی اور جس طرح بھی وہ چاہے گا، ان سے کام لے گا۔ پھر انہیں ان کی مزدوری ملے گی! دعوت کا انجام کیا ہوگا؟ یہ نہ اُن کے اختیار میں ہے، نہ وہ اس کے مکلف ہیں، کہ یہ تو مالک کا کام ہے مزدوروں کا کام نہیں! ان کا کام تو بس یہ ہے کہ اپنی ڈیوٹی ادا کریں اور اپنی مزدوری لیں۔

پہلی قسط میں انہیں قلب و ذہن کی یکسوئی، احساس و شعور کی بلندی،

Marfat.com

فکر و تصور کی رعنائی سارے بندھنوں سے رستگاری اور خوف و اضطراب سے آزادی ملے گی۔

دوسری قسط میں ملاءِ اعلیٰ کی مدح و ستائش اور فرشتوں کی تعظیم و تکریم کا گراں بہا صلہ ملے گا۔

پھر سب سے بڑی قسط آخرت میں ملے گی: آسان حساب، عظیم نعمتیں۔

اور ہر قسط کے ساتھ ان سب سے بڑی نعمت ملے گی: خدا کی خوشنودی اور یہ رتبۂ بلند کہ وہ خدا کے منتخب بندے ہیں۔ وہ اس کے فیصلے نافذ ہونے کا ذریعہ اور اس کی قدرت کے ظہور کا واسطہ ہیں۔ وہ زمین پر جو کچھ کرنا چاہے گا ان ہی کے ذریعہ سے کرے گا۔

قرآنی تربیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بالکل یہی کیفیت ہو گئی تھی وہ اپنی شخصیت سے آزاد اور ذاتی اختیارات سے بالکل دستبردار ہو گئے تھے۔ وہ بس مالک کے مزدور تھے، کہ خدا کی رضا ان کی رضا تھی اور خدا کی پسند ان کی پسند تھی۔

قرآنی ہدایات کے ساتھ ساتھ رسولِ خدا کی تربیت بھی اپنا کام کرتی۔ وہ قلب و نگاہ کا رُخ جنت کی طرف پھیر کر خدا کی مشیت پر اور ان کے فیصلوں پر صبر کرنے اور ہمیشہ راضی برضا رہنے کی ترغیب دیتی۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارؓ اور ان کے ماں، باپ کو دیکھتے کہ وہ مکے کی گھاٹیوں میں بڑی بے دردی سے ستائے جا رہے ہیں۔ اس وقت آپؐ اس سے زیادہ کچھ نہ فرماتے:

صبرا آل یاسر موعدکم الجنۃ۔ آلِ یاسر صبر کرو، تمھارا ٹھکانہ

Marfat.com

جنت ہے۔

حضرت خبابؓ بن الارتؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں ایک چادر کا تکیہ بنائے آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے بطور شکایت عرض کیا: آپؐ خدا سے نصرت کی درخواست نہیں کرتے؟ ہمارے لیے آپؐ دعا نہیں فرماتے؟! آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے تو یہ حال تھا کہ گڑھا کھود کر آدمی کو گاڑ دیا جاتا، پھر سر پہ آرا رکھ کر بیچ سے چیر دیا جاتا، اور لوہے کی کنگھیاں کی جاتیں جن سے گوشت کھرچ جاتا، لیکن پھر بھی وہ دین سے برگشتہ نہ ہوتا۔ بخدا یہ دین قائم ہو کر رہے گا، یہاں تک کہ سوار صنعاء (یمن) سے حضر موت تک کا سفر کرے گا، اور راستہ میں اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا بس چرواہے کو بھیڑیوں کا ڈر رہے گا۔ مگر (افسوس کہ) تم جلدی مچاتے ہو (بخاری)

ہر واقعہ کے پیچھے خدائے تعالیٰ کی کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے جو ہستی پوری کائنات کا نظم چلاتی ہے جو اس کے ایک ایک گوشے کی خبر رکھتی ہے جو اس کے لیے سارے واقعات و حوادث کی نگرانی کرتے اور اس کے تمام اجزا میں سازگاری پیدا کرتی ہے۔ وہی ہستی یہ جان سکتی ہے کہ اس کے مخفی پردۂ غیب میں کیا کیا حکمتیں پنہاں ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد ہم پر ایک واقعہ کی حکمتیں کھلتی ہیں، جبکہ خود اس کے دور کے لوگ ان سے بالکل بے خبر تھے اور شاید ان کے ذہن میں رہ رہ کر یہ سوال بھی ابھرتا رہا ہوگا کہ: کیوں؟ میرے رب ایسا کیوں؟ خود یہ سوال کرنا ہی ایسی جہالت ہے جس سے مومن بچتا ہے۔ کیونکہ اول روز سے ہی وہ جانتا ہے کہ ہر فیصلۂ الٰہی کے پیچھے کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ پھر اس کے عالمِ تصور کی وسعت اس کی قدروں اور پیمانوں کی آفاقیت اور اس کے زمان

Marfat.com

ومکان کی لامحدودیت شروع سے ہی اس طرح کے سوالات سے اسے بے نیاز کردیتی ہے، اور وہ کاروانِ قضا و قدر کے ساتھ پورے سکون و اطمینان کے ساتھ آگے بڑھتا ہے۔

قرآن ایسے افراد تیار کرنا چاہتا تھا جو اس بارِ امانت کو اُٹھا سکیں۔ ایسے افراد کے لیے ضروری تھا کہ ان میں اتنی مضبوطی اور اتنی بے لوثی ہو کہ وہ — ہر چیز لٹاتے ہوئے اور ہر طرح کی اذیتیں جھیلتے ہوئے بھی دنیا کی کسی چیز پر پُرشوق نگاہیں نہ ڈالیں، جن کی نگاہیں صرف آخرت کی طرف اُٹھیں، جو صرف رضائے الٰہی کے طلب گار ہوں جو حیاتِ دنیا کی پوری مسافت تکلیفوں اذیتوں، مصیبتوں اور محرومیوں کے ساتھ طے کرنے کے لیے تیار ہوں جو قربانیوں پر قربانیاں پیش کرنے، حتیٰ کہ خطرات کے نرغے میں گھرے رہنے کیلئے ہر آن مستعد ہوں، پھر ان سب کا صلہ وہ دنیا میں نہ چاہتے ہوں، اگرچہ یہ صلہ دعوت کی کامیابی، اسلام کی سربلندی، مسلمانوں کی فتح وظفر یابی، حتیٰ کہ قہرِ الٰہی کے نتیجہ میں ظالموں کی تباہی و بربادی ہی کیوں نہ ہو!

چنانچہ جب اس طرح کے نفوس تیار ہو گئے جو اس بات سے آگاہ تھے کہ اس دنیا میں انہیں صرف دینا ہی دینا ہے، اور حق و باطل کے درمیان فیصلے کے لیے آخرت کا انتظار کرنا ہے۔ نیز انہوں نے کامل اخلاص وللّٰہیت کا ثبوت دے دیا، تو اللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت سے نواز کر انہیں زمین کا امین بنایا، شخصی مصالح اور ذاتی اغراض کے لیے نہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ شریعت الٰہی جیسی عظیم امانت کو اُٹھا سکیں۔ اور سچ پوچھیے تو وہ امین بننے کے پوری طرح اہل ہو بھی چکے تھے کیونکہ ان سے کسی دنیوی منفعت کا وعدہ نہیں تھا کہ اس کے وہ طلبگار ہوتے، نہ کسی دنیوی منفعت کی طرف انہوں نے حسر

Marfat.com

سے دیکھا ہی تھا کہ اس سے وہ نوازے جاتے۔ وہ سچ مچ اللہ تعالیٰ کے لیے بے لو ہو چکے تھے، کہ رضائے الٰہی کے سوا ان کے ذہن میں کوئی سودا نہ تھا۔

وہ آیتیں جن میں فتح و نصرت اور مال غنیمت، مومنین کے ہاتھوں مشرکین کو تباہ کرنے کے وعدے تھے، وہ سب مدینہ میں نازل ہوئیں۔ جبکہ یہ ساری چیزیں مومنین کے پروگرام سے خارج ہو چکی تھیں، اور وہ ان چیزوں کے ذرا بھی آرزومند نہ رہ گئے۔ پھر فتح و نصرت آنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ مشیتِ الٰہی اس نظام کو واقعاتی دنیا میں ایک ایسی عملی اور محسوس شکل دینا چاہتی تھی، جسے قومیں اپنی نگاہوں سے دیکھ سکیں۔ گویا یہ فتح و ظفرمندی ان کی قربانیوں کے صلے میں نہ تھی بلکہ فیصلۂ الٰہی اور تقدیرِ الٰہی کے تحت تھی، جو گوناگوں حکمتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ گرچہ ہم ان سے بے خبر ہوتے!

یہ ایک اہم نکتہ ہے جس پر داعیانِ حق کو ٹھہر کر غور کرنا چاہیئے، خواہ وہ کسی بھی جگہ ہوں، کسی بھی دور سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس سے نشاناتِ راہ بالکل روشن ہو کر سامنے آجائیں گے۔ نیز ان فداکارانِ حق کے پیروں کو جماؤ حاصل ہو گا، جو بہر قیمت اس راہ کو طے کرنے کا عزم رکھتے ہوں گے۔ چنانچہ وہ اس خوف ناک راستہ کو طے کرتے ہوئے جو انسانی کھوپڑیوں اور کٹی ہوئی آنتوں سے پٹا ہوا اور بے گناہوں کے خون سے لالہ زار ہو گا، اسی دنیا میں فتح و نصرت کے آرزومند یا حق و باطل کے درمیان فیصلے کے خواہاں نہ ہوں گے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کے لیے انہیں فتح و نصرت سے نوازنا چاہے گا تو نوازے گا۔ لیکن یہ ان کی قربانیوں کا صلہ نہ ہو گا۔ ہاں یہ صلہ نہ ہو گا، کیونکہ دنیا صلے کی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ خود خدا کے ایک فیصلے کا نفاذ ہو گا، جس کے لیے وہ اپنے کچھ منتخب بندوں سے کام لے گا۔ اور یہ انتخاب بلند اُن کے عزو شرف کے لیے

Marfat.com

کافی ہے، کہ اس کے سامنے نہ دنیا کوئی چیز ہے نہ زندگی یا اس کی تلخیوں اور مسرتوں کی کوئی حقیقت ہے۔

قصۂ اُخدود پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن پاک کا ارشاد ہے:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ	اور انہیں ان کی صرف یہ بات بُری لگی
يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ	کہ وہ اللہ پر ایمان رکھیں جو غلبہ کا مالک
الْحَمِيْدِ ۝ (البروج)	اور حمد و ستائش کا سزاوار ہے۔

اس سے ایک اور نکتے کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو اس قابل ہے کہ دعوتِ دین کا کام کرنے والے مومنین اس پر غور کریں، خواہ وہ کسی بھی دور یا کسی بھی سرزمین سے تعلق رکھتے ہوں۔

اہلِ ایمان اور دشمنانِ اسلام کے درمیان جنگ دراصل عقیدے کی جنگ ہے۔ یہ دشمنانِ اسلام اہلِ ایمان سے صرف عقیدے کی وجہ سے چڑتے اور محض ایمان کی وجہ سے بیر رکھتے ہیں۔

یہ کوئی سیاسی یا اقتصادی جنگ نہیں۔ نسلی اور قومی جنگ بھی نہیں۔ اگر ایسی کوئی جنگ ہوتی، تو اس کا ختم ہو جانا آسان تھا، مگر یہ تو عقیدے کی جنگ ہے۔ کہ یا تو کفر ہوگا یا ایمان۔ یا جاہلیت رہے گی یا اسلام!

اشرافِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال و دولت کے انبار حکومت کے تخت و تاج اور عیش و عشرت کے سامان، غرض ساری ہی چیزیں پیشکش کی تھیں کیوں؟ صرف اس لیے کہ آپ عقیدے کی جنگ سے باز آجائیں، اس معاملے میں نرمی و رواداری سے کام لیں۔ اور اگر ـــــ معاذ اللہ ـــــ ان میں سے کسی چیز پر بھی آپؐ راضی ہو گئے ہوتے، تو آپؐ سے

Marfat.com

ان کی کوئی جنگ نہ رہتی!

یاد رہے! یہ دراصل عقیدے کا مسئلہ اور عقیدے کی جنگ ہے۔ اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ وہ جب بھی کسی دشمن کے مقابلے میں صف بستہ ہوں، ان کے ذہن و دماغ میں یہ حقیقت مستحضر رہے۔ کیونکہ عداوت کی بنیاد صرف عقیدہ ہے لڑائی کی وجہ بس یہ ہے کہ وہ خدائے عزیز و حمید پر ایمان رکھتے اسی کے آگے جھکتے اور اسی کی اطاعت کرتے ہیں!

دشمنانِ دین کی کبھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ عرصۂ جنگ میں مذہبی جھنڈے کے علاوہ کوئی اور جھنڈا بلند کر دیں۔ خواہ وہ اقتصادی جھنڈا ہو یا سیاسی اور قومی جھنڈا تاکہ وہ اہلِ ایمان کو جنگ کی حقیقت سے غافل رکھ کر ان کے سینوں میں عقیدے کے دہکتے ہوئے انگارے سرد کر دیں۔ مومنین کا فرض ہے کہ وہ دھوکہ نہ کھائیں، ان کا فرض ہے کہ وہ ہمیشہ چوکنے رہیں کہ یہ ایک ناپاک سازش اور اک خفیہ مقصد کے لیے ملمع کاری ہے، جو ایسا کرتا ہے وہ دراصل فتح و نصرت کے حقیقی اسلحہ سے انہیں غافل کرنا چاہتا ہے۔ خواہ یہ فتح و نصرت کسی بھی شکل میں ہو، روحانی ترقی کی شکل میں جیسا کہ واقعۂ اُخدود میں اہلِ ایمان کو حاصل ہوئی، یا مادی غلبہ و اقتدار کی شکل میں جو روحانی ترقی کا ہی نتیجہ ہے جیسا کہ قرنِ اوّل کے مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔

جھنڈے کے رُخ پر یہ غازہ ملنے کی زندہ مثال وہ عالم گیر صلیبی تحریک ہے، جس کی آج یہ کوشش ہے کہ موجودہ جنگ کی حقیقت کے سلسلہ میں ہم کو فریب میں رکھے اور تاریخ کے بدنما چہرے پر کسی طرح کوئی حسین و جمیل نقاب ڈال دے۔ چنانچہ اس کا کہنا ہے کہ صلیبی جنگوں کی آڑ میں دراصل سامراجی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ خود بعد میں نمودار ہونے والے سامراج

Marfat.com

کی آڑ میں صلیبی روح کی وہ دیوی تھی، جس کے اندر اتنی قوت و ہمت نہ تھی کہ قرون وسطیٰ کی طرح عریاں و بے حجاب ہو سکتی! کیونکہ چند مسلمانوں کی قیادت نے اسے عقیدے کی آہنی چٹان سے ٹکرا کر چور چور کر دیا تھا۔ انہی مسلمانوں میں صلاح الدین محمد دی اور توران شاہ ملو کی بھی تھے۔ یہ مسلمان ان نسلوں سے تھے جو اپنی قومیتیں بھول کر بس عقیدے کی ہو رہی تھیں۔ چنانچہ وہ عقیدے کے جھنڈے تلے فتح و نصرت سے ہم کنار ہوئیں!

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ

اور انھیں ان کی صرف یہ بات بری لگی، کہ وہ اللہ پر ایمان رکھیں،

جو اقتدار کا مالک اور حمد و ستائش کا سزاوار ہے۔

سچ کہا، سچ کہا خدائے برتر نے، اور غلط کہا ان جھوٹے مکاروں نے۔

Marfat.com

نقوشِ راہ

سید قطبؒ شہید

ترجمہ

عنایت اللہ سبحانی

فاران اکیڈمی

۵۸۔ حلیم اسکوائر۔ ملتان

Marfat.com